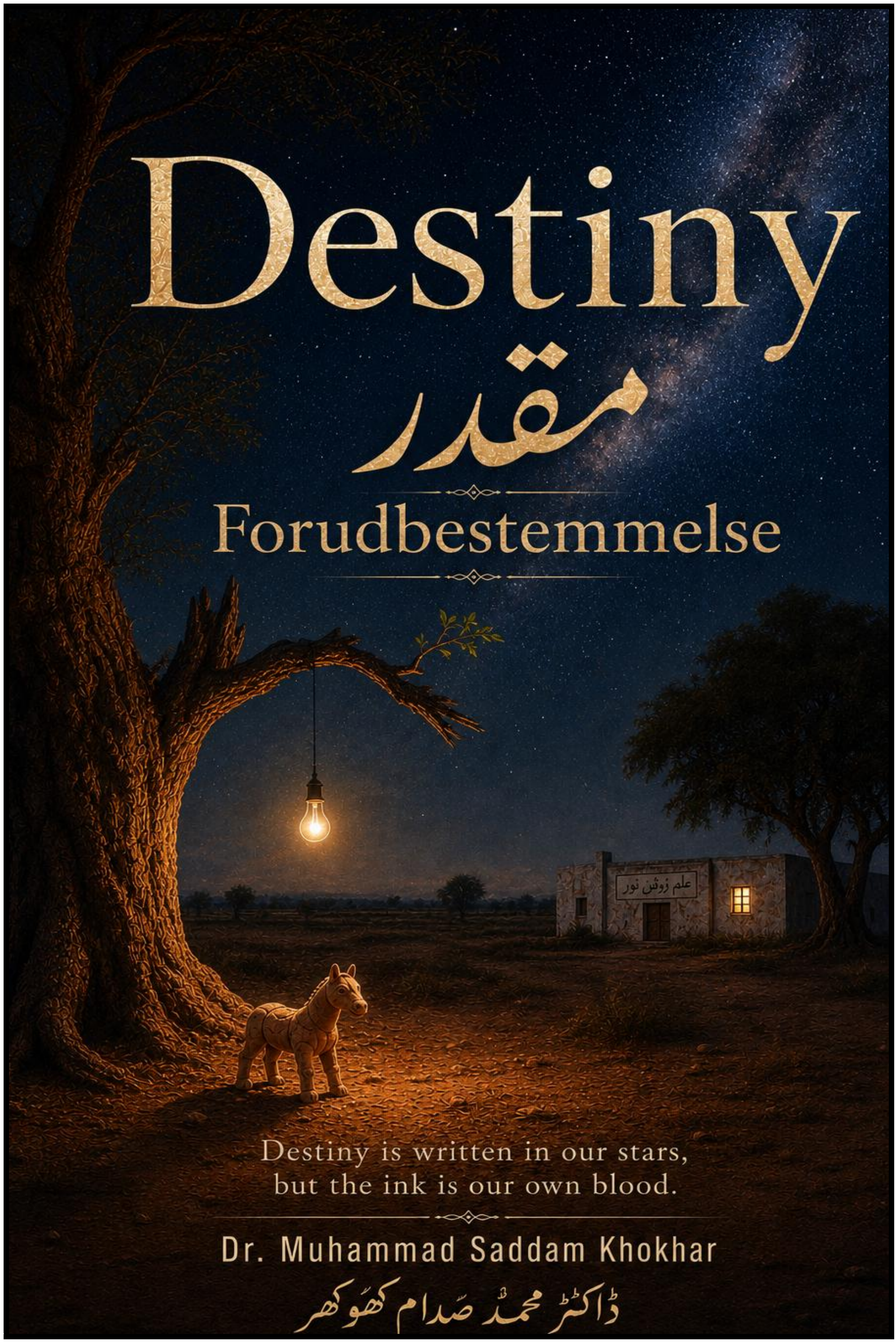


Destiny

مقدر

Forudbestemmelse

Destiny is written in our stars,
but the ink is our own blood.

Dr. Muhammad Saddam Khokhar

ڈاکٹر محمدؐ صدام کھوکھر

Dr.Muhammad Saddam Khokhar , Saddam_khokhar@hotmail.com

نوٹ برائے قارئین

یہ ناول اردو میں لکھا گیا ہے، مگر اس کی تدوین کے دوران انگریزی اسپیل چیکر اور اردو لغت ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ جب بھی اردو کے کسی لفظ کے ساتھ انگریزی کا کوئی حرف (جیسے اے یا بی) آجاتا ہے تو اسپیل چیکر اسے غلطی ظاہر کر دیتا ہے، حالانکہ وہ لفظ درست ہوتا ہے۔ مزید برآں، کچھ فقرے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے کہیں کہیں فقرے کی ساخت معمولی سی متاثر ہوئی ہے۔ ترجمے کی اس کیفیت کو بھی برائے کرم نظر انداز کریں، کیونکہ اصل روح اور مفہوم وہی ہے جو مقصود تھا۔

اس کے علاوہ، سندھی شاعری اور لوک گیتوں کو اردو رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ان کی اصل ساخت اور تلفظ میں معمولی تبدیلی آئی ہے۔ اس سے بھی برائے کرم چشم پوشی کی جائے، کیونکہ مقصد صرف مفہوم تک رسائی ہے، لسانی درستگی نہیں۔

چنانچہ اگر آپ کو متن میں کہیں کوئی معمولی سی بے ترکیبی یا کوئی غیر معمولی نشان نظر آئے تو برائے کرم اسے نظر انداز کر دیں—یہ محض ٹیکنیکل الجھاؤ، ترجمے کی حدبندی، اور سندھی اردو رسم الخط کی آمیزش کا نتیجہ ہے، تحریر کی اصلاح کا تقاضا نہیں۔

یہ پہلا مسودہ ہے، جو دوستوں اور ای بک کے قارئین کے لیے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ان کی آراء سے اسے مزید نکھارا جا سکے۔

ناول کا مکمل اور پروف ریڈ شدہ ورژن ایک پیشہ ور پبلشر چھ ماہ بعد جاری کرے گا، جس میں تحریر کے ہر پہلو کو درست اور مکمل کر دیا جائے گا۔

Saddam

شکریہ

ڈاکٹر محمد صدام کھوکھر

مقدر

ایک ناول

ڈاکٹر محمد صدام کھوکھر

Download URL : [مقدر --Destiny]

Email: *Saddam_khokhar@hotmail.com*

Khokhar, M. S. (2026). The Wavefunction and the Chakr Structural Isomorphisms Between Quantum Entanglement and Sufi Non-Dualism in Shah Abdul Latif Bhittai. Zenodo. https://doi.org/10.5281/zenodo.20999312

مقدر ستاروں میں لکھی گئی ایک کتاب ہے
لیکن اس کی روشنائی ہمارا اپنا خون ہے۔

جو دل میں رکھیو سو دل میں رہے
جس دل میں رکھیو سو وہی سجے۔

جو کچھ دل میں رکھو گے، وہ دل ہی میں رہے گا؛
جس دل میں رکھو گے، وہی اسے زیب دیتا ہے۔

دریا کسی بادشاہ کو نہیں مانتا۔
وہ پہاڑ کے لیے جھکتا ہے، تخت کے لیے نہیں۔

آغاز

یہ کہانی ایک ایسے انسان کی ہے جو روشنی کے پیچھے دوڑا — اُس روشنی کے پیچھے جو اسے کبھی ملی نہیں تھی۔

وہ بچہ تھا، مٹی کے گھوڑے جیسی سادہ سی خوشی رکھتا تھا۔

لیکن دنیا نے اسے بہت جلد بتا دیا کہ کچھ لوگ پیدا ہوتے ہی ہار جاتے ہیں۔

اس نے اپنی ماں کو کھویا، اپنی بہن سے دور ہوا، اور ایک ایسے قفس میں ڈال دیا گیا

جہاں نہ کوئی دروازہ تھا، نہ کوئی امید۔

صرف ایک چالیس واٹ کا بلب تھا — اور ایک کتاب جس کے اوراق بکھر رہے تھے۔

۔ یہ کہانی اُن کے لیے نہیں — جنھوں نے بغیر لڑے جھک جانا سیکھ لیا۔

جو لوگ رک جاتے ہیں، وہ اس راستے پر نہیں آتے۔

یہ کہانی ان کے لیے ہے جو ابھی بھی اپنے اندھیرے میں کوئی چراغ ڈھونڈ رہے ہیں۔

جو جانتے ہیں کہ علم وہ واحد دولت ہے جو کوئی چھین نہیں سکتا۔

جو یقین رکھتے ہیں کہ ایک دن — ایک سچا دن — آئے گا جب وہ ان تمام دیواروں کے پار نکل جائیں گے جو ان کے سامنے کھڑی کی گئی تھیں۔

یہ کہانی مقدر کی ہے — مگر یہاں تقدیر ستاروں میں نہیں، اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں لکھی جاتی ہے۔

اور اسے پڑھنے کے لیے صرف ایک چیز درکار ہے

وہ چراغ جو تم نے کبھی بجھنے نہیں دیا۔

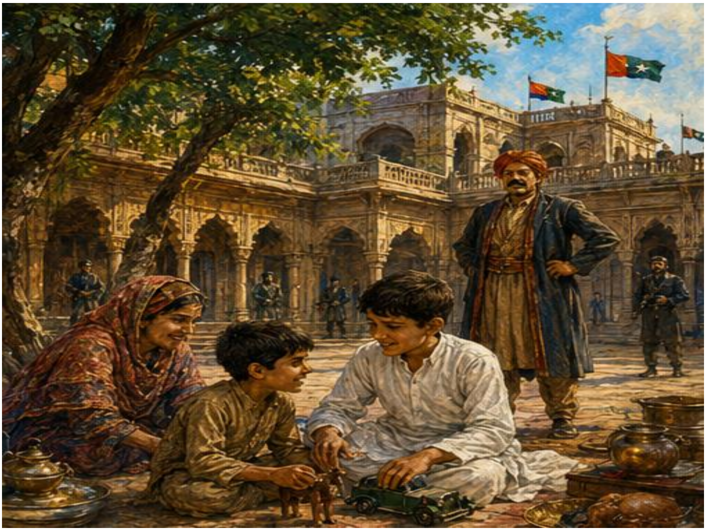
Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

پہلا حصہ

زمین اور اس کے مالک

سندھ، لطیف اور سچل کی سرزمین
جہاں دریائے سندھ دو بھوکوں کے درمیان بہتا ہے
طاقت وروں کی طاقت کے لیے بھوک
اور غریبوں کی روٹی کے لیے بھوک۔

حویلی صبح کے وقت



فجر کی اذان کو سندھ کے وسیع میدان میں اترنے میں ابھی دیر تھی — مگر حویلی پہلے سے سانس لے رہی تھی۔

وہ سانس لیتی تھی جس طرح قدیم چیزیں سانس لیتی ہیں — آہستہ، صدیوں کے بوجھ کو ہر سانس کے ساتھ باہر نکالتی ہوئی، خاک اور سرسوں کے تیل کی بو، رات کی چمبیلی کی مہک، اور خزاں کی گرمی میں سوکھتے گوبر کی ہلکی سی بو۔

وڈیرہ مہراب خان کی حویلی ایک ایسے گاؤں کے کنارے کھڑی تھی جس کا نام کسی سرکاری نقشے پر کوئی خاص مقام نہیں رکھتا تھا. حالانکہ وہ گاؤں دو سو سال سے اس نقشے پر موجود تھا جو واقعی اہم تھا۔ وہ نقشہ جو خون اور وفاداری قرض اور فرمانبرداری اور جاگیرداری فرض کے نہ لکھے ہوئے حساب کتاب پر بنتا ہے—وہ حساب جو پچاس کلومیٹر کے دائرے میں ہر خاندان اپنے سینے میں دوسرے دل کی طرح رکھتا ہے۔

حویلی میں تینتالیس کمرے تھے۔ اصل تعداد کسی کو نہیں معلوم تھی کیونکہ ان میں سے تین کمروں کو مہراب خان کے دادا نے ایک خاندانی جھگڑے کے بعد اینٹوں سے بند کر دیا تھا—وہ جھگڑا سولہ سال جاری رہا اور ایک چھری کے وار پر ختم ہوا اور وہ اینٹیں کبھی نہیں ہٹائی گئیں۔

باہر کی دیواریں دھوپ میں پکی ہوئی مٹی کی چار فٹ موٹی اینٹوں کی تھیں جن کے اوپر شہر سے لائے گئے پرانے پاکولا اور مری بیئر کی بوتلوں کے ٹوٹے شیشے جڑے تھے—سبز اور امبری ٹکڑے جو صبح کی پہلی روشنی کو پکڑ کر اسے لاپرواہی سے بکھیر دیتے تھے جیسے مٹھی بھر جواہر ہوں۔

ان دیواروں کے اندر پوری دنیا ایک مطلق حقیقت میں سکڑ جاتی تھی۔ کوئی باہر نہیں تھا۔ صرف حویلی تھی اور وہ زمین جس پر اس کا راج تھا چاروں طرف کھیتوں میں پھیلی ہوئی—گندم کپاس اور کبھی کبھار آم کے باغوں کی سرسبز شرارت۔

حویلی کے قلب میں دو درخت تھے جو افسانوی عمر کے مالک تھے۔ ایک نیم جس کی چھال بوڑھی عورت کے چہرے کی طرح سرمئی اور دراڑوں سے بھری تھی اپنی شاخیں پورے مشرقی حصے پر پھیلائے ہوئے تھی اور صبح کے وقت اس کا سایہ برآمدے کے نقاشی والے لکڑی کے ستونوں پر موسم کے ساتھ بدلنے والی ہندسی ترتیب سے گرتا تھا۔

نیم کے پہلو میں ایک پیپل کھڑا تھا جس کے دل جیسے پتے ہوا میں کانپتے تھے حتیٰ کہ جب کوئی ہوا نہ ہوتی جسے انسان محسوس کر سکے۔ نوکر کہتے تھے پیپل کے کان ہوتے ہیں۔ جب وڈیرہ صحن کے —دور کونے میں حکم دیتا پیپل کے پتے کانپنے لگتے اور وہ باتیں صحن کے نیچے ہر جڑ تک پہنچا دیتے گویا زمین خود سب کچھ جانتی تھی جو یہاں بولی جاتی تھی۔

اس صبح جیسے ہر صبح مائی اللہ رکھی پہلے ہی کام پر لگی ہوئی تھی۔

وہ پچاس سال کی عورت تھی حالانکہ اس سے زیادہ بڑی دکھائی دیتی تھی—جیسے سندھ میں سخت محنت عورت کو بوڑھا کر دیتی ہے لیکن بے رحمی سے نہیں بلکہ پورے طور پر ہر غیر ضروری چیز کو چھیل کر صرف خالص قوت برداشت باقی رہ جاتی ہے۔

اس کے ہاتھ قابلِ تعریف تھے: سخت جھریوں والے ہاں لیکن نفیس بھی—پورے پورے جوڑ جو برسوں گیلے کپڑے مروڑنے ٹیوب ویل سے پانی کھینچنے اور اتنی روٹی گوندھنے سے بڑھ گئے تھے جو ایک جوان عورت کو تھکا دیتی۔

اس صبح اس نے اپنا دھندلا اجرک شال—نیلا اور سرخ پرانا سندھی ڈیزائن کناروں سے گھسا وہ صحن میں سوکھے پامیرا گھاس ہوا مگر پھر بھی باوقار—اپنے سر پر لپیٹا اور سینے پر باندھ لیا تھا۔ کے لمبے ڈنڈے والے جھاڑو سے صفائی کر رہی تھی—ہر پھیر جان بوجھ کر، بغیر کسی جلدی کے۔

اسے جھاڑو دیتے ہوئے کھانسی آئی۔

یہ ایک چھوٹی سی دبی ہوئی آواز تھی—وہ کھانسی جو انسان نگلنا سیکھ لیتا ہے جب اسے مہینوں ہو چکی ہوں اور اسے یہ سمجھ آنے لگے کہ یہ محض کھانسی نہیں ہے۔

اس نے دوپٹے سے منہ دبایا ایک لمحے کے لیے تھاما پھر اپنے کام پر لگ گئی۔ وڈیرہ کے جاگنے سے پہلے صحن صاف ہو جانا چاہیے۔ باورچی کے ناشتہ شروع کرنے سے پہلے۔ گیٹ پر گارڈوں کی شفٹ تبدیل ہونے سے پہلے۔ اس دن کے آنے سے پہلے جو اپنے سارے تقاضے لے کر آ رہا تھا۔

نوکروں کے کمرے مرکزی عمارت کے پیچھے تھے: کچے گھاس پھونس کی جھونپڑیوں کی ایک قطار جو حویلی سے ایک تنگ گلی کے ذریعے جدا تھی جو دو دیواروں کے درمیان چلتی تھی۔ اکتوبر کی اس خشک صبح میں گلی میں حال ہی جلائی گئی مٹی کی چولھوں کی خوشبو تھی بڑی ٹین کی کیتلیوں

میں ابلتی پہلی چائے کی مہک تھی اور گھی کی خوشبو تھی جسے کوئی زیرہ کے ساتھ وڈیرہ کے ناشتے کی میز کے لیے حلوہ بنانے میں تڑکا رہا تھا۔

جھونپڑیوں کے باہر چارپائیوں پر سوتے ہوئے جسم تھے—تین چار کبھی پانچ ایک جھونپڑی میں۔ ایک دروازے سے ایک بچے کے دو ننگے پاؤں گلی میں پھیلے ہوئے تھے جو رسی کی چارپائی کے کنارے تک نیند میں کھسک گیا تھا۔

وہ پاؤں اللہ وارایو کے تھے۔

وہ آٹھ سال کا تھا۔ وہ اپنےپیٹ کے بل سوتا تھا بازو پھیلائے جس طرح وہ بچے سوتے ہیں جنہیں ابھی یہ سمجھ نہیں آتی کہ دنیا آخرکار ان سے کم جگہ لینے کا مطالبہ کرے گی۔ اس کا چہرہ تلے سوتی گدے پر بغلے سے پڑا ہوا ایک سیدھا سا چہرہ تھا—نیند میں بند چوڑی آنکھیں ہلکی سی اوپر اٹھی ناک ہونٹ کھلے ہوئے جہاں ابھی حال ہی میں گرا ہوا دودھ کا دانت خالی جگہ چھوڑ گیا تھا۔ اس کے بال سیاہ تھے اور ہمیشہ کنگھی کے محتاج۔

چارپائی کے پاس مٹی کے فرش پر ایک مٹی کا گھوڑا رکھا تھا جو اس نے پچھلی دوپہر بنایا تھا: اس کی چار ٹانگیں پوری برابر نہ تھیں اس کی گردن اوپر کو اٹھی ہوئی تھی جیسے کسی ایسی دوری میں کچھ ڈھونڈ رہی ہو جسے صرف گھوڑے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے پاس پنسل کا ایک ٹکڑا تھا۔

اللہ وارایو کی ماں نے اسے شکرگزاری کے وزن سے نام دیا تھا۔ وہ اس سے پہلے دو بچے کھو چکی تھی—دونوں بچپن میں ہی دونوں اس خطے کی خاص ظلم کا شکار ہو کر جہاں صاف پانی ایک عیش تھا اور مناسب دوا ایک خواب—اور جب یہ تیسرا بچہ اپنا پہلا سال جی گیا دوسرا سال جی گیا تیسرے سال میں ضدی تیز اور پھرتیلا ہو گیا تو اس نے اس کے نام کو عقیدے کا بیان سمجھا خدا کا دیا ہوا۔ جو خدا دے کوئی نہ لے۔

وہ نیند میں کڑکا۔

کہیں صحن کے پار، وڈیرہ کی بڑی سرمئی بلی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر دھول میں نرم دھم سے گری۔ کہیں دور سے صبح کا پہلا ٹریکٹر کھنکھنایا — اس کا ڈیزل کا دھواں ہلکے آسمان میں اٹھنے لگا۔ اونٹ کی گھنٹی دو بار جھنکی اور پھر خاموش ہو گئی۔

فجر کی اذان گاؤں کی مسجد سے شروع ہوئی — لاڑکانہ کی بڑی مسجد نہیں بلکہ اس گاؤں کے کنارے والی چھوٹی مسجد اس کا لاؤڈ اسپیکر ہلکا سا کرچ کرچ کرتا ہوا مؤذن کی پتلی اور سچی آواز سندھ کی لامحدود صبح میں پھیلتی ہوئی۔

✦ ✦ ✦

حویلی کے دوسری طرف اس کمرے میں جو کبھی اس کا پالنہ اور پھر کھیلنے کا کمرہ رہا تھا اور اب آٹھ سال کی عمر میں اس کی مکمل خود مختار سلطنت تھا۔ چھوٹا مہران خان پہلے سے جاگ رہا تھا۔ وہ قالین پر چوکڑی مار کر بیٹھا تھا جو اس کے والد نے کہیں سے منگوایا تھا جسے انہوں نے 'ایران کا مہنگا حصہ 'بتایا تھا اس کا گہرا سرخ انبار اس کے نیچے گھنا تھا اور وہ کھلونوں کے سپاہیوں کے مجموعہ کو اس منظم شدت سے ترتیب دے رہا تھا اور پھر بدل رہا تھا جیسے کوئی جرنیل جسے ابھی تک کسی نے ٹوکا نہ ہو۔

سپاہی برطانوی ساختہ تھے وڈیرہ کے لندن کے آخری دورے پر خریدے گئے تھے جب وہ اپنے بھائی سے ملنے گیا تھا جو وہاں آباد ہو چکا تھا۔ ان پر عین تفصیل سے رنگ کیا گیا تھا: سرخ کوٹ کالی ٹوپیاں چھوٹی بندوقیں۔

مہران انہیں اپنی ایجاد کردہ فلسفے کے تحت تعینات کرتا تھا۔ لمبے سپاہی سردار تھے۔ چھوٹے نوکر۔ جن کی ٹانگیں ٹوٹی تھیں وہ دشمن تھے۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

وہ سندھی جاگیردار خاندانوں کے اندازمیں ایک خوبصورت بچہ تھا—گوری رنگت خوب کھلایا ہوا اس کے بال اس کی ماں ہر صبح تیل لگا کر کنگھی کرتی اس کے کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے اور استری شدہ ہوتے چاہے وہ باہر جا کر اسی وقت انہیں گندا ہی کیوں نہ کر دے۔

اس کی آنکھیں بڑی اور معمولی حد تک خود سر تھیں اس نے خود سری اپنے باپ کے چہرے سے سیکھی تھی اس سے پہلے کہ وہ زبان سیکھتا۔ اس نے سفید سوتی شلوار قمیض پہنی تھی جس کے کالر پر کڑھائی تھی اس قسم کے کپڑے جنہیں استری کرنے میں مائی اللہ رکھی تیس منٹ لگاتی تھی۔

وہ بیزار تھا۔

یہ اس کی دائمی حالت تھی :اکتاہٹ۔ حویلی بڑی تو تھی مگر محدود۔ کھلونے بے شمار مگر مانوس۔ نوکروں کے بچوں سے کھیلنا اس کے لیے منع تھا—اس کے والد کا فرمان بغیر کسی وضاحت کے دیا گیا جس کا مطلب تھا کہ اس میں کوئی گفت و شنید نہیں۔ اس کے اپنے کزن حیدرآباد سے سال میں تین بار آتے تھے۔ استاد رحیم الدین ہر صبح آٹھ بجے آتے تھے اسے سندھی اردو اور انگریزی پڑھانے اور مہران کو یہ سبق اس وقت قابلِ برداشت لگتے جب بوڑھے آدمی تصریفوں کے درمیان کہانیاں سنا دیتے مگر ناقابلِ برداشت جب وہ پہاڑوں کے جدول ضرب پر اصرار کرتے۔

بیٹھک میں ایک ٹیلی ویژن تھا جس پر پانچ چینل آتے تھے جن میں سے دو پر کرکٹ آتی تھی جسے مہران صرف اس وقت سمجھ سکتا تھا جب کوئی اسے سمجھاتا۔

وہ جو چاہتا تھا ایک آٹھ سالہ بچے کی خاص وضاحت کے ساتھ ایک دوست تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔ ماں کی خاموشی گہری اور صابر تھی — جیسے وہ خاموشی خود بول رہی ہو۔ وہ سنتی تو سب کچھ تھی، مگر بولتی بہت کم — اور جو کہتی، اسے تول کر کہتی۔ بس اتنا کہا: دیکھیں گے۔

اس نے کبھی اپنے باپ سے یہ سوال کیا تو وڈیرہ نے اسے اُس مختصر نگاہ سے دیکھا جو وہ فضول باتوں کے لیے رکھتا تھا — اور کہا: "وڈیرہ کا بیٹا پورے گاؤں کا مالک ہے۔ اسے کسی خاص دوست کی ضرورت نہیں — خاص دوست کمزور ہی بناتے ہیں۔"

مہران نہیں جانتا تھا کہ اس جواب کا کیا کرنا ہے اس لیے اسے اپنے اندر اس حصے میں رکھ دیا جو ان چیزوں کے لیے محفوظ تھا جو وہ ابھی نہیں سمجھتا تھا۔

✦ ✦ ✦

اس صبح مائی اللہ رکھی صحن سے فارغ ہو کر برآمدے کی طرف مڑی — جہاں نقاشی والے لکڑی کے ستون دوبارہ جھاڑو مانگ رہے تھے۔ سندھ کی دھول کبھی ختم نہیں ہوتی — صبح کو لال مٹی کی، دوپہر کو سنہری، اور کبھی اس قدر باریک کہ نظر تو آئے نہ، مگر موجود ہو — ایک ایسی ساخت جو خود کو محسوس کروائے، دکھائے نہیں۔

وہ مستقل کام کرتی رہی اور کھانسی پھر آئی اس بار شدید اور وہ ستون سے منہ موڑ کر دونوں ہاتھ اپنے سینے پر دبانے لگی جیسے کچھ اندر روک رہی ہو۔

پھر اس نے سنا :چارپائی کی چرمراہٹ زمین پر ننگے پاؤں کی ہلکی تھاپ اور اس کا بیٹا گلی کے دروازے پر اپنا مٹی کا گھوڑا بغل میں دبائے نمودار ہوا۔

امّاں 'اس نے کہا۔'

اس نے یہ لفظ اسی طرح کہا جس طرح چھوٹے بچے کہتے ہیں—کسی نام کی طرح نہیں بلکہ سمت جاننے والے آلے کی طرح وہ لفظ جو خود کو کائنات سے نسبت دیتا ہے۔ اس نے منہ موڑا اور

اس کا چہرہ یکسر بدل گیا تھکن کچھ گرم ترین تبدیل ہو گئی اور اس نے اپنا بازو اس کے لیے کھولا۔

'تو جلدی جاگ گیا؟'

'میں نے اونٹ کی آواز سنی۔'

تم نے اونٹ کی آواز سنی۔ اور تمہیں لگا کہ اسے تم سے ملنے کی ضرورت ہے؟

وہ دانتوں کے سوراخ والی مسکراہٹ مسکرایا اور مٹی کا گھوڑا اوپر کو اٹھایا۔ 'میں مہران بھائی کو دکھانا چاہتا ہوں۔

اس کا چہرہ پھر بدلا زیادہ باریک طریقے سے۔ 'مہران بھائی کو پتہ بھی نہیں کہ تو موجود ہے 'اس نے نرمی سے مگر سیدھے انداز میں کہا جس طرح وہ اسے ہر بات بتاتی تھی—حقیقت سے زیادہ نرم کیے بغیر۔

وہ جان جائے گا 'اللہ وارایو نے اس شاندار اعتماد کے ساتھ کہا جو اس بچے کو حاصل تھا جسے' کسی اہم معاملے میں اب تک غلطی کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ 'جب وہ گھوڑا دیکھے گا۔

مائی اللہ رکھی نے مٹی کے گھوڑے کو دیکھا۔ یہ برا نہیں تھا دراصل۔ گردن میں ایک خاص کشش تھی- ایک آگے اور اوپر کو بڑھنے کی کیفیت جسے اگر ٹھیک سے دیکھا جائے تو کچھ متاثر کن تھا۔ اس نے سوچا: اسے اس کے باپ کے ہاتھ ملے ہیں۔ پھر اس سوچ کو دھکیل دیا کیونکہ اس کا باپ جا چکا تھا اور چار سال ہو گئے تھے اور اس کے بارے میں سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس غم کو ہوا دینے کے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

گلی میں رہنا 'اس نے کہا۔ 'مرکزی صحن میں مت جانا۔'

وہ دس منٹ کے اندر مرکزی صحن میں جا چکا تھا۔

✦ ✦ ✦

وڈیرہ ساڑھے سات بجے برآمدے میں نمودار ہوا—بالکل اپنے معمول کے مطابق۔ وہ بھاری بھرکم آدمی تھا چوڑے کندھوں والا اس کی مونچھیں جو پک گئی تھیں بے عیب تراشی ہوئی تھیں اور اس کا سفید شلوار قمیض تازہ اور نشاستہ دار تھا۔ اس نے چمڑے کے چپل پہنے تھے جو لاڑکانہ کے ایک موچی نے خاص اس کے لیے بنائے تھے۔ اس کے دو ذاتی محافظ—نوجوان اسی طرح کے سفید کپڑوں میں کمر پر اسلحہ باندھے—باادب فاصلے پر کھڑے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھاما ہوا تھا اور اپنے صحن کو اُس مالکانہ نگاہ سے دیکھ رہا تھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے کبھی اپنی نگاہ میں آئی ہر چیز پر اپنی ملکیت پر شک کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔

مہران پہلے سے صحن میں تھا پیپل کے درخت کے پاس جھکا ہوا تھا جہاں کسی چیز نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی—کالی چیونٹیوں کی ایک لمبی قطار جو بظاہر ایک بسکٹ کے ٹکڑے اٹھائے جا رہی تھی۔ وہ ایک چھڑی سے قطار کو چھیڑ رہا تھا—تباہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا کرتی ہے اور یہ فرق شاید چیونٹیوں کو پسند نہ آیا ہو۔

اور پھر وہ آیا— مٹی کا گھوڑا دونوں ہاتھوں میں لیے، جیسے کوئی نذرانہ پیش کر رہا ہو۔ ایک چھوٹا لڑکا، جس کے کپڑے کئی بار دھلے جا چکے تھے، مہران سے تین فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا— اس کے چہرے پر مطلق اور مرتکز امید تھی۔

وڈیرہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

ایک محافظ نے لڑکے کی طرف قدم بڑھایا ہاتھ بڑھایا تو وڈیرہ نے ایک انگلی اٹھا کر کہا : ٹھہرو۔

یہ کس کا بچہ ہے؟' اس نے آواز دی—بے رحمی سے نہیں مگر اختیار کے ساتھ۔

مائی اللہ رکھی برآمدے کے سائے سے گویا اسی کا حصہ بن کر نکلی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی سر —جھکائے ہاتھ پہلو میں بندھے ہوئے۔ 'حضور یہ میرا ہے۔ میں نے اسے گلی میں رہنے کو کہا تھا'

تمہارا لڑکا؟ وڈیرہ نے بچے کو اُسی جانچ پڑتال کی نگاہ سے دیکھا جس سے وہ مویشی کا کوئی نیا ٹکڑا دیکھتا تھا۔ لڑکا اپنی جگہ پر ڈٹا رہا جو قابلِ ذکر تھا۔ وہ نہیں دبکا۔ وہ ابھی بھی مٹی کا گھوڑا تھامے ہوئے تھا۔

مہران نے اپنی چیونٹیوں سے نظریں اٹھائی تھیں۔ وہ مٹی کے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

کتنی عمر ہے؟ 'وڈیرہ نے پوچھا۔

آٹھ سال حضور۔

کیا سکول جاتا ہے؟

سرکاری سکول دو سال پہلے بند ہو گیا۔ کوئی اور

پڑھ سکتا ہے؟'

مائی اللہ رکھی ہچکچائی۔ 'تھوڑا بہت۔ مہران بھائی کے استاد نے ایک بار اسے دروازے پر بیٹھ کر سننے دیا تھا

ایک بار۔ 'وڈیرہ نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لیا۔ وہ اب اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا جو مٹی کے' گھوڑے کو اس شدت سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی شخص کسی حقیقی نئی چیز سے سامنا کر رہا ہو۔ مہران کے پاس بہت سے کھلونے تھے۔ اس کے پاس کسی دوسرے بچے کے ہاتھوں کا بنا مٹی کا گھوڑا نہیں تھا۔

تمہارا نام کیا ہے؟ 'وڈیرہ نے لڑکے سے پوچھا۔'

اللہ وارایو 'لڑکے نے کہا—صاف بغیر کسی لرزش کے۔'

ایک چھوٹی سی خاموشی۔ وڈیرہ نے اپنے گلے سے ایک آواز نکالی جو شاید ہلکی سی ہنسی تھی یا شاید وہ کچھ تھا جس پر اس نے سوچا اور پھر فیصلہ کیا کہ نہیں۔ اس نے چائے کا کپ ایک محافظ کے حوالے کر دیا۔

اسے نہلا دو 'اس نے مائی اللہ رکھی سے کہا—بغیر کسی خاص جذبات کے گویا یہ کوئی بدیہی اور' معمولی انتظامی معاملہ ہو۔ 'اور اسے مطالعہ گاہ میں بھیج دو۔ ایک ساتھی شاید اسے تھوڑا سدھار دے۔'

اس کا اشارہ مہران کی طرف تھا۔ اس نے یہ بات مہران کو دیکھ کر کہی۔

پھر وہ واپس اندر چلا گیا۔

صحن میں دونوں لڑکے ایک دوسرے کو تین فٹ کے فاصلے سے دیکھ رہے تھے—اور اُس لامحدود فاصلے سے جو وہ سب کچھ تھا جو ان کی پیدائشوں نے ان کی زندگیوں کے بارے میں طے کر دیا تھا۔ مہران نے آہستہ سے مٹی کے گھوڑے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اللہ وارایو نے اسے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا اٹھے—ایک ساتھ بے روک—جس طرح بچے مسکراتے ہیں جب انہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جس کی وہ تلاش کر رہے تھے بغیر یہ جانے کہ تلاش کر رہے تھے۔

صحن کے اس پار نیم کا درخت صبح کی پہلی ہوا میں آہستہ سرسرایا۔

گلی سے مائی اللہ رکھی نے اپنے بیٹے کو وڈیرہ کے صحن میں دیکھا اور اس کے اندر کوئی چیز دوڑ گئی—جو نہ امید تھی نہ اس کی غیر موجودگی بلکہ اس عورت کی خاص لرزش جس نے ایک ساتھ دونوں کو تھامنا سیکھ لیا ہو۔

اسے کھانسی آ گئی۔

باب دوم
نیم کی خوشبو



مطالعہ گاہ حویلی کے مشرقی سرے پر ایک کمرہ تھا جہاں صبح کی دھوپ تین اونچی کھڑکیوں سے آتی تھی جن میں لکڑی کی جالی لگی تھی۔ روشنی ان جالیوں سے لمبے لمبے مستطیل ستونوں کی شکل میں آتی—سائے کی دھاریوں والی—اور اکتوبر کی صبحوں میں اس میں سنہری ٹھوس پن ہوتا تھا گویا خود روشنی کوئی ایسی چیز ہو جسے آپ اٹھا کر لے جا سکیں۔ دیواروں کے ساتھ اردو سندھی اور انگریزی کتابوں کی الماریاں تھیں جن میں سے زیادہ تر سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کے تحفے تھیں جنہوں نے یہ کتابیں کارڈ کے ساتھ بھیجی تھیں اور پھر کبھی اپنی الماریوں کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ اٹلس تھے لغات تھیں اور شاعری کے کئی نسخے تھے—شاہ لطیف کا

رسالو کا مجموعہ کلام رومی کا ایک بھاری بھرکم ترجمہ—اور نقشے تھے: سندھ کے پاکستان کے دنیا کے۔

اسی کمرے میں استاد رحیم الدین تین سال سے وڈیرہ کے بیٹے کو پڑھا رہے تھے جس کے نتائج سندھی میں قابلِ قبول اردو میں مناسب اور انگریزی میں پراُمید تھے۔ استاد کی عمر باسٹھ برس تھی وہ لاڑکانہ کے ایک سابق اسکول ٹیچر تھے جو اس عہدے پر اس فلسفیانہ سکون کے ساتھ ریٹائر ہوئے تھے جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے ہر صورت حال سے دلچسپ پہلو نکالنا سیکھ لیا ہو ورنہ ہلاک ہو جائے۔ ان کی سفید داڑھی چھوٹی تراشی ہوئی تھی جب سوچتے تو سر بائیں طرف جھکا لیتے تھے اور کہانی سنانے کا ایک ایسا ہنر رکھتے تھے جسے وہ حکمتِ عملی سے استعمال کرتے تاکہ مہران کی توجہ مکمل طور پر بکھرنے سے بچی رہے۔

جب اللہ وارایو مطالعہ گاہ پہنچا—نہلا دھلا مہران کے پرانے کپڑوں کا ایک صاف ستھرا سیٹ پہنے جو اس پر تھوڑے بڑے تھے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی جو ابھی سے بکھرنے لگی تھی—تو استاد نے اسے اُس نگاہ سے دیکھا جو اُس شخص کی ہوتی ہے جسے کوئی غیر متوقع تحفہ مل گیا ہو اور وہ خوش ہونے سے پہلے اس کی نوعیت جانچ رہا ہو۔

وہاں بیٹھو 'استاد نے اللہ وارایو سے کہا مطالعہ کی میز پر دوسری کرسی کی طرف اشارہ کرتے' ہوئے۔

تین سال سے مطالعہ کی میز پر صرف ایک ہی کرسی تھی۔

اللہ وارایو اُس ہوشیاری سے بیٹھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو سمجھتا ہو کہ یہ صورت حال عارضی ہے اور کوئی بھی غلط حرکت اسے ختم کر سکتی ہے۔ وہ سیدھا بیٹھا۔ اس نے میز پر ہاتھ جوڑ لیے۔ اس نے استاد کو اُس سیدھ سے دیکھا جو چیلنج نہیں تھی بلکہ محض موجود تھی—اُس

بچے کی نگاہ جس نے دنیا کو غور سے دیکھنا سیکھ لیا تھا کیونکہ غور سے دیکھنا ہی واحد سرمایہ تھا جو اس کے پاس تھا۔

مہران اپنی کرسی پر اُس مطالعہ کی بے پروائی سے پڑا تھا جو اُس بچے کو حاصل ہوتی ہے جسے کبھی توجہ کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اُس کے تمام اساتذہ کو یہ دکھانے کے لیے تنخواہ ملتی تھی کہ وہ اُسے دلچسپ پاتے ہیں چاہے وہ ہو یا نہ ہو۔

ہم انگریزی فعل کے موضوع پر تھے 'استاد نے کہا ایک پھٹے حاشیے والی کاپی کھولتے ہوئے۔' ہم وہیں سے شروع کریں گے۔ 'وہ رکے اللہ وارایو کی طرف دیکھا۔ 'کیا تم انگریزی حروفِ' تہجی جانتے ہو؟

ایم تک۔ دروازے پر بیٹھ کر سن کر۔' تھوڑے سے،' اللہ وارایو نے کہا۔'

اے سے ایم تک، بشمول؟' استاد کا سر بائیں طرف جھک گیا۔

جی، حضور۔'

ایم کے بعد کیا آتا ہے؟'

ایک مختصر توقف۔ پھر: 'نہیں معلوم، حضور۔ میں اتنی دور تک نہیں سن سکا تھا۔

استاد کے چہرے پر جو اظہار ابھرا وہ — حیرت انگیز طور پر — خوشی تھا۔ اس نے ایک کاغذ پر حرف این لکھا اور دونوں لڑکوں کے درمیان رکھ دیا۔

ایم کے بعد این آتا ہے۔' انہوں نے کہا۔ 'این،'

اس نے دوہرایا — اُس اطمینان کے ساتھ جو اُس شخص کو 'این،' اللہ وارایو نے اسے دیکھا۔ حاصل ہوتا ہے جسے وہ معلومات مل گئی ہو جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

مہران، جو دو سال سے این جانتا تھا، نے میز کی اُس دراڑ سے نظر نہیں اٹھائی جسے وہ اپنے انگوٹھے کے ناخن سے ٹریس کر رہا تھا۔

✦ ✦ ✦

دوستی اُس خاص رفتار سے بڑھی جو بچپن کی دوستیوں کو حاصل ہوتی ہے—جو قربت سے بنتی ہیں اور حقیقی ہم آہنگی سے پھولتی ہیں۔ ایک ہفتے کے اندر اللہ وارایو ہر صبح مطالعہ گاہ میں ایک مستقل موجودگی بن چکا تھا۔ دو ہفتوں کے اندر استاد نے خاموشی سے اس فرق کو ختم کر دیا تھا جو وہ دونوں لڑکوں کو پڑھانے کی سطح میں رکھتے تھے کیونکہ اللہ وارایو نیا مواد اس قدر تیزی سے جذب کر رہا تھا کہ یہ بے چین کر دینے والا تھا—بے چین کرنے والا اس لیے کہ اس نے وہ سوالات اٹھائے جنہیں استاد نے سمجھداری سے بلند آواز میں نہ پوچھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا کیا مطلب تھا کہ اس نوکرانی کا بیٹا جس نے ایک دروازے سے سن کر آدھا حروفِ تہجی خود سکھا تھا وڈیرہ کے نوازے ہوئے بیٹے کے پہلو میں بیٹھ سکے اور نہ صرف رفتار برقرار رکھے بلکہ کبھی کبھی خاموشی سے اس سے آگے نکل جائے۔

مہران نے یہ سب دیکھا۔ وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، مگر بے وقوف نہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اللہ وارایو سندھی کا صفحہ تین بار پڑھ کر یاد کر لیتا ہے، جبکہ اسے دس بار پڑھنا پڑتا ہے—اور وہ سوالات پوچھتا ہے جن کا جواب استاد اس کے سوالات سے زیادہ جوش و خروش سے دیتے ہیں۔یہ صبر نہیں تھا—یہ دلچسپی تھی، اس ذہن کی طرف کھنچاؤ جو استاد کو شاید ہی کبھی ملا ہو۔

یہ حسد پیدا کر سکتا تھا۔ کسی اور بچے میں شاید کرتا۔ لیکن مہران میں ایک خاصیت تھی جو جاگیردارانہ گھمنڈ درآمد شدہ کھلونوں اور مطالعہ شدہ بے پروائی کے نیچے دفن تھی جو دراصل بہت نایاب تھی: وہ اُن چیزوں پر خوش ہو سکتا تھا جو اُس کی اپنی نہ تھیں۔ وہ کوئی شاندار چیز دیکھ کر اسے خطرہ سمجھنے کے بجائے خوش ہو سکتا تھا۔ وہ آٹھ سال کا تھا اور یہ خاصیت ابھی تک اس سے نکالی نہیں گئی تھی۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

تم ہوشیار ہو 'اس نے ایک دوپہر اللہ وارایو سے کہا جب استاد انہیں ایک تحریری مشق مکمل' کرنے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔

اللہ وارایو نے اس سندھی متن سے نظر اٹھائی جو وہ نقل کر رہا تھا—اس کے حروف صرف دو ہفتوں کی مشق کے بعد پہلے سے مہران کے حروف سے زیادہ ہموار اور صاف تھے۔ 'تم بھی ہوشیار ہو 'اس نے کہا۔

تم جیسا نہیں۔

تم مجھ سے زیادہ چیزیں جانتے ہو۔

کیونکہ میں زیادہ دیر سے سیکھ رہا ہوں۔یہ ہوشیار ہونے سے مختلف بات ہے۔

اللہ وارایو نے اس پر غور کیا۔ 'کیا ہے؟

میرے والد کسی سے زیادہ چیزیں جانتے ہیں 'مہران نے کہا 'اور استاد بابا کہتے ہیں کہ وہ—'وہ' رک گیا۔

کیا کہتے ہیں؟

کچھ نہیں۔ ایک توقف۔ کیا تم میرے سپاہی دیکھنا چاہتے ہو؟

یہی اس دوستی کی عملی زبان تھی :ایک جزوی افشا ایک ٹال مٹول اور پھر کسی ٹھوس چیز کی پیشکش—کوئی ایسی چیز جسے چھوا جانچا اور نئی گفتگو کا موقع بنایا جا سکے۔ وہ دونوں بچے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ بیک وقت بالغوں سے زیادہ سچے تھے اور کچھ خاص قسم کی سچائیوں سے بچنے میں زیادہ ماہر۔

✦ ✦ ✦

نوکروں کی گلی میں مائی اللہ رکھی کی کھانسی بگڑتی گئی۔

وہ پورے موسمِ گرما میں موجود تھی—ایک خشک اور وقفے وقفے سے اس کے سینے میں کھرجنے والی آواز—اور اس نے اسے گرمی دھول اور موسمی زکام سے تعبیر کیا تھا جو ہر سال نوکروں کی بستی میں آتے ہیں۔ لیکن اکتوبر آیا گرمی ٹوٹی بارشیں تھوڑی دیر کے لیے لوٹیں اور پھر چلی گئیں اور کھانسی ان کے ساتھ نہیں گئی۔ یہ گہری ہو گئی۔ یہ گیلی ہو گئی۔ کچھ صبحوں وہ اپنا دوپٹہ منہ سے لگاتی تو اسے لعاب سے زیادہ گہرے دھبے ملتے اور وہ ان دھبوں کو ایک لمحے دیکھتی کپڑے کو تہہ کرتی اور کام پر لوٹ جاتی۔

اس کی بیٹی سُغری جمعہ کی دوپہر کو ملنے آئی شہر سے اُس بس پر آئی جو ہفتے میں تین بار لاڑکانہ اور اس ضلع کے درمیان چلتی ہے۔ سُغری انیس سال کی تھی اور تین سال پہلے جُمن کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی—ایک رشتہ جو اس منطق کے ساتھ طے کیا گیا تھا جو ان حالات میں ہمیشہ سے غالب رہی ہے: جُمن اسی ذات کا تھا اس کے پاس کچھ نہ کچھ کام تھا اور منگنی کے وقت اس نے کوئی خاص برائی نہیں دکھائی تھی۔ برائیاں بعد میں نمودار ہوئیں جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔

سُغری ایک پتلی نوجوان عورت تھی جس کے ہاتھ خوبصورت تھے اور انداز میں ایک ہوشیار توقع تھی—جیسے وہ ہمیشہ تھوڑی سی اس بات کے لیے تیار رہتی ہو کہ کچھ اسے کسی ایسی سمت سے مارے جس کا اس نے اندازہ نہ کیا ہو۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے جو اس کی شادی کے وقت نہیں تھے۔ وہ اکتوبر کی گرمی کے باوجود اپنی آستینیں لمبی رکھتی تھی۔

تمہیں کھانسی ہو رہی ہے 'اس نے جیسے ہی اس کی ماں نے جھونپڑی کا دروازہ کھولا کہا۔'

یہ دھول ہے۔'

دھول نہیں۔ میں باہر سے سن سکتی ہوں۔

مائی اللہ رکھی نے اپنی بیٹی کے سامنے مٹی کا پیالہ چائے رکھا اور چارپائی پر بیٹھ گئی۔ 'جُمن کیسا ہے؟

سُغری نے دونوں ہاتھوں سے پیالہ پکڑ لیا۔ وہ حیدرآباد میں ہے۔ کچھ کام ہے۔

ایک لمحے کے لیے دونوں خاموش رہیں۔ باہر گلی میں باورچی کی بیوی ایک پتھر پر مصالحے پیس رہی تھی—پسنے کی وہ تال کی آواز جو اتنی مانوس تھی کہ قریب قریب خاموشی کے برابر تھی۔

اللہ وارایو اب مطالعہ گاہ میں ہے 'مائی اللہ رکھی نے کہا۔ 'وڈیرہ کے بیٹے کے ساتھ۔ پڑھ رہا' ہے۔

سُغری نے سر اٹھایا۔ 'وڈیرہ یہ اجازت دیتا ہے؟

اس نے خود ترتیب دیا۔ اس نے کہا ایک ساتھی مہران بھائی کو سدھار دے گا۔

اور وہ سدھر گیا ہے؟ مہران بھائی؟'

وہ ایسے ہیں جیسے—'مائی اللہ رکھی رکی لفظ کی تلاش میں۔ 'جیسے ایک ہی جسم کے دو ہاتھ۔ ایک' دیتا ہے ایک لیتا ہے پھر الٹ جاتا ہے۔ جب تم انہیں دیکھتی ہو تو ہمیشہ نہیں بتا سکتی کہ کون —وڈیرہ کا بیٹا ہے اور کون نوکر کا۔ 'اس نے یہ بات فخر اور کسی اور چیز کے پیچیدہ امتزاج سے کہی کچھ اور کچھ خاموش تر۔

سُغری نے وہ کچھ اور سُن لیا۔ 'اماں 'اس نے کہا۔

میں جانتی ہوں 'اس کی ماں نے اس کے جاری رکھنے سے پہلے کہا۔ 'میں جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ' رہی ہوں۔

✦ ✦ ✦

اُس شام جب اکتوبر کا اندھیرا جلدی چھا گیا اور نوکر اپنی شام کی خوراک کے لیے گلی میں مٹی کی چولھوں کے گرد جمع ہو گئے تو کسی نے گانا شروع کر دیا۔

وہ باورچی کی بیوی تھی—ایک کشادہ خوش چہرہ عورت جو گاتی تھی جس طرح کچھ لوگ کھانا پکاتے ہیں—بغیر سوچے سمجھے قدرتی فراوانی کے ساتھ۔ اس نے ایک لاڑا شروع کیا موسم کا ایک لوک گیت اس کی آواز نرم اور بے ساختہ

واڈھا گھر جے وارو جی وے لاڑو

سوہنو گھر جے وارو جی۔

بڑے گھر کے دروازے پر آ اے محبوب

گھر کے روشن دروازے پر آ۔

دہلیز پر ماں انتظار کر رہی ہے

بیٹی دوسرے گھر جا چکی ہے

لیکن ماں ابھی بھی انتظار کر رہی ہے۔

گلی اُس خاص خاموشی میں ڈوب گئی جو گانے کے ارد گرد جمع ہوتی ہے وہ خاموشی جب لوگ اپنا شور روک کر موسیقی کو جگہ دیتے ہیں۔یہاں تک کہ بچے بھی اپنی دوڑ دھوپ روک کر کھڑے ہو گئے۔گیت جاری رہا آواز نہ اداس تھی نہ پوری طرح خوش—بلکہ ان کے درمیان کوئی کیفیت وہ خاصیت جو سندھی زبان نے صدیوں سے اپنی لوک موسیقی میں محفوظ کر رکھی ہے—یہ تسلیم کہ مٹھاس اور غم مخالف حالتیں نہیں بلکہ ہم جوار ہیں اتنی قریب جتنے دو کمرے جن میں ایک دیوار مشترک ہو۔

اللہ وارایو چراغ کی روشنی کے کنارے پر بیٹھ گیا اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگا کر گانا سنا اور اسے ایسے محسوس کیا جیسے وہ نام نہیں دے سکتا تھا۔ وہ آٹھ سال کا تھا اور اس کے پاس وہ الفاظ نہ تھے کہ یہ گانا اس کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ اس گانے نے اسے اپنی ماں کے ہاتھوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا اور اپنی ماں کے ہاتھوں کے بارے میں سوچنا اسے

محفوظ محسوس کراتا تھا اور ساتھ ہی کسی طرح اس بات کا بھی شدید احساس دلاتا تھا کہ وہ مطالعہ کی میز اور انگریزی حروفِ تہجی اور اس مٹی کے گھوڑے سے کتنی دور تھی جو اب مہران خان کی کھڑکی کی جالی پر رکھا تھا۔

حویلی کے اس پار بڑے گھر میں مائی اللہ رکھی نے بھی وہ گانا سنا۔ وہ اپنی چارپائی پر لیٹی تھی اُس چھوٹی سی جھونپڑی میں جو اس کا گھر تھی اور احتیاط سے سانس لیتی رہی اور سنتی رہی اور گانا اس میں اُس خاص نزاکت کے ساتھ اتر رہا تھا جو اُن چیزوں کو حاصل ہوتی ہے جو براہِ راست اُس حصے سے بات کرتی ہیں جسے تم سب سے زیادہ محفوظ رکھتے ہو۔

اسے ایک بار کھانسی آئی—نرمی سے—اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

باب سوم

مُرجھان



سندھ میں موسمِ سرما اپنی معمولی دھوکے باز نرمی کے ساتھ آیا اور پھر جنوری میں اس کی اچانک سردی نے ڈیرے جما لیے۔ میدان کی راتیں تقریباً نقطۂ انجماد تک جا سکتی تھیں—ایسی سردی جو ڈرامائی نہیں ہوتی جس میں برف نہیں پڑتی وہ صرف بوڑھوں اور نوکروں کے جوڑوں کے درد اور چارپائیوں کے تلے بچھونوں پر ایک اور تہہ ڈالنے کی ضرورت سے اپنا اعلان کرتی ہے۔

حویلی کی اونچی دیواروں نے ایک مختلف قسم کی سردی اپنے اندر جذب کر رکھی تھی—وہ سردی

جو زمین اور پتھر سے اٹھتی تھی اور اس کا تعلق موسم سے زیادہ زمانے کی قِدَم سے تھا۔ بڑے گھر میں بجلی کے ہیٹر تھے۔ نوکروں کی گلی میں آگ کے ڈھیر تھے۔

استاد نے سردیوں کے مہینوں میں بغیر کسی خلل کے پڑھایا اور جنوری تک اللہ وارایو سندھی متن کے پورے صفحات بغیر کسی مدد کے پڑھ سکتا تھا اور انگریزی میں اُس منظم صبر کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا جس طرح کوئی شخص کسی ڈھانچے کو سمجھنے کے لیے اُسے توڑتا ہے تاکہ اُس کی تعمیر کا راز جان کر دوبارہ جوڑ سکے۔ استاد نے اپنے دونوں شاگردوں کے بارے میں ذہنی پرچے میں لکھا تھا کہ اللہ وارایو میں ایک خاصیت تھی—وہ جب کسی مشکل تصور پر کام کر رہا ہوتا تو یکدم ساکت ہو جاتا تھا جیسے کوئی بلی کسی چیز کو گھور رہی ہو—ایک مرکوز خاموشی اور پھر جب تصور واضح ہو جاتا تو ایک ہلکی سانس باہر نکالتا اور آگے بڑھ جاتا گویا کوئی جسمانی رکاوٹ ہٹ گئی ہو۔

مہران جس نے تین سال اپنی تعلیم کو ایک ذمہ داری کے طور پر نبھایا تھا—جتنی جلدی اور بغیر تکلیف کے ہو سکے—اب اس سے مختلف انداز اختیار کرنے لگا تھا۔ ایک ساتھی کا ملنا جسے یہ چیزیں حقیقتاً دلچسپ لگتی تھیں نے مطالعہ گاہ کا موسم بدل دیا تھا۔ وہ اب بھی تیز شاگرد نہیں تھا۔ لیکن پہلی بار وہ دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ سوال پوچھتا۔ وہ استاد سے تاریخی تاریخوں پر بحث کرتا اور جواب میں بحث پاتا—جو اسے کبھی کسی نوکر سے نہ ملا تھا—اور وہ یہ اپنی حیرت کے باوجود خوشی بخش پاتا۔

اس نے ایک بار اللہ وارایو سے پوچھا': تمہیں اتنا سیکھنا کیوں پسند ہے؟

اللہ وارایو نے سوچا۔ 'یوں ہے جیسے—'وہ رکا۔ 'تم نے کبھی اندھیرے میں کوئی چیز ڈھونڈی ہے اور نہیں ملی اور پھر کسی نے چراغ جلا دیا اور پتہ چلا کہ وہ چیز وہیں پڑی تھی تم بس دیکھ نہیں پا رہے تھے؟

مہران نے کہا' : جیسے جب میرا لال سپاہی گم ہو گیا تھا اور قالین کے نیچے تھا۔

ہاں وسے ہی۔ بس فرق یہ کہ جو چیز تمہیں ملتی ہے وہ ایک سپاہی سے بڑی ہوتی ہے۔ اور تم اسے مزید چیزیں ڈھونڈنے کے لیے استعمال کر سکتے ہو۔

مہران ایک لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا' : کیا ہو اگر تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تم نہیں جاننا چاہتے تھے؟

اللہ وارایو نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ آٹھ سال کا تھا نواں لگنے والا تھا اور وہ پوری طرح نہیں سمجھا کہ مہران کیا پوچھ رہا ہے۔ لیکن اس کے اندر کسی چیز نے ثبت کر لیا کہ یہ ایک اہم سوال ہے۔ 'میرے خیال میں 'اس نے آہستہ کہا 'یہ نہ جاننے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر تم نہیں جانتے تب بھی وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اگر جان لو کم از کم دیکھ تو سکتے ہو کہ وہ آ رہی ہے۔

مہران نے ایک بار سرہلایا گویا یہ بات محفوظ کر لی۔ پھر اس نے پنسل اٹھائی اور اپنے صرفی فعل پر واپس آگیا۔

✦ ✦ ✦

فروری کے دوسرے ہفتے مائی اللہ رکھی صحن میں جھاڑو دینے نہیں آئی۔

سب سے پہلے باورچی کو پتا چلا—اس کی غیر موجودگی ڈرامائی نہیں تھی بلکہ محض غلط تھی جیسے کسی دھن میں ایک سرگم ہو جسے تم اتنے بار سُن چکے ہو کہ تم اس کی جگہ خاموشی سن سکتے ہو۔ اس نے اپنی بیوی کو جھونپڑی بھیجا۔ وہ تیزی سے واپس آئی اور اس کا چہرہ بدلا ہوا تھا۔

رات مہربان نہ تھی۔

مائی اللہ رکھی نے صبح سے پہلے کی چھوٹی گھڑیوں میں وفات پائی۔ خاموشی سے بغیر کسی گواہ کے جس طرح لوگ مرتے ہیں جب وہ مہینوں سے آہستہ مر رہے ہوں اور جب ان کا جسم بغیر کھلبلی —کے انہیں معاف کرنا سیکھ چکا ہو۔ وہ اپنے پہلو پر لیٹی تھی دروازے کی طرف منہ کر کے

جس طرح ہمیشہ سوتی تھی۔ اس کی دھُسری شال ٹھوڑی تک کھینچی ہوئی تھی۔ چارپائی کے پاس مٹی کے فرش پر وہ مٹی کا گھوڑا تھا جو اس کے بیٹے نے بنایا تھا—اس نے اسے چار مہینے سے رکھا ہوا تھا جس دن مہران نے ایک ہفتے کے مطالعے کے بعد اسے واپس کیا تھا یہ کہہ کر': اپنے پاس رکھو تم نے یہ میرے پاس موجود کسی بھی چیز سے بہتر بنایا ہے۔ 'اللہ وارایو یہ گھوڑا اپنی ماں کی جھونپڑی میں لایا اور فرش پر رکھ دیا گویا کوئی پودا لگا رہا ہو۔

باورچی کی بیوی مطالعہ گاہ کے دروازے پر آئی۔ استاد انگریزی کے فعلِ ماضی کی وضاحت کر رہے تھے۔ اس نے صرف اتنا کہا': اللہ وارایو آؤ۔

اس نے اس کے کچھ اور کہنے سے پہلے سمجھ لیا۔ وہ میز سے اُس آہستہ احتیاط کے ساتھ اٹھا جس طرح کوئی شخص اُٹھتا ہے جب اسے کسی ایسی جگہ مار پڑی ہو جہاں سے درد ابھی شروع نہیں ہوا۔ مہران نے اسے دیکھا۔ استاد نے اسے دیکھا۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

اللہ وارایو اپنی ماں کی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

وہ دروازے پر ایک لمحے کھڑا رہا۔ کمرہ چھوٹا تھا ٹھنڈا تھا اور اُس خاص انداز میں خاموش تھا جس میں وہ کمرے ہوتے ہیں جہاں سے کوئی زندہ چیز جا چکی ہو—ایک مخصوص غیر موجودگی ہوا کا ایک عجیب کیفیت۔ وہ اپنی ماں کی پروفائل دیکھ سکتا تھا سرمئی کمبل کے اوپر۔ وہ فرش پر مٹی کا گھوڑا دیکھ سکتا تھا۔

وہ اندر گیا اور اس کے پہلو میں چارپائی کے کنارے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا جو پہلے ہی ٹھنڈا تھا۔

باورچی کی بیوی جو دروازے پر کھڑی تھی نے لڑکے سے کوئی آواز نہ سنی۔ نہ چیخ نہ لفظ۔ صرف کھلے دروازے سے آتی سردی کی صبح کی آوازیں—دور ایک مرغ کی بانگ پہلا ٹریکٹر اونٹوں کی گھنٹیاں۔ عام آوازیں ایک دنیا جو چلتی رہتی ہے۔

✦ ✦ ✦

—شاہ عبداللطیف بھٹائی سُر کیداڑو سے—

آیو نہ اوہو جو گیو وایو نہ

جیو جی پرت جی پند نہ مندو تیو

دل ۾ درد جو دردو نہ بھیو

آیو نہ اوہو جو گیو وایو نہ۔

جو گیا وہ واپس نہ آیا نہ آیا

عشق کی راہ کا وہ پتھر بن کر نہ رہا

دل کا درد اسے کھینچنے کو کافی نہ تھا

جو گیا وہ واپس نہ آیا نہ آیا۔

✦ ✦ ✦

انہوں نے مائی اللہ رکھی کو قبرستان میں دفن کیا اُس پلاٹ میں جو وڈیرہ نے دیا—یہ توقع کے مطابق تھا یہ حویلی کے سماجی معاہدے کا حصہ تھا: جو لوگ اس کی خدمت میں جیتے اور مرتے ہیں وہ اُسی سرزمین میں دفن ہوں جو اس کے سائے میں آتی ہے۔ نوکروں کی بستی کی عورتیں اپنے گہرے شالوں میں آئیں۔ باورچی نے فاتحہ پڑھی۔ عورتوں نے موہنا گایا—وہ نوحہ کی راگنیاں ان کی آوازیں نرم اور ایک دوسرے میں گُندھی ہوئی:

ونجی ہُجّا مائی

دل میں درد بھریو۔

چلی گئی ہماری ماں

دل درد سے بھر گیا۔

نیم کے پتے جھڑتے ہیں اور صحن سنسان ہے

جھاڑو دیوار کے سہارے بغیر ہاتھ کے کھڑی ہے۔

ہم میں سے کیا بچا جو وہ اپنے ساتھ نہ لے گئی؟

صرف درد۔ صرف درد۔

اللہ وارایو قبر کے کنارے کھڑا تھا—باورچی کی بیوی اور استاد کے درمیان۔ وہ وہاں موجود سب سے چھوٹا شخص تھا۔ اس نے اپنی ماں کا دوپٹہ—دھندلا اجرک نیلا اور سرخ کناروں سے گھسا ہوا—اپنے سینے سے لگا کر دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ دفن کے دوران وہ نہیں رویا۔ اس نے لال مٹی کو سفید کفن پر گرتے دیکھا اُس نگاہ سے جو اس کے چہرے کے لیے بہت بوڑھی تھی—وہ نگاہ جو کچھ بچوں کو اس وقت آتی ہے جب دنیا انہیں اپنا پہلا حقیقی ناقابلِ تخفیف سبق دیتی ہے۔

مہران تھوڑے فاصلے پر اپنی ماں کے ساتھ کھڑا تھا جو اُس اشارے میں آئی تھی جو بیک وقت حقیقی بھی تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ یہ غیر معمولی ہے۔ مہران کی ماں—ایک خاموش باوقار عورت جس کا نام رضیہ بیگم تھا جو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ زینانہ میں گزارتی تھی اور شاذ و نادر ہی نوکروں کے صحن میں دکھائی دیتی تھی—ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اس کے چہرے پر اُس خاص وقار کی ترتیب تھی جو اُس عورت کو حاصل ہوتا ہے جو ظاہر کرنے سے زیادہ محسوس کر رہی ہو۔ اس نے قبر کے اس پار چھوٹے لڑکے کو دیکھا اور اس نے فیصلہ کیا—حالانکہ اسے فوراً عمل میں نہیں لایا۔

دفن کے بعد جب دوسرے لوگ ہٹ گئے مہران اللہ وارایو کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ دیر قبر کے پاس خاموش کھڑے رہے۔ مہران مٹی کا گھوڑا لایا تھا—وہ دفن سے پہلے اپنے کمرے میں جا کر لے آیا تھا یہ ایک ایسا جذبہ تھا جسے وہ خود نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس نے اسے تازہ مٹی پر رکھ دیا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اللہ وارایو نے اسے ایک لمحے دیکھا۔ پھر اس نے ایک بار سر ہلایا ایک ہلکا سا سر ہلانا جس کا مطلب تھا :ہاں۔ یہ درست ہے۔ یہ صحیح چیز ہے۔

تم کہاں جاؤ گے؟ 'مہران نے پوچھا۔'

میری بہن کے پاس 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'شہر میں۔'

ایک توقف۔ 'واپس آؤ گے؟

اللہ وارایو نے قبر کی طرف دیکھا پھر حویلی کی اونچی دیوار کی طرف جو قبرستان کے درختوں کے اوپر دکھائی دے رہی تھی پھر مہران کی طرف۔ 'نہیں معلوم 'اس نے اُس خوفناک درستگی کے ساتھ کہا جو اُس بچے کو حاصل ہے جو اپنے اکیلے دوست سے جھوٹ نہیں بولے گا۔

مہران نے قبر پر رکھے مٹی کے گھوڑے کو دیکھا۔ 'میں مطالعہ گاہ میں تمہاری جگہ رکھوں گا 'اس نے کہا۔ 'میں استاد بابا سے کرسی رکھنے کو کہوں گا۔

یہ وہ سب سے اہم کام تھا جو مہران خان کسی اور کے لیے آنے والے کئی برسوں میں کرے گا۔ لیکن بالآخر یہ ناکافی تھا۔

اُس شام اللہ وارایو اکیلے اُس خالی جھونپڑی میں بیٹھا رہا اپنی ماں کا دوپٹہ تھامے اس کی خوشبو میں سانس لیتا رہا—چائے اور سرسوں کے تیل اور ان دونوں کے نیچے کوئی اور چیز کوئی ناقابلِ تحلیل عرق جو وہ تھی صرف وہ اور کوئی نہیں—یہاں تک کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا اور سندھ کے میدان کا اندھیرا پوری طرح چھا گیا۔

وہ نو سال کا تھا۔

وہ اب نوکر کا یتیم تھا۔ ایک ایسا زمرہ جس کی اپنی کششِ ثقل ہوتی ہے۔

باب چہارم
مرغوں کی لڑائی



شہر ٹکڑوں ٹکڑوں میں آیا۔

پہلے اس کی بو: دھوئیں کی بو تلے ہوئے کھانے کی مہک اور وہ گہری نہری پانی کی بو جو ہر چیز کے نیچے دوڑتی تھی—دریائے سندھ زیادہ دور نہیں تھا اس کی پوشیدہ موجودگی پورے علاقے کو اُس نمی سے رنگ دیتی تھی جو نہ پوری طرح بو تھی نہ پوری طرح احساس بلکہ ان کے درمیان کی کوئی چیز۔ پھر شور: رکشوں کے دو وقتہ انجن پتلی دھات کے لاؤڈ اسپیکروں سے راستوں کا اعلان کرتی بسوں اور حیدرآباد کی پرانی بستی کی تنگ جگہ میں اپنے کاروبار میں لگے لاکھوں لوگوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ پھر سڑکیں: پھٹی ہوئی گڈھوں والی ہمیشہ تعمیر کے زیرِ اثر یا ہمیشہ تعمیر کی محتاج ان کے کنارے وہ دکانیں جن کے بورڈ تیس سال سے نہیں بدلے تھے اور وہ ٹھیلے جن کا سامان ہر روز بدلتا تھا۔

جُمن کا گھر—اسے گھر کہنا درست نہ تھا—ریلوے پٹریوں کے قریب ایک عمارت کی دوسری منزل پر دو کمروں پر مشتمل تھا جس تک رسائی ایک بیرونی سیڑھی سے ہوتی تھی جس کے تیسرے اور ساتویں قدم اس عمارت میں رہنے والوں کی یاداشت سے بھی زیادہ عرصے سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ کمروں میں سیمنٹ کا فرش تھا دیواریں اُس سبز رنگ سے پینٹ تھیں جو برسوں میں مٹیالا ہو چکا تھا ہر کمرے میں ایک کھڑکی تھی جو نیچے تنگ گلی میں جھانکتی تھی۔ باورچی خانہ باہر والے کمرے کا ایک کونا تھا جہاں ایک گیس سلنڈر دیوار سے زنجیر سے بندھا تھا اور دو مونڈھوں والا چولھا ہر مقصد پورا کرتا تھا۔ ایک غسل خانہ تھا جو اسی منزل پر دو دوسرے خاندانوں کے ساتھ مشترک تھا راہداری کے آخر میں۔

جُمن ستائیس سال کا چوڑے کندھوں والا شخص تھا جس نے تین سال پہلے اپنی شادی کے وقت اتنی ظاہری معقولیت پیش کی تھی کہ وہ بھروسے کے لائق گزرا تھا۔ اس وقت وہ ایک چھوٹی ورکشاپ میں موٹرسائیکل کے پرزے ٹھیک کرتا تھا اور اس نے منگنی اور شادی کے موقع پر احتیاط سے کپڑے پہنے تھے اور اس وقت تک وہ زیادہ جوئے میں مبتلا نہیں ہوا تھا—یا کم از کم اتنا زیادہ نہیں کہ باہر سے نظر آتا۔ جوا شروع سے ہی اس میں تھا—ایک چھوٹی سی مستقل عادت جیسے دیوار میں شگاف جو آہستہ آہستہ چوڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دن دیوار گر پڑتی ہے—لیکن اس پر قابو تھا۔

جس سال اللہ وارایو فروری میں آیا تھا اس وقت تک وہ قابو ختم ہو چکا تھا۔

ورکشاپ نے دسمبر کے مہینے جُمن کو نکال باہر کیا—غلطیوں کا حوالہ دے کر جو اس کی ناقابلِ اعتباری پر منتج ہو رہی تھیں۔ پھر اسے کبھی کبھار کام مل جاتا—ریلوے یارڈ میں بوریاں، کسی ٹھیکے دار کی پرانی دیواروں پر سفیدی—لیکن کوئی مستقل روزی نہ تھی۔ اور جو تھوڑا سا پیسہ آتا، وہ

راتوں رات مرغوں کی اڈا پر جا کر ضائع ہو جاتا — چاچا کھرو کی کوٹھی پر، جہاں چائے تو مفت تھی، مگر ہر شرط کا فیصد وہ وصول کرتا تھا۔

مرغوں کا اکھاڑا ایک بڑے صحن میں سجتا تھا — جس کے گرد مرد بیٹھ جاتے، اور بیچ میں دو مرغ، جن کے پنجوں پر چھریاں بندھی ہوتی تھیں، ایک دوسرے کو نوچنے کے لیے بے تاب — جیسے کوئی —خون کا تماشا شروع ہونے والا ہو۔

وہ ایک دوسرے کے گرد چکر کاٹتے، چونچوں اور چھریوں کی جھنکار فضا کو چیر دیتی۔ جُمن انہی دو مرغوں میں سے کسی ایک کو اپنی قسمت کا فیصلہ سونپ دیتا۔ وہ انہیں پہچانتا تھا — کس کی چونچ میں تلوار، کس کے پنجے میں پتھر، کس میں زخم سہنے کی صلاحیت، کس کی آنکھ پہلے جھکتی ہے۔ اسے اس کھیل کا کچھ عِلم تھا، مگر ناتمام۔ اس کی شرطیں اکثر مٹی میں مل جاتیں، اور جو روپے اُس اکھاڑے میں اترتے، وہ شاذ و نادر ہی واپس آتے۔ جُمن یہ سب جانتا تھا — پھر بھی ہر شام وہ اسی دروازے کی طرف بھاگتا تھا۔

تشدد اسی سال کہیں شروع ہوا تھا—پہلے خاموشی سے: ایک تھپڑ ایک دھکا وہ زبان جو مٹھیوں سے پہلے آتی ہے۔ جس وقت اللہ وارایو اپنے کپڑوں کا پلاسٹک کا تھیلا اپنی ماں کا دوپٹہ اور اپنے دھنسی ہوئی رخساروں کے ساتھ آیا اس وقت تک تشدد مستقل اور باقاعدہ ہو چکا تھا اُس نظام وقت پر چلتا تھا جسے سُغری نے اوقات نامے کی طرح پڑھنا سیکھ لیا تھا: جب جُمن دیر سے گھر آتا جب وہ اپنے جبڑے کے اُس خاص انداز سے آتا جس کا مطلب تھا کہ اس نے معمول سے زیادہ ہارا ہے جب وہ شراب پی چکا ہوتا—جو وہ کم ہی پیتا تھا مگر جب پیتا تو پوری طرح۔

اللہ وارایو نو سال کا تھا اور وہ اس گھر میں اُس طرح داخل ہوا جس طرح کوئی شخص ڈگمگاتی کشتی پر قدم رکھتا ہے :احتیاط سے ہر چیز پر نظر رکھتے ہوئے۔

✦ ✦ ✦

پہلے ہفتے جُمن نے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ اس نے لڑکے کو اُس جانچنے والی نگاہ سے دیکھا جو اُس شخص کی ہوتی ہے جو حساب لگا رہا ہو کہ ایک اضافی منہ کی قیمت کیا ہے اور اس کے عوض یہ اضافہ اور کیا فراہم کر سکتا ہے۔ اس نے بہت کم کہا۔ وہ زیادہ تر دن اور رات کا بیشتر حصہ باہر رہتا۔

دوسرے ہفتے اس نے اللہ وارایو سے کہا' :کھانا ہے تو کام کر۔

یہ اپنی صورت میں نامعقول نہ تھا۔ سُغری جو باورچی خانے کے کونے سے ہر چیز دیکھتی تھی اُس ہوشیار خاموشی سے جو اس نے خود کو بچانے کے لیےپیدا کر لی تھی کچھ نہ بولی۔ وہ اس کے لیے کام ڈھونڈے گی۔ اور اس نے ڈھونڈ لیا :دو گلیوں پر بازار میں ایک چھوٹا مرغی فروش تھا جسے ایک لڑکے کی ضرورت تھی جو صبح کی ڈیلیوری سے تار کے پنجرے لے کر دکان پر لائے اور دکان کے پیچھے خریدی گئی مرغیوں کے پر نکالے اور پیسوں کے ڈبے کا حساب رکھے۔ اجرت تیس روپے روز تھی۔ جُمن پچیس روپے لے لیتا۔

چنانچہ اللہ وارایو نو سال کی عمر میں بازار میں کام کرنے والا بچہ بن گیا۔

وہ تار کے پنجرے اٹھاتا—وہ بھاری تھے مرغیاں ہر حرکت پر گھبرا کر بھاگتیں تار اس کی ہتھیلیوں کو کاٹتا—اور انہیں دکان کے سامنے قطار میں رکھتا اور جب ضرورت ہوتی تو پر نکالتا—یہ ایک ایسا کام تھا جس کا ایک خاص حسی معیار تھا جسے بعد میں وہ کسی سے بیان نہ کر سکا کیونکہ اس کی بعد کی زندگی میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے ایسی تفصیل سمجھ میں آتی۔ وہ پیسوں کا ڈبہ سنبھالتا۔ وہ ڈبے کا حساب کتاب بے کم و کاست رکھتا کیونکہ مرغی فروش—ایک موٹا بے رحم آدمی جس کا نام بابو

تھا مگر بے رحم بھی نہیں—نے اسے بتا دیا تھا': اگر گنتی غلط ہوئی مجھے پتہ چل جائے گا اور میں دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔' گنتی کبھی غلط نہ ہوئی۔

وہ صبح سات سے دوپہر چار بجے تک یہ کام کرتا ہفتے میں چھ دن۔ شام کو وہ پانچ روپے لے کر گھر آتا—اپنی کمائی میں سے ایک روپیہ جو اس نے روک لینا سیکھ لیا تھا جُمن کو باقی دیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ فروش نے صرف انتیس دیے تھے۔ وہ یہ روپے اپنی ماں کے دوپٹے کی ایک چھوٹی سی تہہ میں رکھتا جو وہ ہمیشہ اپنی قمیض کی جیب میں بند رکھتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس چیز کے لیے بچا رہا ہے۔ پھر بھی بچاتا رہا۔

رات کو جب جُمن گیا ہوتا اور سُغری چراغ کی روشنی میں کپڑے سیتی رہتی اور کھڑکی کے پار ریلوے اپنی لمبی تال میل والی روانگی کی آوازیں پیدا کرتا اللہ وارایو وہ ایک کتاب لے کر بیٹھ جاتا جو وہ حویلی سے لایا تھا—ایک پرانی سندھی قاعدہ جو استاد نے اسے دی تھی—اور چراغ کی روشنی میں اس کے صفحات پڑھتا اور دوبارہ پڑھتا ہونٹ ہلکے سے حرکت دیتے جس طرح استاد نے اسے کہا تھا کہ ہونٹ ہلانا چھوڑ دے مگر اس نے نہیں چھوڑا تھا کیونکہ اسی طرح الفاظ ٹھہر جاتے تھے۔

وہ اُن لمحات میں دوبارہ حویلی میں ہوتا۔ وہ مطالعہ کی میز پر ہوتا۔ استاد کا سر جھکا ہوتا۔ مہران لکڑی کی دراڑ کو انگلی سے ٹریس کر رہا ہوتا۔ صبح کی دھوپ جالیوں سے سنہری ستونوں کی شکل میں آتی۔

وہ کتاب بند کرتا اور فرش پر جا سوتا—اس کے لیے کوئی چارپائی نہ تھی؛ وہ ایک تہہ کیا ہوا کمبل اوڑھ کر سوتا—اور سونے سے پہلے وہ سوچتا: ستارے مقررہ مداروں میں چلتے ہیں۔ یہ اس نے کہیں نہیں پڑھا تھا۔ یہ وہ بات تھی جو استاد نے ایک بار بے ساختہ کہی تھی جب وہ قدیم ماہرینِ

فلکیات کے بارے میں کچھ سمجھا رہے تھے۔ ستارے مقررہ مداروں میں چلتے ہیں۔ انہیں روکا نہیں جا سکتا اور نہ ان کا راستہ بدلا جا سکتا ہے اور یہ جیسا کہ استاد نے کہا تھا — یہ ایک قسم کا وعدہ تھا۔ وہ اس پر یقین کرتا تھا، کیونکہ اسے اس کی ضرورت تھی۔ وہ اردو اور سندھی کو قاعدے کے ساتھ پڑھتا تھا، اور ہر چیز کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا — ہر ایک چیز کو۔

✦ ✦ ✦

اسے پہلی بار مار مارا گیا مارچ میں آنے کے ہفتے بعد۔

واقعہ چھوٹا تھا: رات کے کھانے میں ایک پیالہ گر گیا پتلی دال کا شوربہ فرش پر بکھر گیا جُمن اپنی اُن دیر سے ہارے ہوئے حالتوں میں سے ایک میں تھا۔ مارنا بہت بُرا نہ تھا—دو تھپڑ دیوار پر ایک دھکا—لیکن اس کا مطلب بُرا تھا مطلب یہ کہ ظاہری معقولیت اب مکمل طور پر جا چکی تھی اور جو باقی رہ گیا تھا وہ ایک شخص تھا جس کے حالات بگڑ چکے تھے اور اسے کوئی اور بگڑا ہوا مل گیا تھا جس پر غصہ نکال سکے۔

سُغری نے خود کو بیچ میں ڈال دیا۔ اس نے کہا 'اسے چھوڑ دے۔' جُمن نے اسے چپ رہنے کو کہا۔ اس نے پھر کہا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان دو کے درمیان تھا اور اللہ وارایو نے اپنا کمبل لے کر باہر والے کمرے کے دور کونے میں جا کر لیٹ گیا اور چھت کو گھورتا رہا اور وہ آوازیں سنتا رہا اُس چہرے کے ساتھ جو اُس شخص کا ہوتا ہے جو اپنے اُن مقاصد کے لیے معلومات جمع کر رہا ہو جن کی وہ ابھی پہچان نہیں کر سکتا۔

وہ نو سال کا تھا اور وہ اب اپنی ماں کھو چکا تھا اکیلی دوستی چھوڑ چکا تھا جو اسے ملی تھی اور ایک ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جو حویلی کے مطالعہ گاہ کی ہر پیشکش کے یکسر برعکس تھی۔

اگلی صبح بازار میں ایک گاہک نے اس کا نام پوچھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اللہ وارایو 'اس نے کہا۔'

خدا کا دیا ہوا 'گاہک نے کہا جس طرح لوگ کبھی کبھی نام کا ترجمہ زبانی کرتے ہیں۔ 'چھوٹے' بچے کے لیے بہت بڑا نام ہے۔

اللہ وارایو نے آدمی کی خریداری اسے تھما دی۔ 'میں اس میں ڈھل جاؤں گا 'اس نے کہا۔

گاہک ہنس پڑا۔ مرغی فروش بابو جو یہ سن رہا تھا نے لڑکے کو اُس نگاہ سے دیکھا جو اس کے قریب قریب تعریف کے قریب ترین تھا۔

لڑکا اپنے پنجروں کی طرف لوٹ گیا۔

باب پنجم

مہران کی واپسی



موسمِ گرما نے ایسی گرمی برپا کی کہ شہر بھٹی کے اندر جیسا محسوس ہونے لگا۔ سڑکوں کا تار نرم پڑ گیا بازار کے اوپر کی فضا لہروں میں کانپتی جس سے ہر چیز کی شکلیں بگڑ جاتیں۔ اللہ وارایو مرغیاں اٹھاتا پر توڑتا پیسے گنتا اور رات کو اپنی پڑھائی کرتا — اور کبھی شکایت نہ کرتا۔ یہ صبر و استقلال کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس سمجھ سے تھا کہ ایسا کوئی نہیں جس سے شکایت کرنے سے معاملہ بگڑ نہ جائے۔

مہران مئی کے آخر میں دو مہینے کے لندن قیام سے اپنے والد کے ساتھ واپس آیا۔

وہ اب دس سال کا ہو چکا تھا۔ لندن کے دورے نے اسے کئی طرح سے بدل دیا تھا — کچھ بدلیں ظاہر تھیں کچھ پوشیدہ۔ ظاہر تبدیلیاں: نئے کپڑے کلائی پر ایک مختلف گھڑی ایک ایسا واک مین جو حیدرآباد بازار کی کسی بھی چیز سے زیادہ جدید تھا اور بولنے کا ایک نیا انداز جہاں کہیں کہیں انگریزی کے فقرے اردو میں ترجمہ ہو کر عجیب سی تال کے ساتھ آتے۔ پوشیدہ تبدیلیاں زیادہ دلچسپ تھیں: ایک بے چینی اس کے ذہن کے پس منظر میں مسلسل ایک موازنہ چل رہا تھا جو اس نے دیکھا تھا اور جس کی طرف وہ لوٹ رہا تھا — ابھی تک الفاظ نہیں ڈھونڈ پائے تھے مگر وہ موازنہ کام کر رہا تھا۔

اور اِن سب نئی چیزوں کے نیچے وہ دس سال کا تھا اور اپنے دوست کے لیے تنہا تھا۔

اس نے اللہ وارایو کو ڈھونڈ نکالا کیونکہ اس نے ڈھونڈا۔ اس نے اپنے والد کے ڈرائیور سے اللہ رکھی عورت کے بیٹے کے بارے میں پوچھا تھا۔ ڈرائیور نے کندھے اچکائے اور کچھ کہا شہر اور ایک بہن کے بارے میں۔ مہران نے اصرار کیا تو ڈرائیور نے بتایا' : ریلوے کے قریب ایک بازار ہے کہتے ہیں لڑکا مرغیاں بیچتا ہے۔ 'یہ بات اس ہلکی سی حیرت کے ساتھ کہی گئی جو اُس شخص کو ہوتی ہے جو 'وڈیرہ صاحب کے بیٹے کے مطالعہ کے ساتھی 'اور 'ریلوے بازار کے مرغی — فروش 'کے درمیان کوئی مطابقت نہیں پاتا۔ لیکن مہران کے چہرے پر کوئی حیرت نہیں تھی صرف ایک رخ تھا اُس شخص کا رخ جو بالکل جانتا ہے کہ کہاں جانا ہے۔

وہ مئی کے آخر میں ایک سنیچر کی صبح ڈرائیور اور ایک محافظ کے ساتھ آیا اپنے لندن والے کپڑوں میں — جو بازار کی گرمی میں یکسر نامناسب تھے اور بالکل بے محل۔

اللہ وارایو دکان پر تھا تار کے پنجرے ہلا رہا تھا۔ اس نے مہران کو آتے نہ دیکھا کیونکہ وہ پنجروں میں مصروف تھا۔ اس نے سنا' : اللہ وارایو۔

وہ مڑا۔

کئی سیکنڈ کا وقفہ — پہچان کا وہ وقفہ جسے جسمانی تبدیلیوں کا حساب دینا پڑتا ہے: مہران لمبا ہو گیا تھا بھر گیا تھا اس کی لندن والی گھڑی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ اللہ وارایو یاد سے چھوٹا تھا دھوپ سے سانولا ہو گیا تھا اس کی ہتھیلیاں اُس جگہ سخت ہو چکی تھیں جہاں تار کے پنجرے کاٹتے تھے۔

پھر مہران نے وہی مسکراہٹ مسکرائی — اور وہ سولہ ماہ پہلے صحن کے پار والی مسکراہٹ ہی تھی بے روک اور خاص ملنے کی مسکراہٹ۔

اللہ وارایو نے جواب میں مسکرا دیا۔ اس کے دانتوں کا سوراخ ختم ہو چکا تھا — اس کے پکے دانت آ چکے تھے۔ مسکراہٹ مکمل تھی۔

میرے ساتھ چلو 'مہران نے کہا۔ 'مجھے ایک — 'وہ رکا گویا صحیح لفظ تلاش کر رہا تھا۔ 'ایک' ساتھی چاہیے۔

اللہ وارایو نے مرغیوں کی دکان کی طرف دیکھا۔ بابو جو اپنی چارپائی پر سے دیکھ رہا تھا نے ایک چھوٹا سا اشارہ کیا: جا۔ وہ جذباتی آدمی نہیں تھا لیکن وہ صورتحال کو بھانپ سکتا تھا۔ صورتحال یہ تھی کہ اس لڑکے کا دوست کسی ایسے شخص کا بیٹا تھا جس کے پاس گاڑی اور محافظ تھا اور جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ کسی مرغی فروش کا کام نہیں تھا کہ اس میں رکاوٹ ڈالے۔

✦ ✦ ✦

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک خاص قسم کی گرمی تھی — ایک مہلتِ خاص کی کیفیت وقت کا وہ ٹکڑا جو حالات کی معمول کی منطق سے باہر ہوتا ہے اور بعد میں یاد آتا ہے گویا تقریباً ناممکن تھا جس طرح تم ایک خواب یاد کرتے ہو جو بیداری کی دی ہوئی کسی بھی چیز سے بہتر تھا۔

مہران کے والد کا شہری گھر — وہ جدید بنگلہ جس میں ماربل کے فرش درآمد شدہ گھاس اور اونچی دیواریں تھیں — ریلوے بازار سے پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھا اور مہران کی شہری آزادیاں اس

کی حویلی والی آزادیوں سے کہیں زیادہ تھیں کیونکہ وڈیرہ یہاں کم آتا تھا اور اس لیے وہ مناسب ساتھیوں کی اپنی درجہ بندی مسلط کرنے میں کم کامیاب ہوتا تھا۔ مہران کو اختر نامی ایک حویلی کا گارڈ بطور محافظ دے دیا گیا تھا اور اس کردار کے لیے اختر کی سب سے بڑی اہلیت یہ تھی کہ وہ اُن چیزوں کو نہ دیکھنے میں ماہر تھا جو اسے نہیں دیکھنی چاہییں — اور یہی وہ چیز تھی جس کی مہران کو ضرورت تھی۔

چنانچہ اللہ وارایو کی ترقی ہو گئی۔ یہ ترقی سرکاری نہیں تھی — اس بارے میں کچھ بھی سرکاری نہیں تھا — لیکن اس کی شرائط واضح تھیں: وہ اب بازار میں مرغی فروش نہیں تھا۔ وہ مہران کا ذاتی معاون تھا جس کا عملی مطلب تھا اس کا ساتھی اور اس نے وہ صاف ستھری شلوار قمیض پہنی تھی جو مہران نے شہر کے درزی سے منگوائی تھی اور وہ مہران کے ساتھ شہر کی گرمی کے دنوں میں گھومتا تھا۔

وہ سندھ میوزیم کے قریب ایک ٹھیلے سے چاٹ کھاتے جس کا فروش اسے مصالحے جلاتا تھا کہ آنکھیں بہہ جاتیں اور منہ جلنے لگتا — اور اسی وجہ سے وہ چاٹ شہر میں بہترین تھی۔ وہ گھنٹہ گھر کے قریب پرانے علاقے میں جاتے جہاں پیتل کے برتنوں کی دکانیں اپنا سامان دھوپ میں سجاتے تانبے کے برتن اور پیتل کے چراغ روشنی کو پکڑ کر بگڑی ہوئی سنہری روشنی بکھیرتے۔ — انہیں قلعے کے قریب ایک آئس کریم فروش ملا جس کا ایک ذائقہ تھا جسے وہ 'لندن ریڈ' کہتا تھا جس کا ان دونوں نے کبھی تجربہ نہ کیا تھا لیکن مئی کی گرمی میں وہ شاندار تھا۔

وہ باتیں کرتے۔ یہی مرکزی سرگرمی تھی: وہ ہر چیز کے بارے میں باتیں کرتے اور خاص طور پر اُن چیزوں کے بارے میں جو اہم تھیں۔

مہران لندن کے بارے میں بات کرتا۔ وہ ایک عجائب گھر میں گیا تھا — 'بہت بڑا تم تصور نہیں کر سکتے اس پورے بازار سے بڑا اور وہ سب سائنس کی چیزیں تھیں مشینیں اور ہڈیاں اور

کیسی مشینیں؟'

پرانی۔ لیکن ایک اور --'مہران نے تلاش کیا۔ 'ایک چیز تھی جو دکھاتی تھی کہ سیارے کیسے چلتے' ہیں۔ سورج کے گرد۔ ان کا ایک نمونہ تھا۔ سیارے مختلف سائز کی گیندیں تھیں اور وہ حرکت کرتی تھیں۔

میں اس بارے میں جانتا ہوں 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'استاد بابا نے بتایا تھا۔

لیکن وہ ایک نمونہ تھا۔ تم اصل --'مہران نے اپنے ہاتھوں سے بیضوی حرکت کی۔ 'اصل' راستہ دیکھ سکتے تھے۔ اور سورج بیچ میں تھا بہت چھوٹی گیند مگر روشن اور باقی سب اس کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

اللہ وارایو ایک لمحے خاموش رہا۔ 'سب سے چھوٹا سیارہ کون سا ہے؟

مرکری۔ سورج کے سب سے قریب۔'

اور سب سے بڑا؟

جیوپیٹر۔ اس پر ایک طوفان ہے جو چار سو سال سے چل رہا ہے۔

وہ دونوں اس معلومات کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے رہے ان کے ہاتھوں میں چاٹ بھولی ہوئی تھی۔

چار سو سال 'اللہ وارایو نے آخر کہا۔ 'اس ملک کے وجود میں آنے سے بھی پہلے۔

کسی بھی ملک کے وجود میں آنے سے پہلے جسے ہم جانتے ہیں۔

اور وہ اب بھی چل رہا ہے۔

اب بھی چل رہا ہے۔

انہوں نے اپنی چاٹ کھائی۔ شہر نے اپنے شہری شور اُن کے گرد کیے۔ سب سے بڑے سیارے پر ایک مستقل طوفان جو اُن کی ہر جاننے والی چیز کی تعمیر سے پہلے سے چل رہا تھا اور

ان کے طویل عرصے بعد بھی چلتا رہے گا۔ یہ یا تو خوفناک تھا یا تسلی بخش — اور انہوں نے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کون سا۔

✦ ✦ ✦

جولائی میں مہران کے والد کسی سیاسی کام سے شہری گھر میں دو ہفتوں کے لیے آئے اور شہری گھر نے اپنے درجہ بندی کے انتظامات کو دوبارہ نافذ کر دیا اور اللہ وارایو کا کردار سکڑ کر کسی کم دکھائی دینے والی چیز میں بدل گیا۔ وڈیرہ کی موجودگی میں قریب قریب خاموش تھا — اس نے یہ ڈھنگ جلدی سیکھ لیا تھا۔

وڈیرہ نے ایک بار اسے محسوس کیا — اصل میں محسوس کیا جو اس کے بصری میدان میں ہونے سے مختلف تھا۔ وہ باورچی خانے کے دروازے پر کھڑا تھا جب اللہ وارایو ایک ٹرے لے کر گزرا تو اس نے کہا' :اب بھی پڑھتے ہو؟

جب موقع ملتا ہے، پڑھتا ہوں — اور یہاں بھی تین مہینے سے استاد سے میں اور مہران پڑھ رہے ہیں۔

ایک توقف۔ وڈیرہ نے اسے اُسی جانچنے والی نگاہ سے دیکھا۔ 'کیا پڑھتے ہو؟

— انگریزی۔ اور میں نے بازار میں نویں جماعت کی سائنس کی کتاب ڈھونڈی ہے۔ 'یہ سچ تھا' اس نے وہ کتاب ڈھونڈی تھی پھٹی ہوئی جس کے پندرہ صفحے گم تھے پانچ روپے میں۔ اس نے اسے اپنے دوپٹے کی تہہ سے بچائے گئے پہلے پیسوں سے خریدا تھا۔

سائنس؟'

جی حضور۔

ایک اور توقف زیادہ لمبا۔ 'ہمم 'وڈیرہ نے کہا اور اس کے پاس سے گزر گیا۔ یہ حوصلہ افزائی نہیں تھی قطعاً۔ لیکن یہ خارج بھی نہیں تھا اور اللہ وارایو جس نے ان دو چیزوں کے درمیان کے فرق کو پڑھنا سیکھ لیا تھا نے اسے کچھ سمجھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اُس رات جب پورا گھر سو گیا تو وہ باورچی خانے کے چراغ کے نیچے پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب کے تین صفحے پڑھا۔ وہ سادہ مشینوں کے باب پر تھا۔بیساکھی پہیا ڈھلوان راستہ — وہ طریقہ کار جن کے ذریعے ایک چھوٹی طاقت صحیح نقطہ پر اور صحیح سمت میں لگائی جائے تو اپنے سے بہت بڑی چیز کو حرکت دے سکتی ہے۔

اس نے یہ تین بار پڑھا۔

پھر اس نے کتاب بند کی اور خاموش باورچی خانے میں بیٹھ گیا اور چولھے پر گیس کے شعلے کو دیکھا جسے اس نے روشنی کے لیے مدھم چھوڑ رکھا تھا اور چھوٹی طاقتوں اور بڑی چیزوں کے بارے میں سوچا اور صحیح نقطہ اور صحیح سمت ڈھونڈنے کے سوال کے بارے میں۔

باب ششم

درمیان کی سڑک



اگست کا آخر تھا اور حویلی بھری ہوئی تھی۔

سیاسی موسم آچکا تھا — احسان اور شکایات کا موسم دیہاتی علاقوں سے وفود کی آمد کا موسم اپنی درخواستوں اور عرضیوں کے ساتھ اور وڈیرہ کا اُس وقت بڑے بیرونی ہال میں سفید کپڑوں میں اور اپنے بندھے ہوئے اختیار کے انداز میں بیٹھ کر ان کا استقبال کرنا۔ حکمران جماعت کے جھنڈے ہر جگہ لٹک رہے تھے — موسم کے لیے نئے منگوائے گئے تازہ سبز اور سفید میں ان کا کپڑا کھیتوں سے آنے والی خشک ہوا میں پھڑپھڑا رہا تھا۔ وڈیرہ اس کے والد اور اس کے دادا کے پورٹریٹ داخلی ہال میں لٹکے ہوئے تھے — چہرے وقت کے ساتھ پیچھے مٹنے پر بتدریج کم واضح ہوتے جا رہے تھے اور بڑھتے ہوئے اُن مردوں کے انداز میں ترتیب دیے گئے تھے جو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ ان کے پورٹریٹ دیواروں پر لٹکیں گے۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

مہراب خان کی جائیداد اور اس سے متصل حسن علی کھوسو کی زمین کے درمیان حدبندی کرنے والی بیس فٹ چوڑی سڑک کے پار ایک آئینہ دار کارکردگی جاری تھی۔ ایم این اے کھوسو کے جھنڈے ایک مختلف رنگ کے تھے —دوسری جماعت کے رنگ نارنجی اور سرخ — اور اس کا پورٹریٹ اس کے اپنے داخلی ہال میں لٹکا ہوا تھا اور اس کے وفود مختلف سڑکوں سے آتے تھے لیکن بنیادی رسم وہی تھی۔ جاگیردارانہ سیاسی طاقت کا ڈھانچہ ایسا تیار ہوا تھا کہ وہ قطع نظر اس کے کہ کس جماعت کا جھنڈا لہرا رہا ہو ایک جیسا دکھائی دیتا ہے۔

ان کے درمیان بیس فٹ کی سڑک ایک پرانا وراثتی تنازع تھی —جس کی پیمائش 1970 کی دہائی میں کی گئی تھی اور جس پر کبھی رسمی طور پر دونوں خاندانوں نے اتفاق نہیں کیا جس کا مطلب تھا کہ دونوں خاندان پچاس سال سے اس پر "باضابطہ طور پر متفق نہیں "تھے۔ عملی لحاظ سے یہ سڑک غیر جانبدار زمین تھی جسے دونوں فریق اپنی کھیتوں اور باغات تک رسائی کے لیے استعمال کرتے تھے اپنے فارم کے اوزار اور فصل کی گاڑیاں اس پر چلاتے ہوئے — ایک احتیاطی باہمی اجتناب جو دہائیوں سے برقرار تھا دو گروہوں کے لوگوں کی مرکوز کوشش سے جو اچھی طرح جانتے تھے کہ کوئی بھی معمولی رابطہ اس چیز کو بھڑکا سکتا ہے جو طویل عرصے سے بھڑکنے کا انتظار کر رہی تھی۔

بیس فٹ والی سڑک کے, مہراب خان کی طرف ایک بڑا نیم کا درخت تھا — وہ صحن والا نیم نہیں بلکہ ایک اور اس سے بھی پرانا جو اس سڑک کی پیمائش سے پہلے یہاں اگ آیا تھا۔ اس کی جڑیں حد کے دونوں طرف دوڑتی تھیں اس کا سایہ سڑک پر اور کھوسو کی سرزمین میں چند فٹ تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر تم اسے معروضی نظر سے دیکھو تو یہ ایک شاندار درخت تھا۔ کم از کم دو صدی پرانا۔ اس کا تنے چار فٹ قطر کا تھا چاندی جیسی سرمئی گہری عمودی نالیوں سے کھدا ہوا۔ اس کی

شاخیں اُس خاص غیر متناسب فیاضی میں پھیلی ہوئی تھیں جو بہت پرانے درختوں کو حاصل ہوتی ہے جو بغیر کسی ہدایت کے بڑھے ہوں کہ کس سمت بڑھنا ہے۔

دونوں خاندان سمجھتے تھے کہ نقشہ نویس کی لکیر کے مطابق یہ نیم کا درخت مہراب خان کی زمین پر :ہے۔ دونوں خاندانوں نے اس بارے میں کبھی کچھ نہیں کہا کیونکہ کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں درخت نقشہ نویسی سے پہلے کا تھا اور موجودہ کسی بھی سیاسی انتظام کو پیچھے چھوڑ کر رہے گا۔ یہ اس تنازع کے بالکل باہر موجود تھا۔

یا یوں کہو کہ تھا۔

✦ ✦ ✦

اللہ وارایو اگست میں مہران کے ساتھ حویلی واپس آیا تھا — وڈیرہ کے بلانے پر جو چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا سیاسی موسم میں موجود ہو۔ وڈیرہ کی سمجھ میں یہ مہران کی تعلیم کا حصہ تھا بالکل اسی طرح جیسے اس کی اسکول کی کتابیں اس کی تعلیم کا حصہ تھیں — بس فرق یہ کہ اس قسم کی تعلیم وہ تھی جو واقعی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا دیکھے کہ چیزیں کیسے کام کرتی ہیں۔

مہران اللہ وارایو کو بطورِ معمول لے آیا — جس طرح تم اپنا سایا ساتھ لے کر چلتے ہو۔ اب تک ان کے درمیان تعلق اُس آسانی اور استحکام کو پہنچ چکا تھا جو اُن چیزوں کو حاصل ہوتا ہے جو بغیر کسی تقریب کے محض حقیقت بن جاتی ہیں۔

اللہ وارایو حویلی کے سیاسی موسم میں اُس انداز سے گزرا جو اس کے لیے موزوں تھا :کارآمد موجود قریب قریب پوشیدہ۔ وہ وفود کو چائے پہنچاتا۔ وہ پیغامات لے کر جاتا۔ وہ اسٹور روم کو سنبھالتا جہاں موسم کے غلے کے نمونے رکھے جاتے تھے۔ وہ یہ کام نہایت مہارت سے کرتا اور کسی کے لیے یادگار بنے بغیر — جو بالکل درست تھا۔

اپنے وقت میں — دوپہر کے اُن گھنٹوں میں جب وفود گرمی کی وجہ سے بکھر جاتے — وہ مطالعہ گاہ میں کتابوں کو تلاش کرتا، جہاں استاد کی آمد اب بند ہو چکی تھی، اور پڑھنے میں کھو جاتا۔ اس کے

پاس تھیں — پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب، اور دو نئی کتابیں جو ایک پرانی کتابوں کے ٹھیلے سے ملی تھیں: نویں جماعت کی جغرافیہ، اور ایک گھسا پٹا بچوں کا انگریزی ناول — جس کا مصنف نامعلوم تھا، اور جو ایک حملے کے بیچ سے شروع ہوتا تھا — ایک ایسی بنجر زمین پر نئے گھر کی کہانی، جہاں وہ کبھی نہیں گیا تھا۔ اس نے وہ سب پڑھ ڈالا، بیشتر سمجھ لیا، اور جو نہ سمجھا، اسے بار بار پڑھا۔

شام کے وقت وہ اور مہران جاگیر کے کنارے چلتے۔

یہ وہ وقت تھا جب مہران اپنی سب سے حقیقی صورت میں ہوتا — سیاسی نمائش سے دور اگست کی شام کی لمبی امبری روشنی میں کپاس کے کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے جہاں پھوٹنیاں کھلنے لگی تھیں۔ وہ پھر سے لندن کے بارے میں بات کرتا اور کراچی کے بارے میں بھی جہاں وہ اپنے والد کی پارٹی میٹنگ میں گیا تھا اور ایک لڑکے کے بارے میں جس سے وہ وہاں ملا تھا جس کا والد ایک سائنسدان تھا۔

سائنسدان؟ 'اللہ وارایو نے کہا۔

طبیعیات دان۔ وہ پڑھتا ہے کہ ایٹم کیسے کام کرتے ہیں۔

ایٹم کیسے کام کرتے ہیں؟'

بہت چھوٹے 'مہران نے کہا — جو بالکل جواب نہیں تھا۔ 'اتنے چھوٹے کہ تم دیکھ نہیں' سکتے۔ اس سے بھی چھوٹے جو تم تصور کر سکتے ہو۔

لیکن وہ ہیں؟

وہی سب کچھ ہیں۔ اس طبیعیات دان کے بیٹے نے کہا — 'مہران نے آنکھیں موندیں یاد کرتے' ہوئے۔ 'اس نے کہا جو کچھ تم دیکھتے ہو ہمارے اردگرد ہر چیز ہر ایک چیز زیادہ تر خالی جگہ ہے۔ 'ایٹم بہت بڑی خالی جگہ میں بہت چھوٹے ہیں۔

اللہ وارایو نے چلنا روک دیا۔

کپاس کے کھیت ان سے دونوں طرف پھیلے ہوئے تھے پھوٹنیاں آخری روشنی کو پکڑ رہی تھیں

سندھ کا میدان ہر سمت پھیلا ہوا تھا دریائے سندھ کہیں مشرق میں ہوا کی ایک خاصیت کے

طور پر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

ہر چیز زیادہ تر خالی جگہ ہے؟ 'اس نے کہا۔

یہی کہا تھا طبیعیات دان کے بیٹے نے۔ جو زیادہ تر ٹھوس لگتا ہے وہ دراصل خالی ہے۔

ایک توقف۔ پھر اللہ وارایو نے —آہستہ سے— کہا' :پھر دیواریں واقعی دیواریں نہیں ہیں۔

اس نے یہ کہتے ہوئے حویلی کی اونچی دیوار کی طرف دیکھا۔

مہران نے اسے دیکھا۔ 'اس کا کیا مطلب ہے؟

کچھ نہیں 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'ابھی کچھ نہیں۔

باب ہفتم

ٹوٹی ہوئی شاخ اور گولی



اگست کا آخری جمعہ۔

ایک دن خاص گرمی اور اس بے چینی کے ساتھ جو موسم کی تبدیلی سے پہلے آتی ہے — ہوا اپنے کناروں پر بدلی ہوئی جانور بے قرار کپاس کے کھیت عجیب سا سکوت تھامے جیسے سن رہے ہوں۔ وڈیرہ رسمی ہال میں دیہاتی سرداروں کے وفد سے ملاقات کر رہا تھا اور صحن اُن کی آنے والی گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں سے بھرا ہوا تھا اور محافظ دروازوں اور دیواروں پر اپنے احترامی اختیار کی ترتیب میں تعینات تھے۔

مہران اُس بار آور انداز میں بیزار تھا جو عمل کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بچپن کا محافظ دستہ تھا — نوکروں کے خاندانوں کے چار لڑکے جو حویلی کے درجہ بندی کے غیر رسمی منطق میں اس کے محافظ تھے ان میں سے کوئی بارہ سال سے بڑا نہیں تھا۔ اللہ وارایو انہی میں تھا۔ وہ — صبح سے جاگیر میں بھٹک رہے تھے — باغوں سے ٹیوب ویل کے پاس سے پچھلے کھیتوں سے اور وہ دوپہر کے آغاز میں بیس فٹ والی سڑک پر آپہنچے۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اس گھڑی سڑک سنسان تھی۔ کھیت کے مزدور اندر تھے دوپہر کی گرمی میں آرام کر رہے تھے۔ دوسری طرف کھوسو کے آم کے باغات خاموش تھے درخت موسم کے آخری پھلوں سے لدے ہوئے ان کے نیچے زمین گِرے ہوئے آموں سے گہری سیاہ ہو چکی تھی جو گرمی میں پہلے سے میٹھے ہو رہے تھے۔

سڑک کے اوپر نیم کا درخت اس گھڑی شاندار تھا۔ روشنی اس کے سائبان میں سے بدلتے نمونوں میں سے گزرتی تتے گرم ہوا میں ملتے اور اس کا سایہ سڑک پر گہرا اور ٹھنڈا تھا۔ شاخیں درخت کی فطری غیر متوازن فیاضی میں سڑک پر پھیلی ہوئی تھیں۔ سب سے نچلی شاخیں ایک لمبے آدمی کی اونچائی پر تھیں۔

مہران درخت کے نیچے رک گیا۔

اس نے اُس جانچنے والی نگاہ سے اوپر سائبان میں دیکھا جو دس سالہ بچے کو حاصل ہوتی ہے جس کے لیے دنیا بنیادی طور پر اُن مواقعوں کا مجموعہ تھی جن کا ابھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا ایک نچلی شاخ کو پکڑا ایک لمحے کے لیے اس سے لٹکا — اور شاخ نے ٹوٹنے کی سی آواز نکالی — تو وہ واپس سڑک پر اتر آیا۔

اس نے شاخ کو دیکھا۔ وہ جھکی تھی مگر ٹوٹی نہیں تھی۔ اس کے سرے پر پھولوں کا ایک چھوٹا گچھا تھا — نیم کے درخت اگست میں کھلتے ہیں چھوٹے سفید پھول جن میں دواؤں جیسی خوشبو ہوتی ہے۔ مہران نے پھر سے ہاتھ بڑھایا اور پھولوں والی شاخ کو کھینچا — تشدد سے نہیں بلکہ مسلسل دباؤ کے ساتھ — اور شاخ ایک ایسی آواز کے ساتھ الگ ہوئی جو قطعی تھی: کسی متصل چیز کے جدا ہونے کی آواز۔ اس نے اسے اوپر اٹھایا۔ چار فٹ کی شاخ جس کے سرے پر سفید پھولوں کا گچھا تھا — قدیم نیم کی لکڑی کی ایک بناوٹی تلوار۔

ہا 'اس نے کہا اور اسے تجرباتی طور پر ہلایا۔'

اسی لمحے نوابزادہ جلال کھوسو سڑک کے دوسرے سرے پر نمودار ہوا۔

✦ ✦ ✦

وہ سترہ سال کا تھا۔ وہ ایم این اے کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا — تیز مزاج اس طرح کہ اس کے خاندان نے اسے جوش سمجھ لیا تھا — چوڑے کندھوں والا ایک موٹر سائیکل چلا رہا تھا جو اسے پچھلی سالگرہ پر ملی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے والد کے دو نوجوان محافظ تھے — ایک پیچھے بیٹھا ایک ساتھ چلتا — مسلح جیسا کہ اس علاقے میں محافظ ہمیشہ ہوتے ہیں: کمر پر پستول اُس بے تکلفی کے ساتھ جو اُن مردوں کو حاصل ہوتی ہے جن کے لیے پستول بچپن سے ماحول کا حصہ رہا ہے۔

اس نے بچوں کو اپنے والد کی سڑک پر دیکھا۔ اس نے نوجوان خان کے ہاتھ میں گری ہوئی شاخ دیکھی۔ اس نے نیم کا درخت دیکھا — جو مہراب خان کا درخت تھا لیکن جس کا سایہ اس کے والد کی طرف پڑتا تھا اور جس کی جڑیں ہمیشہ جھگڑالو انداز میں دونوں کی جاگیر کے نیچے دوڑتی سمجھی جاتی تھیں۔

اس نے شاخ کے سفید پھول دیکھے۔

آگے جو ہوا وہ حساب سے تھا یا بے ساختہ — یہ سوال کوئی بھی کسی سرکاری کارروائی میں نہیں پوچھے گا کیونکہ سرکاری کارروائیاں ایک سترہ سالہ لڑکے کے جذباتی کیفیت کی باریکیوں سے اپنا کام نہیں رکھتیں۔ جو ہوا وہ یہ تھا: اس نے اپنی موٹر سائیکل دس فٹ پر روکی اس سے اتری اور مہران کی طرف اُس رفتار سے چلا جس طرح کوئی شخص چلتا ہے جس نے کچھ فیصلہ کر لیا ہو۔

یہ حد والے درخت کی شاخ ہے 'اس نے کہا۔'

مہران نے اسے اُس اطمینان سے دیکھا جو اُس لڑکے کو حاصل ہوتا ہے جو بڑا ہوا ہے یہ جانتے ہوئے کہ دعووں کی ایک خاص قسم کو کوئی دفاع درکار نہیں ہوتا۔ یہ ہماری طرف ہے۔

— حد والا درخت

ہماری طرف ہے۔ 1974 میں پیمائش ہوئی تھی۔

جلال کا چہرہ بدل گیا۔ وہ سترہ سال کا تھا اور ایک ایم این اے کا بیٹا تھا اور ایک دس سالہ بچہ اسے ٹوک رہا تھا — یہ ایک خاص قسم کی ذلت تھی جسے فوری درستی کی ضرورت تھی۔ 'مجھے شاخ دو' اس نے کہا۔

مہران نے اپنے ہاتھ میں شاخ کو دیکھا۔ اس نے جلال کو دیکھا۔ وہ دس سال کا تھا اور اس نے بڑا ہوتے ہوئے اپنے والد کو اپنے سے کئی گنا بڑے مردوں کے اختیار کے دعووں کو قبول کرتے اور رد کرتے دیکھا تھا۔ اس نے کہا: نہیں۔

دونوں طرف کے محافظ ملے — یہ ایک جسمانی ردِ عمل کی طرح تھا جس طرح برقی ذرات کسی چارج پر ردِ عمل دیتے ہیں — تنگ سڑک پر اکٹھے ہو گئے بچے مہران کے گرد جمع ہو گئے جلال کے محافظ اپنے نوجوان آقا کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ وارایو نے مہران کے کندھے پر اپنی جگہ بنا لی — جہاں وہ ہمیشہ ہوتا تھا۔

الفاظ۔ مزید الفاظ۔ وہ الفاظ جو مرد اور لڑکے استعمال کرتے ہیں جب نہ کوئی طرف جھکتی ہے اور دونوں طرف دوسری طرف سے بہانے کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ طعنے — خاندانوں کے بارے میں زمین کے تنازع کے بارے میں 1974 کی پیمائش کے بارے میں باپوں اور ان کی خصوصیات کے بارے میں۔ طعنے تیز ہوتے گئے۔ جلال نے ہاتھ بڑھا کر مہران کے ہاتھ سے شاخ چھین لی — طاقت کا ایک عمل جس نے ہر چیز کی کیفیت بدل دی۔

مہران —دس سالہ اور اپنے والد کا بیٹا —پیچھے نہ ہٹا۔

مہراب خان کے ایک بوڑھے محافظ —تیس سال کا ایک شخص جو گلی کے دور سرے پر چل رہا تھا اور جھگڑا بڑھتا دیکھ چکا تھا اور اُس رفتار سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا جس کا حساب اس نے —اس طرح لگایا تھا کہ وہ گواہ بننے کے بجائے اسے پھسلنے سے روکنے کے لیے ٹھیک وقت پر پہنچے چلتے ہوئے اپنا پستول نکالا سوچا :شور ہوا میں فائر کھوسو کے آدمیوں کو بغیر براہِ راست تصادم کے بکھیر دو۔ یہ اس کا حساب تھا۔ یہ ایک معقول حساب تھا۔ اس سے پہلے بھی کام کیا تھا۔

اس نے سڑک کے اوپر ہوا میں فائر کر دیا۔

آواز ہموار زمین پر زبردست تھی۔

گولی —جو اوپر کی طرف آسمان کی جانب ماری گئی تھی —کسی چیز سے ٹکرائی —ایک پتھر ایک دیوار ایک شاخ —روایات مختلف ہوں گی —اور پھر ٹکرا کر پلٹی۔ ٹکراتی گولیاں ارادے کی تابعدار نہیں ہوتیں۔ یہ اُس سمت گئی جس کا محافظ کے ارادے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔



شہید بجیر بائیس سال کا تھا۔ وہ ایک نوجوان کسان تھا جو کھوسو کے باغات میں کام کرتا تھا اور آوازوں کی وجہ سے اپنے دوپہر کے آرام سے اٹھ کر سڑک کے کنارے آیا تھا —دیکھنے کے لیے کہ

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

یہ شور کیا ہے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا تھا کہ ٹکراتی ہوئی گولی اسے جا لگی۔ وہ اس کے سینے میں زاویے سے گھسی۔ وہ دھول میں بیٹھ گیا پھر لیٹ گیا پھر خاموش ہو گیا۔

سڑک بہت خاموش ہو گئی۔

پھر بہت تیز ہو گئی۔

اللہ وارایو بچوں میں سب سے پہلے تھا جسے سمجھ میں آیا کہ کیا ہوا۔ اس نے اس نوجوان کو دیکھا جو بیس فٹ والی سڑک کی دھول میں پڑا تھا اس نے اس شخص کی قمیض پر پھیلتے سیاہ دھبے کو دیکھا اس نے مہران کا چہرہ دیکھا — جو چاک کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ اس نے مہران کا بازو پکڑا۔ اس نے کہا' :چلو یہاں سے۔ 'اس کی آواز مستحکم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی آواز کیوں مستحکم تھی۔ اس کے ہاتھ مستحکم نہیں تھے۔

وہ وہاں سے چلے گئے۔ محافظ چلا رہے تھے۔ جلال کھوسو اپنے آدمی پر جھکا ہوا تھا اس کا چہرہ اُس چیز کا نقاب تھا جو آنے والے گھنٹوں میں اسٹریٹیجک حساب میں بدل جائے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

اللہ وارایو اور مہران حویلی کی طرف واپس چل دیے۔

ان کے پیچھے :ایک نوجوان مقتول ایک ٹوٹی ہوئی نیم کی شاخ جس پر سفید پھول تھے اور ہر اُس چیز کا آغاز جو بعد میں آئے گی۔

✦ ✦ ✦

کیسے نہ مارو بھائی کیسے نہ مارو

جو مارو سو تمہیں بھی مارو۔

کسی کو مت مارو بھائی کسی کو مت مارو

جو مارو گے وہ تمہیں بھی مارے گا۔

باب ہشتم

رسوائی کا جرگہ



خبر سندھ میں جس طرح پھیلتی ہے ویسے پھیلی: کسی بھی سواری سے تیز کسی بھی آگ سے آہستہ۔ شام تک وہ لاڑکانہ سکھر کراچی کے دونوں سیاستدانوں کی جماعتوں کے صدر دفاتر تک جا پہنچی۔ صبح تک وہ ٹیلی ویژن پر تھی — کوئی اہم واقعہ نہیں کیونکہ جاگیردارانہ اراضی تنازع میں ایک نوجوان کسان کی موت اُس حساب میں اہم نہیں تھی جس سے خبریں طے کرتی تھیں کہ کیا گننا ہے — مگر ایک چھوٹی سی اطلاع جو بہرحال موجود تھی اور اس لیے ایک ایسا ریکارڈ تخلیق کر چکی تھی جسے سنبھالنا ضروری تھا۔

یہ سنبھالنا فوری طور پر شروع ہوا۔

وڈیرہ مہراب خان نے پہلے گھنٹے میں اپنے پارٹی سیکریٹری اور سندھ اسمبلی کے تین سینئر اراکین کو فون کیے۔ ایم این اے حسن علی کھوسو نے اپنے پارٹی روابط اور ایک ریٹائرڈ جنرل کو فون کیے جو اس کے احسان مند تھے — اور جس نے اسی مناسبت سے اس کی جماعت کو ایسے فائدہ پہنچایا جو سرکاری نہیں تھا مگر سب سمجھ گئے۔ دونوں نے اپنے وکیلوں کو فون کیا۔ دونوں نے ضلعی پولیس آفیسر کو فون کیا — جس نے متعلقہ سب ڈویژن کے ایس ایچ او کو فون کیا جو انسپکٹر گل حسن تھے۔

انسپکٹر گل حسن پینتالیس سال کا شخص تھا جس نے سندھ پولیس میں سترہ سال اُس مہارت کو پروان چڑھا کر گزارے تھے جو اسے بتاتی تھی کہ اسے جو کہا جا رہا ہے اور وہ کون کہہ رہا ہے ان کے درمیان کیا تعلق ہے اور پھر اپنے رویے کو اسی کے مطابق ڈھال لیتا۔ وہ اُس طرح بدعنوان نہیں تھا جس طرح لوگ بدعنوانی کا تصور کرتے ہیں — ایک ڈرامائی اور جان بوجھ کر اصول کی دغا — بلکہ اُس طرح جو زیادہ عام اور زیادہ پائیدار ہے: حقیقت کے ساتھ بتدریج اور بتدریجی مفاہمت ہر مفاہمت اتنی چھوٹی کہ اسے جائز قرار دیا جا سکے اور اُن کا مجموعہ کبھی مجموعی طور پر جانچا نہ جائے۔ اسے فون آئے۔ وہ فون سمجھ گیا۔ وہ واقعے کی جگہ گاڑی چلا کر آیا اور سڑک پر چاک کا بنایا خاکہ دیکھا اور وہ خون دیکھا جسے زمین نے زیادہ تر جذب کر لیا تھا اور اس نے کئی بار اپنے آپ سے سر ہلایا — اُس انداز میں جس طرح کوئی شخص اس نتیجے کی تصدیق کر رہا ہو جس پر وہ اپنے دفتر سے نکلنے سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔

میڈیا وین اگلی صبح حیدرآباد سے آئیں — دو — ان کی سیٹلائٹ ڈشز صبح کی پہلی روشنی میں مضحکہ خیز پھولوں کی طرح کھلی ہوئی تھیں۔ رپورٹر نوجوان تھے — مقتول سے بھی کم عمر — اور وہ واقعے کے کنارے کھڑے ہوئے اُس سانس رکنے والی سنجیدگی سے رپورٹ کر رہے تھے جو اُن لوگوں

کو حاصل ہوتی ہے جو گواہی کی رسم ادا کر رہے ہوں بغیر کسی حقیقی گواہی کے کیونکہ جب وہ پہنچے تو کہانی پہلے ہی اُن کمروں میں طے ہو چکی تھی جن تک اُنہیں رسائی نہیں تھی۔

✦ ✦ ✦

جرگہ موت کے پانچ دن بعد بلایا گیا۔

یہ روایتی رسمی جرگہ نہیں تھا — اس میں کوئی باضابطہ تشکیل شدہ نشست نہیں تھی کوئی تسلیم شدہ عمائدین اپنی رسمی حیثیت میں جمع نہیں تھے۔ یہ غیر رسمی جرگہ تھا — سایہ طریقہ کار — جو رسمی جرگے کے خلاء میں کام کرتا ہے اور جسے سندھ میں ایک خاص عمر سے اوپر کا ہر شخص جانتا ہے اور اس عمر سے نیچے کا ہر شخص جلد ہی جان لیتا ہے۔ یہ ایک زمیندار کے نجی بیٹھک کمرے میں ہوا جس کا گاؤں دونوں جاگیر کے درمیان برابر فاصلے پر تھا — ایک ایسا شخص جو نہ مہراب خان کا آدمی تھا نہ کھوسو کا لیکن دونوں کے احسان مانتا تھا اس لیے کسی کا بھی بھروسہ نہیں تھا اور اسی لیے مناسب تھا۔

آٹھ آدمی کمرے میں بیٹھے تھے۔ زمیندار بطور میزبان۔ مختلف دیہاتی علاقوں کے تین عمائدین جن کی رضامندی سے کارروائی کو جواز ملتا۔ وڈیرہ مہراب خان۔ ایم این اے حسن علی کھوسو۔ ایک وکیل جس کا نام یہاں جو کچھ ہوا اس کے کسی بیان میں نہیں لیا جائے گا۔ اور — محفل کے کناروں پر سلِپ کر گیا — مہراب خان کے بیرونی حلقے سے ایک لگی لپٹی ہوئی شخصیت: ایک شہری آدمی ایک نکما ستائیس سال کا چوڑے کندھوں والا شخص جس کی جواری آنکھیں مسلسل باہر نکلنے کے راستوں پر پھرتی تھیں۔

جُمن۔

وہ شہر سے اس وفد کے ساتھ لگ گیا تھا اپنے آپ کو وڈیرہ کے لوگوں کے بیرونی کنارے سے چمٹا کر — اُس خاص سماجی مہارت کے ساتھ جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے یہ جان کر زندہ رہنا سیکھا ہو کہ بغیر ٹکٹ کے کس ٹرین میں سوار ہونا ہے اور کنڈکٹر کے آنے سے پہلے کب

اتر جانا ہے۔ کسی نے اسے واضح طور پر دعوت نہیں دی تھی۔ کسی نے واضح طور پر خارج بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اُس قسم کی موجودگی تھا جسے حقیقی طاقت والے لوگ اس وقت تک دیکھتے ہی نہیں جب تک انہیں اس کی ضرورت نہ پڑے۔

کمرے میں لوبان کی خوشبو تھی اور اُس خاص انسانی کثافت کے ساتھ جو اُن مردوں میں ہوتی ہے جو کئی دنوں سے بند جھگڑے میں ہوں۔ چھت کا پنکھ ہوا چلا رہا تھا مگر ٹھنڈک نہیں لا رہا تھا۔

وکیل نے پہلے بات کی صورتحال کو اُس طبی درستگی کے ساتھ پیش کیا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے بہت سے انسانی سانحات کو اُن کی قانونی جیومیٹریوں میں ڈھال دیا ہو۔

صورتحال یہ تھی :ایک آدمی مر چکا تھا۔ ایک ہتھیار چلایا گیا تھا۔ ہتھیار مہراب خان کے ایک محافظ کا تھا۔ گواہ تھے — جلال کھوسو کے محافظ — جو اسی کے مطابق گواہی دیں گے۔ میڈیا موجودگی تھی جو اس وقت محدود تھی لیکن بڑھ سکتی تھی۔ سیاسی تحفظات تھے جن کے تحت دونوں افراد کو ایک باہمی قابلِ قبول بیان پیش کرنے کی ضرورت تھی۔

سیاسی تحفظات یہ تھے :دونوں افراد کو اٹھارہ مہینوں کے اندر انتخابات کا سامنا تھا۔ دونوں افراد کی جماعتیں اس توجہ سے ناراض تھیں۔ دونوں افراد کو اپنے اپنے پارٹی صدر دفاتر سے کہا گیا تھا کہ اسے خاموشی اور جلدی حل کریں۔ دونوں سیاستدان گیارہ سالوں میں پہلی بار ایک کمرے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان فاصلہ بالکل وہی تھا جو اراضی تنازع نے بنا دیا تھا: نفرت نہیں مگر مستقل اور فعال دشمنی اس پہچان سے ٹوٹی ہوئی کہ انہیں ابھی ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔

مقتول کے خاندان کو پہلے ان کی رضامندی ملی :ایک رقم ایک وعدہ زمین تک رسائی کے حقوق کا اقرار۔ رقم مناسب نہ تھی۔ وعدہ پابند کرنے والا نہ تھا۔ اقرار اُس قسم کا تھا جو سندھی جاگیردارانہ انتظامات کی زبانی روایت میں موجود ہے — جس کا مطلب ہے کہ یہ اس وقت تک

حقیقی تھا جب تک اس کی پشت پر موجود طاقت حقیقی تھی اور اس کے بعد نظریاتی۔ خاندان نے مان لیا۔ اس جغرافیہ میں ان کے پاس کوئی ایسا انتخاب نہیں تھا جس سے وہ زندہ رہ سکتے۔

پھر قانونی ذمہ داری کا سوال۔

جس محافظ نے فائر کیا تھا وہ کہے گا کہ اس نے ہوا میں فائر کیا تھا اور ٹکرانا غیر متوقع تھا۔ یہ سچ تھا اور مکمل بیان کے طور پر ناکافی بھی کیونکہ سچائی اور قانونی کفایت دو الگ چیزیں ہیں۔ کسی کو اس طرح ذمہ دار ٹھہرایا جانا تھا جس سے معاملہ بند ہو جائے۔ کسی کو — اُس زبان میں جو وکیل نے موسم بیان کرنے والے کے اطمینان سے استعمال کی — "مناسب موضوع "ہونا تھا۔

ایک بچہ 'عمائدین میں سے ایک نے کہا۔ 'اگر بچہ ہو تو سزا محدود ہوتی ہے۔ عدالتِ اطفال۔'

'زیادہ سے زیادہ آٹھ سال۔ مقدمہ سننے سے پہلے ہی بند ہو جاتا ہے۔

کس کا بچہ؟ 'وڈیرہ نے پوچھا۔ اس کی آواز بے تہہ تھی۔ اس کا چہرہ کچھ ظاہر نہیں کر رہا تھا۔'

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

اسی خاموشی میں جُمن کھڑا ہوا۔

وہ بڑے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا۔ وہ محفل کے کنارے پر تھا دیوار کے ساتھ اور اس کا کھڑا ہونا سب نے دیکھا — اُس شخص کی طرح جو کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن وہ کھڑا ہوا اور اُس خاص اعتماد کے ساتھ بولا جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس لمحے کا انتظار کر رہا ہو اور جو جانتا ہو کہ وہ جو کہنے والا ہے وہ کمرے کا درجہ حرارت بدل دے گا۔

کہہ دو یتیم نے ٹرگر کھینچا 'جُمن نے کہا۔ 'وہ نکما ہے۔ میرے پاس رہتا تھا۔ وہ نو سال کا ہے' کسی کا بیٹا نہیں کسی کا رشتہ دار نہیں جس کی پروا ہو۔ کہہ دو وہی تھا۔

کمرہ خاموش تھا۔

وڈیرہ نے جُمن کو دیکھا۔ ایم این اے نے جُمن کو دیکھا۔ وکیل نے اپنے نوٹ دیکھے۔ عمائدین نے چھت کے پنکھے کو دیکھا۔

وہ وہاں تھا 'جُمن نے کہا گویا اس سے کوئی تکنیکی مسئلہ حل ہو گیا ہو۔ 'وہ سڑک پر تھا۔'

مزید خاموشی۔

پھر وکیل نے آہستہ سے کسی خاص کو مخاطب کیے بغیر کہا' :ایک نو سالہ بچہ جو موجود تھا تکنیکی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے—'اس نے جملہ مکمل نہیں کیا۔ اسے ضرورت نہیں تھی۔ جملہ کمرے کی سمجھ میں خود مکمل ہو گیا۔

وڈیرہ نے ایک اور طویل لمحے تک جُمن کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنے سامنے میز کو دیکھا۔ پھر اس نے ایم این اے کو دیکھا۔ ان کے درمیان ایک نگاہ—دو مرد جو ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے اور جو ابھی ایک دوسرے کے ساتھ صف آرا تھے—جو شاید دو سیکنڈ رہی اور جس میں ان دو سیکنڈوں میں فیصلے کا مکمل ڈھانچہ سما گیا تھا۔

ہم—تفصیلات—الگ سے بات کر سکتے ہیں 'وکیل نے کہا اور چائے منگوائی اور اجلاس' دوسری چیزوں کی طرف بڑھ گیا۔

جُمن واپس بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ اس کی گود میں اُس مطالعہ شدہ بے تکلفی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے جو بمشکل ان کے کانپنے کو چھپا سکتی تھی۔

باب نہم

شیطان کا خیال



اُس رات ریلوے کے قریب دو کمروں والی کوٹھی میں جُمن جلدی گھر آیا۔

یہ اتنا غیر معمولی تھا کہ توجہ کھینچ لے۔ وہ کہیں سے نہیں—کام سے نہیں جو مہینوں سے بے قاعدہ تھا نہ مرغوں کی اڈا سے جو کبھی آدھی رات سے پہلے ختم نہیں ہوتی—جلدی آیا تھا۔ سُغری باورچی خانے کے کونے میں کپڑے سیتی ہوئی نے دروازے کی آواز سنی سر اٹھایا اور اس کا چہرہ دیکھا—اور اس کے چہرے کی وہ خاص کیفیت جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے کوئی بڑی چیز تھمائی گئی ہو اور وہ ابھی اس کے وزن کے بارے میں یقینی نہ ہو۔

وہ اپنی بغل میں کچھ دبائے ہوئے تھا: ایک بھورا لفافہ وہ قسم جو سرکاری دفاتر میں استعمال ہوتی ہے اندر سے سامان سے بھرا ہوا۔

وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور ایک لمحے تک لفافے کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے گدے کے نیچے رکھ دیا۔

اس واقعے کے بعد وہ اپنی بہن کے گھر آگیا تھا۔ اللہ وارایو باہر والے کمرے میں دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ چراغ کی روشنی میں پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب کھولے۔ وہ تین دن سے لہروں والے باب پر تھا۔ وہ تصور جو اسے بے چین کر رہا تھا – اُس بار آور طریقے سے بے چین کر رہا تھا جس طرح حقیقی تصورات اس وقت بے چین کرتے ہیں جب وہ پچھلی سمجھ کو ڈھا رہے ہوتے ہیں – وہ یہ تھا کہ لہریں چیزیں نہیں تھیں۔ وہ حرکت کے نمونے تھیں۔ لہر میں پانی سفر نہیں کرتا؛ نمونہ سفر کرتا ہے۔ نمونہ حقیقی ہے وہ واسطہ جس سے وہ سفر کرتا ہے الگ ہے اور دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس پر بار بار لوٹ رہا تھا کیونکہ اسے لگتا تھا جیسے وہ یہ کسی اور سیاق سے جانتا ہے – ایک احساس جسے وہ ابھی جوڑ نہیں سکتا تھا۔

اس نے جُمن کو آتے سنا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ان کے درمیان تعلق مہینوں میں ایک قسم کی مسلح غیر جانبداری پر جا بسا تھا: جُمن زیادہ تر اسے نظر انداز کرتا اللہ وارایو زیادہ تر پوشیدہ رہتا سُغری ان کے درمیان کے خلاء کو اُس تھکا دینے والی مہارت سے سنبھالتی جو اُس عورت کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے ہی گھر میں سفیر بن گئی ہو۔ مارنا پیٹنا بند نہیں ہوا تھا لیکن کم ہو گیا تھا – جُمن کی توجہ اب زیادہ خاص طور پر سُغری پر مرکوز ہو گئی تھی جو ایک طرح سے برا تھا اور دوسری طرح سے بہتر – اُن تبدیلیوں کی طرح جو اپنی ذات میں خوفناک ہوتی ہیں مگر کچھ اور بچا لیتی ہیں۔

اس نے جُمن کو دوسرے کمرے میں حرکت کرتے سنا۔ اسے بیٹھنے کی آواز آئی۔ پھر خاموشی۔

پھر': اللہ وارایو۔

اس نے کتاب رکھی اور دروازے پر آیا۔

جُمن چارپائی پر بیٹھا تھا۔ وہ اللہ وارایو کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فرش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کا اظہار معمول کا نہیں تھا — نہ غصہ نہ بے پروائی نہ حساب کتاب — بلکہ کچھ زیادہ مشکل پڑھنے والا کچھ جس میں بیک وقت کئی باتیں تھیں۔

کل ہم تمہیں نئے جوتے دلوائیں گے '، جُمن نے کہا۔

ٹھیک ہے 'اس نے کہا۔'

جُمن نے سر ہلایا۔ وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

سو جاؤ 'اس نے کہا۔

اللہ وارایو اپنی دیوار اپنی کتاب اور لہروں والے باب کی طرف لوٹ گیا۔ اس نے چراغ کی روشنی میں ایک اور گھنٹہ پڑھا — شہر کی آوازیں آدھی رات کی طرف جم رہی تھیں اکلوتی کھڑکی کے باہر ریلوے اپنی دور کی دھاتی روانگی اور آمد کی آوازیں بنا رہی تھی۔

اس نے جوتوں کے بارے میں خاص نہیں سوچا۔ اس نے اس گھر میں بہت آگے سوچنا چھوڑ دیا تھا جتنا ممکن ہو موجودہ زمانے میں جینا — جو اُس قسم کی حکمت تھی جو غیر مستحکم حالات میں بڑھنے والے بچے بقا کے لیے پیدا کر لیتے ہیں اور جسے بھلانے میں ان کی باقی زندگی لگ جاتی ہے۔

اس نے لہروں کے بارے میں سوچا۔

اس نے سوچا کہ کس طرح ایک نمونہ حقیقی ہو سکتا ہے اور بغیر کسی چیز کے دنیا میں سفر کر سکتا ہے۔

اس نے اپنی ماں کے لوری کے بارے میں سوچا جسے وہ اب مکمل طور پر دوبارہ نہیں بنا سکتا تھا دھن تو وہی تھی لیکن الفاظ کے کنارے دھندلا رہے تھے اور اس نے اسے جُمن کی کسی بھی حرکت سے زیادہ خوفزدہ کیا۔

اس نے کتاب بند کی اور اپنے کمبل پر لیٹ گیا اور اسے دوبارہ سننے کی کوشش کی۔ وہ لوری۔ اس کی ماں کی آواز۔ اس کی وہ خاص کیفیت — نرم بے جلد جس طرح وہ جھونپڑی کے اندھیرے میں گاتی تھی جب وہ سوچتی کہ وہ پہلے ہی سو چکا ہے۔

اسے زیادہ تر واپس مل گیا۔ سب کچھ نہیں۔

وہ سو گیا۔

✦ ✦ ✦

گدے کے نیچے والے لفافے میں چالیس ہزار روپے تھے۔

یہ لفافہ ایک بیچوان کے ذریعے آیا تھا — اُس آدمی کے ذریعے جسے وڈیرہ کے لوگ اس نوعیت کے لین دین کے لیے استعمال کرتے تھے — ایک نکما آدمی، ایک راستہ۔ یہ پہلی قسط تھی۔ معاملہ طے ہونے پر ایک اور ہوگی۔ مجموعی اسی ہزار تھی — جو اتنی رقم تھی کہ جُمن نے اپنی زندگی میں کبھی نہ تھام رکھی تھی، اور تقریباً تین گنا اس رقم کے جو اس نے چاچا کھرو اور دوسرے کھیلوں کے قرض میں تھی۔

وہ رات کا بیشتر حصہ جاگتا رہا اور چھت کو گھورتا رہا اور اس بارے میں سوچتا رہا۔ سُغری اس کے پہلو میں سو رہی تھی — حقیقت میں سو رہی تھی جو غیر معمولی تھا — اور وہ اس کے سونے سے اس طرح باخبر تھا جیسے شاذ ہی ہوتا تھا گویا وہ اسے بہت فاصلے سے دیکھ رہا ہو اور سمجھ رہا ہو — شاید پہلی بار — کہ وہ ایک انسان ہے۔

جُمن نے اپنی بیوی کے بھائی — یعنی اپنے سالے — کو بیچ دیا تھا۔

وہ یہ جانتا تھا۔ وہ ہر چیز کے نیچے بے خودی کا آدمی نہیں تھا۔ وہ بالکل جانتا تھا کہ اس نے کیا کیا تھا اور اس کا کیا مطلب تھا اور اگلی صبح کیا لے کر آئے گی۔ وہ جرگہ کے کمرے میں جانتا تھا جب وہ کھڑا ہوا تھا — اُس مکمل یقین کے ساتھ جانتا تھا جو غور و فکر سے بالاتر ہو۔

اس نے حساب لگایا تھا اور حساب نے ایک عدد پیدا کیا تھا اور وہ عدد اس کے گدے کے نیچے تھا۔

صبح سے کچھ دیر پہلے اس نے ایک اور حساب لگایا — ایک جھوٹا حساب، جو اسے خود کو دھوکا دینے کا ایک اور بہانہ تھا۔ اس نے سوچا — چالیس ہزار قرض اتار دے گی، کچھ مہینے آرام سے گزر جائیں گے، اور شاید حالات بدل جائیں — اور اگر بدل گئے تو وہ — اس نے خود کو یہ جھوٹا سہارا دیا — کچھ کر سکے گا، کچھ تدارک، کچھ۔

مگر پھر اس نے حساب چھوڑ دیا — کیونکہ حساب خود اپنی بنیاد پر جھوٹا تھا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ وہ بدل سکتا ہے — مگر وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں بدلے گا۔ وہ وہی رہے گا — وہی جُمن، جو قرض میں ڈوبا ہوا تھا، اور جو اپنی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اندھیرے میں لیٹا رہا — اور صبح کا انتظار کرتا رہا، گویا صبح ہی اس کا آخری فیصلہ کرے گی۔

باب دہم

چوری شدہ بچپن



بیچاری بے کسان جی
دنیا میں کوئی نہیں
رب رکھے نہ رکھے
کوئی دور نہیں کوئی پار نہیں۔
بے سہارا اور بے یار و مددگار
اس دنیا میں ان کا کوئی نہیں
۔خدا رکھے یا نہ رکھے
نہ کوئی کنارہ نہ کوئی پار ہے۔

پولیس صبح سویرے آئی۔

چار آدمی دو گاڑیوں میں اُس جان بوجھ کر کیے گئے شور کے ساتھ جو اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو چاہتے ہیں کہ ان کی آمد دیکھے جانے سے پہلے محسوس کی جائے۔ انسپکٹر گل حسن پہلی گاڑی سے اترے اپنی بیلٹ سنبھالی اور عمارت کو اُسی طرح دیکھا جس طرح وہ ہر عمارت کو دیکھتے تھے جس میں وہ چیز موجود ہو جسے وہ لینے آئے تھے :اُس پیشہ ورانہ بے دلی کے ساتھ جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے بہت پہلے اپنے اعمال کو ان کے انسانی مادّے سے الگ کر دیا ہو۔

اللہ وارایو ابھی سو رہا تھا۔

وہ دروازے کی آواز سے جاگا — ایک زوردار دستک جو مانگنے کی بجائے اطلاع کر رہی تھی — اور پھر جُمن کی آواز بلند اُس نمائشی انداز میں جو ڈر کی طرح لگتا تھا مگر ڈر نہیں تھا بلکہ ڈر کی کارکردگی تھی اُن لوگوں کے فائدے کے لیے جنہیں اسے دیکھنے کی ضرورت تھی۔ اور پھر مردوں کی آوازیں سرکاری آوازیں اختیار کی وہ خاص لے جو خود کو کبھی نہیں سمجھاتی۔

وہ اپنے کمبل پر بیٹھ گیا۔ وہ دس سال کا تھا اور اکتوبر میں تین دن گزر چکے تھے اس نے وہ پرانے کپڑے پہن رکھے تھے جن میں وہ سوتا تھا اور اس کے پاؤں ننگے تھے۔ اس نے باہر والے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور چراغ کی روشنی میں حرکت کرتی شکلوں کو دیکھا اور وہ اُس طرح سمجھ گیا جس طرح وہ بچے جو دنیا کو غور سے دیکھتے رہے ہوں ہمیشہ الفاظ کے تصدیق کرنے سے تھوڑا پہلے سمجھ جاتے ہیں — کہ کچھ ختم ہو رہا تھا۔

اللہ وارایو 'پولیس والوں میں سے ایک نے کہا۔

وہ کھڑا ہو گیا۔

وہ دس سال کی عمر کے لیے چھوٹا تھا۔ ایک سال سے کم خوراک مل رہی تھی۔ نیند سے اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنی خاص خاموشی کے ساتھ کھڑا تھا — وہ بلی کی سی مرکوز

خاموشی — اور انسپکٹر گل حسن کو اُس طرح دیکھا جس طرح ابھی تک ڈر نہیں آیا تھا کیونکہ ڈر باہر سے اندر کی طرف سفر کر رہا تھا اور اسے آنے میں ایک لمحہ لگتا ہے۔

چلو 'گل حسن نے کہا۔'

کہاں؟ 'اللہ وارایو نے پوچھا۔ سوال سچا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا۔

انسپکٹر نے اسے دکھا۔ اس لمحے زیادہ تر بچے کچھ نہیں کہتے — وہ روتے ہیں یا چمٹ جاتے ہیں یا جم جاتے ہیں۔ اس بچے نے پوچھا 'کہاں'۔ انسپکٹر کے چہرے پر کچھ لہرا گیا — اتنا نہیں کہ ضمیر کہلا سکے مگر کچھ جو ضمیر کے علاقے میں تھا۔ وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم رہا۔

اپنا سامان لو۔'

اس کے پاس وہ کپڑے تھے جو اس نے پہن رکھے تھے۔ اس کے پاس پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب تھی۔ اس کے پاس اس کی ماں کا دوپٹہ تھا جو اس نے کمبل کے نیچے سے نکالا جہاں وہ اسے رکھتا تھا اور اپنے سینے سے لگا کر قمیض کے اندر بند کر لیا — اس سے پہلے کہ کوئی اسے منع کرتا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ سُغری وہاں تھی۔

وہ اندر والے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے رات کا دوپٹہ پہن رکھا تھا اور اس کا چہرہ — اس کا چہرہ وہ تھا جو تھا۔ ایک چہرہ جو غم کو سمیٹنے کا ناممکن کام کر رہا تھا — اتنا بڑا غم جو کسی چہرے میں سمائے نہ سمائے۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ پولیس کے دستک دینے سے پہلے سے جان چکی تھی کہ کیا ہونے والا ہے — شاید پچھلی رات سے جب جُمن اپنا لفافہ لے کر جلدی آیا تھا — اور اتنی جلدی جاننے کا مطلب ہے کہ تم رات کو رو لیتے ہو جب کوئی نہیں دیکھتا اور صبح کو پہنچتے ہو تو تم پہلی لہر سے گزر چکے ہوتے ہو۔

سُغری 'اللہ وارایو نے کہا۔ صرف اس کا نام۔ جس طرح اس نے نو سال کی عمر میں 'اماں 'کہا' تھا — نام نہیں ایک پتہ۔

اس نے اس کی طرف حرکت کی۔ جُمن کا ہاتھ بڑھا اور اسے روک دیا – کوئی پرتشدد روک نہیں بس ان کے درمیان ایک ہاتھ بڑھا دیا ایک جسمانی ممانعت۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اور جب سے لڑکا جاگا تھا اس نے اس کی طرف سیدھا نہیں دیکھا تھا۔

پولیس افسر نے اللہ وارایو کا بازو پکڑا – سختی سے نہیں بس مضبوطی سے۔ جس طرح تم کسی ایسی چیز کو پکڑتے ہو جسے تمہیں ہلانا ہو۔

مجھے بتائیے میں نے کیا کیا 'اللہ وارایو نے کہا۔ اس نے یہ گل حسن سے کہا لیکن وہ جُمن کو دیکھ' رہا تھا۔

گل حسن نے کہا' : تھانے میں بتا دیا جائے گا۔

اللہ وارایو نے جُمن کو دیکھا۔ جُمن نے دیوار کو دیکھا۔

وہ اسے ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے لے گئے – تیسرا قدم ساتواں قدم – اور صبح سویرے کی گلی میں لا کھڑا کیا۔ شہر ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔ ایک چائے والا اپنا ٹھیلہ لگا رہا تھا ان کے گزرتے ہی اوپر دیکھا۔ ایک کھڑکی میں ایک عورت گاڑیوں سے چوکنا ہو کر دیکھ رہی تھی۔ ایک بچہ سائیکل پر جم کر تکتا رہا۔

اللہ وارایو کو گاڑی کے پچھلے حصے میں بٹھا دیا گیا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا رہا اپنی قمیض کے نیچے دوپٹہ سینے سے لگائے اور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا جب وہ عمارت جہاں وہ پچھلا سال رہا تھا پیچھے ہٹتی گئی جب ریلوے پٹریاں آئیں اور گزر گئیں جب وہ شہر جسے وہ جانتا تھا اُس شہر میں بدل گیا جسے وہ نہیں جانتا تھا اور پھر ایک ایسے کمپاؤنڈ میں جو اونچی دیواروں کے پیچھے تھا جس کا دروازہ کھلا اور پھر اس کے پیچھے بند ہو گیا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

تھانے میں انسپکٹر گل حسن نے وہ بیان تیار کیا جس کی تیاری کی ہدایت انہیں دی گئی تھی۔

الزام: قتل — دفعہ 302 پاکستان پینل کوڈ۔

مشتبہ: اللہ وارایو — دس سال کا بچہ، والدہ: مرحومہ مائی اللہ رکھی، اور رہائش کا پتہ وہ جو انسپکٹر گل حسن نے خود لکھ دیا تھا۔

الزام کے مطابق وہی بچہ تھا جس نے ہتھیار چلایا تھا۔

اس نے کوئی ہتھیار نہیں چلایا تھا — کیونکہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ دس سال کا ایک پتلا سا بچہ تھا، جس کا وزن چھتیس کلو تھا، اور جو بازار میں تیس روپے روزانہ پر مرغیوں کے پنجرے اٹھاتا تھا۔

الزام درج کر لیا گیا۔ کاغذات درست تھے۔ کاغذات ہمیشہ درست ہوتے ہیں۔

✦ ✦ ✦

عدالتِ اطفال کی سماعت مختصر تھی — اُس طرح مختصر جس طرح ممکن ہوتا ہے جب تمام فریق جن کی طرف سے مقابلہ ہو سکتا ہے پہلے سے ترتیب دے دیے گئے ہوں۔ اللہ وارایو زیادہ تر باتیں نہ سمجھا — قانونی زبان اس کی پہنچ سے اوپر تھی اردو قانونی اصطلاحات کے ساتھ جن کے لیے اس کے پاس کوئی لغت نہیں تھی طریقہ کار کی ایک دنیا جس کے لیے اسے کبھی تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے پاس کوئی وکیل نہیں تھا۔ ایک سرکاری نمائندہ اس کے پاس گیارہ منٹ بیٹھا الزام پڑھا دو بار سر ہلایا اور کوئی اہم بات نہ کہی۔

جج تھکا ہوا تھا۔ جمعہ کی دوپہر تھی۔ اس کے بعد اس کے پاس چار مقدمے اور تھے۔

سزا: حیدرآباد ڈویژن میں اصلاحی مرکز برائے اطفال میں آٹھ سال قید۔ ہتھوڑا۔ اگلا مقدمہ۔

اللہ وارایو سزا سنتے وقت بالکل ساکت بیٹھا رہا۔ وہ حساب لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آٹھ سال۔ وہ دس سال کا تھا۔ آٹھ سال بعد وہ اٹھارہ سال کا ہوگا۔ اس نے ان اعداد کو اپنے ذہن

میں ایسی چیزوں کے طور پر رکھنے کی کوشش کی جن پر وہ قابو پا سکتا تھا — مقداریں جنہیں وہ گن سکتا تھا۔ آٹھ سال۔

وہ نہیں رویا۔ اس کے پاس اس کی ماں کا دوپٹہ اس کے سینے پر تھا اور وہ نہیں رویا کیونکہ رونا اُن چیزوں کے لیے ہے جن کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ ہونے والی ہیں اور اس کا ایک حصہ — ایک حصہ جو ایک سال کی باریک بینی سے دیکھ بھال نے ڈھالا تھا — جانتا تھا اُس طرح جیسے باریک بین دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ آنے والا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کس شکل میں۔ لیکن وہ جانتا تھا۔

✦ ✦ ✦

حویلی میں تین سو کلومیٹر دور مہران خان خالی مطالعہ گاہ میں بیٹھا تھا اور مطالعہ کی میز پر دوسری کرسی کو دیکھ رہا تھا — اور اسے کچھ محسوس ہو رہا تھا جس کا ابھی تک کوئی نام نہیں تھا۔ وہ اس کا نام — قصور اس خاص ناقابلِ حل قسم کا قصور جو اُن چیزوں سے چمٹ جاتا ہے جو تم نے نہیں کیں مگر روکی بھی نہیں — کئی سالوں بعد سیکھے گا۔ جب آخر کار اس نے اسے نام دیا اس کا وزن بالکل اتنا ہی بھاری تھا جتنا وہ ہمیشہ محسوس کرتا تھا۔

مطالعہ گاہ کی کرسی کبھی نہیں ہٹائی گئی۔ استاد ایک اور مہینے کے لیے واپس آئے اور پھر کبھی نہیں آئے۔ کرسی میز پر رہی۔

حویلی کے پیچھے گلی میں جہاں کبھی ایک چارپائی کے پاس مٹی کا گھوڑا رکھا ہوتا تھا اب صرف مٹی تھی — لال مٹی عام سی جو وہ سب کچھ جانتی تھی جو اس پر بولا گیا تھا اور کچھ نہیں کہتی۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

دوسرا حصہ

قفس

کیا قفس اُسے روک سکتا ہے جس نے سیکھ لیا ہو
کہ دیواریں زیادہ تر خالی جگہ ہیں؟
کیا تالا اُسے قید کر سکتا ہے جو سمجھ گیا ہو
کہ چابی صرف طاقت کا ایک خاص استعمال ہے؟

باب گیارہ

فولاد اور پتھر



اصلاحی مرکز برائے اطفال ایک ایسی عمارت میں قائم تھا جو انگریزوں نے میں ۱۸۹۴ تعمیر کی تھی — جو مکمل طور پر نوآبادیاتی تو نہیں تھی مگر نوآبادیاتی ڈی این اے لیے ہوئے تھی: اونچی چھتیں جو اُس آب و ہوا کے لیے بنی تھیں جو تب سے گرم ہو چکی تھی کھڑکیوں پر لوہے کے سلاخیں جن کے فریموں کو اتنے بار رنگ کیا گیا تھا کہ تہوں کو ارضیاتی طبقوں کی طرح پڑھا جا سکتا تھا ایک صحن جس کی زمین سخت تھی اور جس کے بیچ میں ایک ناقابلِ شناخت قسم کا درخت تھا جس نے بہت پہلے پتے دینا چھوڑ دیا تھا اور اب وہ صرف ایک بھوری ساختی حقیقت کے طور پر موجود تھا — جس کی ننگی شاخیں جو آسمان دستیاب ہوتا اُس کی طرف پھیلی ہوتی تھیں۔

ایک عمارت میں جو چالیس بچوں کے لیے بنی تھی اکانوے لڑکے تھے۔

سب سے پہلے بو تھی : انسانی کثافت کی تہیں — پسینہ کاربولک صابن اور وہ ادارتی کھانے کی بو جو ہر سطح میں اس قدر گھس جاتی ہے کہ خود سطح بن جاتی ہے — اُبلی ہوئی دال کل کے چاول اور وہ سبزی کا تیل جو ہر چیز کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس کے نیچے خود عمارت کی بو تھی — پرانا چونا پلاسٹر لوہا اور ان ڈھانچوں کی خاص نمی جو اتنی دیر تک تکلیف کو پناہ دیتے رہے ہوں کہ وہ دیواروں میں داخل ہو گئی ہو۔

اللہ وارایو شام کے دھندلے اجالے میں پہنچا — ایک وین میں، چار اور لڑکوں کے ساتھ۔ ا رسیپشن ڈیسک پر ایک گارڈ نے اسے درج کیا — اس کی تفصیلات، اُس بے حسی کے ساتھ جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا ان تفصیلات سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ نام۔ عمر۔ الزام۔ مدت۔ اسے ایک نمبر دیا گیا — 47-جے۔ اور پھر اسے ایک پتلا گدا، ایک بھوری کمبل، ایک ٹن کا پیالہ، اور ایک ٹن کی پلیٹ — اور پھر اسے بیرک نمبر تین کی طرف بھیج دیا گیا۔

بیرک نمبر تین بیس فٹ چوڑا اور چالیس فٹ لمبا کمرہ تھا جس میں دیواروں کے ساتھ چودہ لوہے کے فریم والے بستر رکھے تھے اور بیچ میں دو قطاریں تھیں۔ اس کمرے میں بائیس لڑکے تھے۔ کچھ سو رہے تھے۔ کچھ دور سرے پر ایک بستر پر تاش کا کھیل کھیل رہے تھے یا کوئی اور کھیل۔ ایک دروازے کے قریب والے کونے میں چپکے سے رو رہا تھا — ڈرامائی طور پر نہیں بس لگاتار جس طرح بہت چھوٹے بچے روتے ہیں جب وہ اتنی دیر رو چکے ہوں کہ بھول گئے ہوں اور کیا کرنا ہے۔

قریب والے بستر پر بیٹھا ایک لڑکا جب اللہ وارایو اندر آیا تو اس نے سر اٹھایا۔ وہ بارہ سال کا تھا چوڑے کندھوں والا جس کے چہرے نے وہ سب کچھ سیکھ لیا تھا جو اس جیسی جگہوں پر چہرہ

سیکھتا ہے: ایسا کچھ پیش نہ کرنا جو دباؤ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ اس نے اللہ وارایو کو :اُس جانچنے والی نگاہ سے دیکھا جو اس ادارے کے درجہ بندی کے نظام کو درکار تھی—ناپنا جسامت عمر تحفظ یا کمزوری کی ظاہری علامات۔

نیا ہے 'اس نے کہا۔ سوال نہیں درجہ بندی۔'

ہاں 'اللہ وارایو نے کہا۔'

'کیا مدت ہے تمہاری؟'

'آٹھ سال۔'

ایک توقف۔ کئی چہرے ملٹے۔ اصلاحی مرکز میں آٹھ سال کی سزا عام نہیں تھی۔ زیادہ تر سزائیں ایک یا دو سال کی ہوتی تھیں کبھی کبھار سنگین الزامات پر تین سال۔ آٹھ سال کا مطلب تھا کوئی سنگین الزام—یا کوئی ایسا الزام جسے کسی نے سنگین بنا دیا ہو جسے اس کی ضرورت تھی۔

کیا کیا تھا تم نے؟ 'چوڑے کندھوں والے لڑکے نے پوچھا۔'

کچھ نہیں 'اللہ وارایو نے کہا۔'

چوڑے کندھوں والے لڑکے—اس کا نام بخشال تھا اللہ وارایو بعد میں جانے گا—نے اسے ایک لمحے تک دیکھا۔ 'یہاں ہر کوئی کچھ نہیں کہتا 'اس نے کہا اور اپنے کھیل میں واپس چلا گیا۔

یہ بات سچ بھی تھی اور جھوٹی بھی—جیسا کہ اس ادارے میں زیادہ تر چیزیں: سچ اس معنی میں کہ بہت سے لڑکوں نے اپنے الزامات سے کہیں کم کیا تھا، اور جھوٹ اس معنی میں کہ کئی نے کافی زیادہ کیا تھا۔ تاہم، اس کی حقیقت یہ تھی کہ لفظ 'کچھ نہیں' یہاں ایک خاص وزن رکھتا تھا جو باہر نہیں رکھتا—اس کا مطلب یہ تھا کہ جیل میں ہر کوئی اپنا قصور نہیں مانتا، اور ہر کوئی کہتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس لحاظ سے، بیرک تین کے تقریباً ہر لڑکے نے کچھ نہیں کیا تھا۔

✦ ✦ ✦

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

پہلا ہفتہ تعلیم تھا — اپنی قدیم ترین اور خوفناک شکل میں۔

ادارے کی غیر رسمی معیشت پہلے سے قائم تھی جس طرح ایسی تمام معیشتیں کسی بھی بند برادری کے بننے کے دنوں میں خود کو قائم کر لیتی ہیں: طاقت ور کمزور سے چھین لیتے کمزور اتحاد بناتے یا اکیلے بھگتتے اور کرنسی تھی خوراک معلومات تحفظ اور اکیلا چھوڑے جانے کی خاص انسانی اجناس۔

اللہ وارایو کی صبح کی دلیہ کی پلیٹ اس کے دوسرے دن چھین لی گئی۔ اس نے اسے جاتے دیکھا ایک تیرہ سالہ لڑکا اس کے ساتھ ایک پندرہ سالہ لڑکا جو ضمانت کے طور پر اس کے پیچھے کھڑا تھا — اور اس نے حساب لگایا۔ وہ مقابلہ کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں مار پڑتی جسے وہ ہار جاتا اور پلیٹ پھر بھی چلی جاتی۔ وہ مقابلہ نہ کرتا جس کے نتیجے میں نہ مار پڑتی اور نہ پلیٹ جاتی لیکن ایک نظیر قائم ہو جاتی جس کے نتیجے میں مستقبل کی سب پلیٹیں بھی چلی جاتیں۔

اس نے مقابلہ کیا۔

مار پڑی — پوری طرح، بغیر کسی رحم کے۔ وہ چھوٹا تھا، کمزور تھا، اور ایک سال سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا تھا — اور وہ دونوں اس سے بڑے اور بھاری تھے۔ مگر وہ گرا نہیں — اس نے ہر ضرب اپنے جسم میں سمیٹ لی، اور جب مار ختم ہوئی تو اس نے پلیٹ اٹھائی — جس میں اس کی دلیہ تھی، جو انہوں نے اس سے چھین لی تھی — مگر وہ پلیٹ اس نے اپنے وجود کے اصول کے لیے اٹھائی، اپنی بھوک کے لیے نہیں۔ وہ دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا، اور دھول میں بکھری ٹھنڈی دلیہ کھائی، اور اپنی ناک سے احتیاط سے سانس لیتا رہا — جو خون سے تر تھی

بخشال نے یہ سب صحن کے پار سے دیکھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اگلی صبح جب وہی دو لڑکے اللہ وارایو کی پلیٹ کی طرف بڑھے تو بخشال اس کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ بس وہاں بیٹھا تھا اپنی پلیٹ لیے جگہ گھیرے ہوئے۔

دونوں لڑکے چلے گئے۔

اللہ وارایو نے بخشال کو دیکھا۔ 'کیوں؟' اس نے پوچھا۔

آٹھ سال 'بخشال نے کہا۔ 'تم یہاں لمبا عرصہ رہو گے۔ بہتر ہے کہ تم صحیح طریقہ سیکھ لو۔ 'وہ' رکا اپنی دلیہ کھاتے ہوئے۔ 'اور تم گرے نہیں۔

یہ اس چیز کا آغاز تھا جو دوستی نہیں تھی —کم از کم وہ دوستی نہیں جو کتابوں کی میز پر ہوتی ہے۔

یہاں دوستی کا ایک اور انداز تھا — زیادہ گہرا، زیادہ کام کا، اور اپنی شرائط سے پوری طرح باخبر۔ مگر یہ حقیقی تھا، اور قائم رہنے والا بھی۔ بخشال اٹھارہ مہینے سے اس جگہ کا حصہ تھا، اور اس کا ہر کونہ جانتا تھا۔ اللہ وارایو کے پاس کتابیں تھیں —یا کم از کم ہوں گی — اور وہ پڑھ سکتا تھا۔ ان دو صفات نے ایک ایسا بندھن بنا دیا جو دوستی سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

✦ ✦ ✦

وہ اپنی ماں کے خواب دیکھتا۔

ہر رات نہیں مگر اکثر۔ خواب ڈرامائی نہیں تھے — وہ ان میں نہیں مر رہی تھی نہیں غائب تھی۔ وہ محض تھی: مٹی کی چولھے پر کھانا بنا رہی تھی اس کی روشنی اس کے چہرے پر سرسوں کے تیل اور زیرے کی خوشبو۔ وہ گا رہی تھی — ہمیشہ گا رہی تھی — وہ لوری جس کے الفاظ وہ اب بھی کناروں سے کھو رہا تھا ایک ایک کر کے جیسے دیوار سے ٹائلیں گر رہی ہوں۔

وہ ان خوابوں سے بیرک تین کے اندھیرے میں جاگتا دوسرے لڑکے اس کے گرد سانس لے رہے ہوتے ادارے کی واحد سیوریٹی لائٹ سلاخوں والی کھڑکی سے دکھائی دیتی اور وہ خاموش

پڑا رہتا اور اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جوڑتا – جس طرح لوگ کرتے ہیں جب وہ کہیں اور سے واپس آئے ہوں :میں اللہ وارایو ہوں۔ میں بیرک تین میں ہوں۔ اب – اس نے ہفتے گنے ابھی اکتوبر ہی ہے بمشکل۔ میری ماں گاؤں کے قبرستان میں لال مٹی کے نیچے ہے مٹی – کے گھوڑے کے ساتھ۔ میں زندہ ہوں۔

وہ ان حقائق کو تسلی کے لیے نہیں دہراتا تھا بلکہ سمت شناسی کے لیے۔ تسلی اور سمت شناسی دو مختلف چیزیں ہیں۔ سمت شناسی کم سے کم ہے۔ تسلی ایک عیش ہے۔ وہ کم سے کم میں جینا سیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنی ماں کا دوپٹہ اپنے گدے کے نیچے رکھا ہوا تھا – پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب کے گرد لپٹا ہوا – پولیس نے اسے رکھنے دیا تھا شاید اس لیے کہ وہ اتنا گھسا ہوا تھا کہ لینے کے قابل ہی نہیں تھا۔ دوپٹے کی خوشبو کم ہو رہی تھی۔ یہ وہی چیز تھی جس کا اسے ڈر تھا اور جو ہو رہی تھی۔ وہ کبھی کبھی اپنا چہرہ اس میں دبا لیتا اور جو باقی رہ گیا تھا اسے سانس میں لینے کی کوشش کرتا۔ تیل کی خوشبو تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ چائے کی خوشبو تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ان کے نیچے کچھ تھا جو خالص اس کا تھا – اور وہ کچھ کم ہو رہا تھا۔

وہ اسے کم ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔ وہ صرف اس کا گواہ بن سکتا تھا۔

باب بارہ

قابیل کا نشان



سزا اس کے آنے کے دو ماہ بعد باضابطہ طور پر سنائی گئی — ایک سماعت میں جس میں وہ رسّیوں سے بندھا ہوا دو محافظوں کے ساتھ حاضر ہوا اسی عدالت کے کمرے میں جو پہلے جیسا تھا مگر دوسری بار ایک مختلف تجربے کے ساتھ جس طرح کوئی جگہ اس وقت بدل جاتی ہے جب تم پہلے سے جان چکے ہو کہ اس نے تمہارے خلاف فیصلہ کر دیا ہے۔

اصلاحی مرکز برائے اطفال میں آٹھ سال۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں رہا ہوگا۔

جج نے شرائط کو اُس پیشہ ورانہ غیر جانبداری کے ساتھ پڑھ کر سنایا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے کیریئر میں اس مقام پر پہنچ چکا ہو جہاں انصاف اور قانون کے درمیان خلیج اتنی مانوس ہو چکی ہو کہ وہ اسے خلیج کے طور پر محسوس نہیں کرتا بلکہ چیزوں کی فطری حالت کے طور پر محسوس کرتا ہے۔ اللہ وارایو سنتا رہا۔ وہ دس سال کا تھا اور وہ اعداد سمجھتا تھا اور اب وہ

ایک ایسے طریقے سے جو پہلی سماعت میں نہیں تھا— سمجھ گیا تھا کہ آٹھ سال کا مطلب حقیقی وقت میں کیا ہوتا ہے :دو ہزار نو سو بیس دن۔ اس نے اس رات گن لیے تھے بیرک تین کے اندھیرے میں اپنے گدے کے پاس دیوار پر—پنسل کے اس ٹکڑے سے جو وہ رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بیرک میں واپس آکر اس نے دیوار کو ڈھونڈا اور پہلا نشان بنا دیا۔

یہ ایک چھوٹی عمودی لکیر تھی—بمشکل ایک انچ—جو بیٹھے ہوئے آنکھ کی سطح پر بنائی گئی تھی۔ اس نے اسے احتیاط سے جان بوجھ کر بنایا—اس ارادے کے ساتھ جو بعد میں خود ظاہر ہوگا جب اس کے پاس بہت سے نشانات جمع ہو جائیں گے۔ وہ نہ صرف دن گن رہا تھا بلکہ اپنے مسلسل وجود کی حقیقت—یہ حقیقت کہ وہ گن رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی یہاں تھا ابھی گن رہا تھا۔

وہ یہ ہر صبح کرتا تھا بغیر کسی استثنا کے۔

✦ ✦ ✦

اس نے لڑنا سیکھ لیا۔

یہ غصے کی لڑائی نہیں تھی—اس نے جلدی محسوس کر لیا تھا کہ جو لڑکے غصے سے لڑتے ہیں وہ جتنے سے زیادہ ہارتے ہیں کیونکہ غصہ پھیلتا ہے اور تمہیں تمہاری اصل جسامت سے بڑا بنا دیتا ہے اور پھر اصل جسامت بطورِ تصحیح آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس نے درستگی سے لڑنا سیکھا: انتظار کرنا لمحہ چننا کم سے کم ضروری طاقت اُس خاص نقطے پر لگانا جو جھگڑے کو زیادہ سے زیادہ مؤثر طریقے سے ختم کرے۔ اس میں سے کچھ اسے بخشال نے سکھایا اور باقی اس نے تجربے سے سیکھا—جن میں وہ تجربے بھی تھے جو اسے اس کے دوسرے سال میں پھٹے ہونٹ اور ٹوٹی پسلی پر چھوڑ گئے اور تیسرے سال میں ایک ایسی سوجی ہوئی آنکھ جو دو ہفتے سوجی رہی اور ایک مہینے تک سر درد دیتی رہی۔

وہ بدمعاش نہیں بنا۔ یہ ایک انتخاب تھا اور سیاق و سباق میں یہ کوئی بدیہی انتخاب نہیں تھا۔ اس ادارے کے درجہ بندی میں کم سے کم مزاحمت کا راستہ – ایک بار جب تم نے اپنے آپ کو ایسے شخص کے طور پر قائم کر لیا جو گرے گا نہیں – یہ تھا کہ تم اپنی قائم شدہ حیثیت کو اپنے سے کمزور لوگوں سے چیزیں چھیننے کی خدمت میں لگاؤ۔ کئی لڑکے جو اس کی طرح کی پوزیشنوں سے شروع ہوئے تھے انہوں نے یہ راستہ اپنایا اور یہ کام کر گیا – اُس محدود معنی میں کہ اس نے مادی تحفظ پیدا کیا۔

اس نے اسے نہیں اپنایا۔ وہ گیارہ سال کی عمر میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا تھا کہ کیوں۔ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ اس کا کوئی حصہ اس سے منہ موڑ لیتا تھا – اسی طرح جس طرح اس کا کوئی حصہ جُمن سے منہ موڑ لیتا تھا – خود جُمن کے کاموں کی تفصیلات سے نہیں بلکہ اس کے تحت کام کرنے والی منطق سے وہ منطق جو کہتی تھی :دنیا نے تمہیں برتری کا ایک مقام دیا ہے چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو اور اس برتری کا استعمال یہ ہے کہ تم اُن سے لو جو تم سے کم رکھتے ہیں۔ اس نے یہ منطق حویلی میں بھی دیکھی تھی۔ اس نے اسے جرگہ کے کمرے میں دیکھا تھا – اُس خاموشی میں جس کے ساتھ دو طاقت ور مردوں نے کسی کے بیٹے کی قربانی قبول کر لی تھی کیونکہ کسی کا بیٹا ان کے حساب کتاب کی دہلیز سے نیچے موجود تھا۔

وہ کسی کا حساب کتاب نہیں بننا چاہتا تھا۔

✦ ✦ ✦

اس نے چھوٹے لڑکوں کو پڑھنا سکھایا۔

آغاز ایک سات سالہ بچے سے ہوا – اس جگہ کے لیے بہت چھوٹا جس کا مطلب تھا کہ اس کے الزام کے حالات خاص اور شاید خوفناک تھے – جو کونے میں رو رہا تھا اور جو اپنی آمد کے بعد سے مختلف انداز میں روتا رہا تھا۔ اللہ وارایو ایک شام اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے کہا' : کیا تم پڑھ سکتے ہو؟

لڑکے نے سر ہلایا — نہیں۔

کیا تم سیکھنا چاہتے ہو؟'

ایک توقف۔ لڑکے نے اسے اُس خاص ہوشیاری کے ساتھ دیکھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے سیکھ لیا ہو کہ طاقت والوں کی پیشکشیں عموماً چھننے کی تمہید ہوتی ہیں۔

میں تمہیں حروفِ تہجی سکھاؤں گا 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'پہلے اردو وہ آسان ہے۔ پھر سندھی۔' پھر انگریزی اگر تم چاہو۔

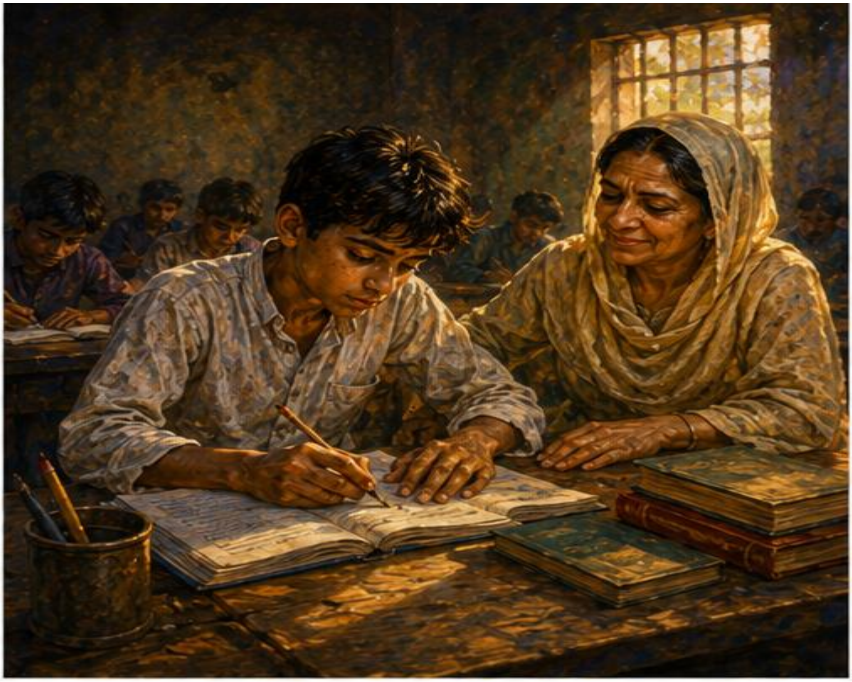
اس نے اُسی طرح پڑھایا جس طرح استاد نے اسے پڑھایا تھا — مشق کروا کر نہیں بلکہ دلچسپ بنا کر یہ دکھا کر کہ حروف کیسے الفاظ میں جمع ہوتے ہیں وہ الفاظ لکھ کر جو لڑکا جانتا تھا اور ان کے اجزاء دکھا کر۔ اس نے لڑکے کا اپنا نام اردو میں لکھ کر دکھایا اور اسے بتایا کہ اسے کیسے دیکھنا ہے۔ لڑکے نے سیمنٹ کے فرش پر اپنا نام دیکھا اور اس کے چہرے میں کچھ ہوا — وہ چنگاری جسے اللہ وارایو پہچانتا تھا۔ وہ لمحہ جب تجریدی حقیقی ہو جاتا ہے اور خود کو اچانک دنیا میں ایک نیا مقام مل جاتا ہے۔

اگلے ہفتے تین اور لڑکے آئے۔ پھر پانچ۔ اللہ وارایو نے اپنے پڑھانے کے اجلاس صحن میں قائم کر لیے — دوپہر کے کھانے کے بعد ننگے بھورے درخت کے سائے میں۔ وہ جو جانتا وہ پڑھاتا اور جب اپنی معلومات کی انتہا پر پہنچتا تو کہتا: 'مجھے مزید سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب میں مزید سیکھ لوں گا تمہیں پڑھاؤں گا۔

لڑکوں نے یہ قبول کیا۔ بچے علم کے معاملے میں فطری ماہر ہوتے ہیں: وہ بدیہی طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھتا ہے کہ استاد بھی شاگرد ہوتا ہے کہ عمل جاری ہے۔ اس تصور کے ساتھ مشکل اُس ادارے کے بڑوں کو تھی۔

باب تیرہ

روشن راہ



این جی او اللہ وارایو کے دوسرے سال میں آئی۔

اس کا نام تھا روشن راہ — روشنی کا راستہ — اور وہ اُس خاص توانائی کے ساتھ کام کرتی تھی جو اُن تنظیموں کو حاصل ہوتی ہے جو واقعی ضروری کام حقیقی مشکلات میں کر رہی ہوں اور جنہوں نے اس لیے ہر غیر ضروری چیز کو چھوڑ دیا ہو۔ اس ادارے میں اس کی نمائندہ ایک عورت تھی جس کا نام تھا سائرہ بلوچ — اور اس کے آنے کے ایک ہفتے کے اندر ہر کوئی اسے سائرہ باجی کہنے

لگا۔ باجی کا خطاب —بڑی بہن — وہ فطری شکل تھی جس میں ادارے میں قید نوجوان لڑکوں کی آبادی نے ایک اچھی عورت کو اپنا لیا تھا۔

وہ درمیانی عمر کی تھی، کھلے چہرے والی۔ پڑھنے کا چشمہ جو اس نے اپنے گلے میں زنجیر سے لٹکایا ہوا تھا اور اسے ایک خاص انداز — دو انگلیوں سے، ہلکی سی بے صبری کے ساتھ — اپنی ناک پر چڑھا لیتی تھی، جسے ایک سال سے زیادہ عرصے سے ادارے میں موجود لڑکے عین نقل کر سکتے تھے۔ وہ عملی لباس پہنتی: گہرے رنگوں میں شلوار قمیض، آرام دہ سینڈل، اور ایک دوپٹہ جو وہ ادارے کے میدان میں ڈھیلے سر پر لیتی، اور جب کسی چیز پر توجہ مرکوز کرتی تو اسے پیچھے دھکیل دیتی۔

وہ ہمیشہ ایک بڑا کپڑے کا تھیلا رکھتی تھی، جس میں سے کتابیں، کاغذ، وائٹ بورڈ (جسے اس نے ادارے کے ایک قابلِ استعمال کلاس روم میں منگوایا تھا) کے لیے رنگین مارکر، اور کبھی کبھار غیر متوقع طور پر کھانے کے لیے کچھ — مناسب بسکٹ، کبھی پھل — بغیر کسی رسم کے تقسیم کر دیتی۔ پھر ایک دن اس نے ایک اور چیز کلاس روم میں لا کر رکھ دی — ایک پرانا کمپیوٹر، جس کی اسکرین پر دھول جمی ہوئی تھی اور کی بورڈ کی کئی چابیاں اتر چکی تھیں۔ یہ وہی کمپیوٹر تھا جو کبھی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر کے باہر کلرک کی میز پر پڑا رہتا تھا، جہاں وہ اسے محض رجسٹر اندراج اور فارم پرنٹ کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا — کبھی بچوں کے لیے نہیں کھولا گیا تھا۔ لیکن سائرہ باجی نے اسے منگوا لیا، اس کی دھول صاف کی، اور جب وہ چلتی تو بچوں کو اس پر ٹائپنگ کے بنیادی سبق دینے کے لیے ایک نوک دار چھڑی سے حروف دکھاتی۔ اب وہ کمپیوٹر بھی کلاس روم کا حصہ تھا — ایک ایسا آلہ جو کبھی صرف کلرک کی انگلیوں کو جانتا تھا، اب غور سے دیکھتی بچوں کی آنکھوں میں نئی دنیا کے دروازے کھول رہا تھا۔

وہ ایک رضاکار تھی۔ وہ روشن راہ کے ساتھ گیارہ سال سے رضاکارانہ خدمات کر رہی تھی — اس سے پہلے وہ حیدرآباد میں ایک اسکول ٹیچر تھی۔ اسے ادارے کے بارے میں کوئی وہم نہیں تھا، نہ ان حالات کے بارے میں جن کے تحت اسے یہاں کام کرنے کی اجازت تھی — ہمیشہ عارضی طور پر، ہمیشہ عارضی، یہ اجازت ادارے کے سپرنٹنڈنٹ کے مزاج اور اُن سیاسی تحفظات پر منحصر تھی جن کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ان حالات میں طویل تجربے کی عملیت سے کام کرتی تھی: جہاں زور دے سکتی تھی، دے دیتی، اور جہاں زور دنے سے اجازت ہی واپس لے لی جاتی، وہاں زور نہیں دیتی۔

اس کا کلاس روم ایک ایسے اسٹور روم کو بدلا گیا تھا جسے پرانے فرنیچر سے خالی کر دیا گیا تھا اور سفید رنگ کر دیا گیا تھا — جو شہر کی ایک ہارڈویئر دکان کے عطیہ کردہ رنگ سے پینٹ کیا گیا تھا۔ اس نے دیواروں پر رنگین تعلیمی پوسٹر لگا رکھے تھے — اردو حروفِ تہجی بڑے حروف میں، پاکستان کا نقشہ، نظامِ شمسی کا خاکہ — اور ایک چھوٹے وائٹ بورڈ کے گرد پلاسٹک کی کرسیاں یو شکل میں ترتیب دی تھیں۔ وہاں تازہ رنگ اور چاک کی خوشبو تھی، اور یہ ادارے کا واحد کمرہ تھا جو اپنی اونچی کھڑکی سے دوپہر کی دھوپ حاصل کرتا تھا۔

اس نے اللہ وارایو کو اپنے پہلے ہی ہفتے میں دیکھ لیا۔

✦ ✦ ✦

ایسا نہیں تھا کہ اس نے فوری طور پر اپنے آپ کو ممتاز کر لیا — اس نے گیارہ سال میں بہت سے ذہین بچے دیکھے تھے اور ذہانت کوئی نایاب چیز نہیں تھی۔ جو عام تھا وہ تھی وہ ذہانت جسے باقاعدہ طور پر مایوس کر دیا گیا ہو یہاں تک کہ وہ تقریباً پوشیدہ ہو جائے صرف پہلو بچا کر دیکھنے میں اور اُس رفتار میں ظاہر ہوتی ہو جس سے بچہ کسی ایسی چیز کی طرف پہنچنا چاہے جسے چاہنے سے وہ ڈرتا ہو۔ اس نے اسے اس لیے دیکھا کہ وہ پہلے سے پڑھا رہا تھا۔

اس نے اسے صحن میں دیکھا — درخت کے سائے میں — تین چھوٹے لڑکوں کے ساتھ جو اس کے گرد زمین پر ترتیب سے بیٹھے تھے اور وہ ایک چھڑی سے دھول میں حروف بنا رہا تھا اور لڑکے اپنی انگلیوں سے ان کی نقل کر رہے تھے۔ حروف درست تھے۔ اس کی تعلیم واضح اور صابر تھی۔ اس کے پاس جیسا کہ وہ دروازے سے دیکھ سکتی تھی ایک فطری تدریسی جبلت تھی: وہ ہر لڑکے کے حرف کی نقل دیکھ رہا تھا اور اس کے مطابق اپنی وضاحت بدل رہا تھا جہاں ہر ایک غلطی کر رہا تھا۔

وہ پانچ منٹ کھڑی دیکھتی رہی — بغیر روکے۔ پھر وہ اپنے کلاس روم میں واپس چلی گئی۔

اگلے دن اس نے ایک محافظ کے ذریعے پیغام بھیجا": اللہ وارایو صبح کے کھانے کے بعد کمرہ نمبر 7 میں آئیں۔

وہ آیا۔ وہ کمرہ 7 کے دروازے پر کھڑا ہوا اور تعلیمی پوسٹروں پلاسٹک کی کرسیوں اور وائٹ بورڈ کو دیکھا جس پر تازہ سبق لکھا تھا — اور اس کے چہرے نے وہ کچھ کیا جو چہرے کرتے ہیں جب ان کا سامنا کسی ایسی چیز سے ہوتا ہے جسے وہ کھو چکے تھے بغیر یہ جانے کہ کھوئی ہوئی چیز کی شکل بالکل کیا تھی۔

بیٹھو،" سائرہ باجی نے کہا، اور اس کی آواز میں وہ گرمجوشی تھی جو کسی اجنبی کو اپنا بنا لیتی ہے۔ "

"تم نے — اس سے پہلے کس جماعت تک پڑھا تھا؟" اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا —

یہاں آنے سے پہلے؟

میں سرکاری سکول نہیں گیا۔ میرے پاس ایک استاد تھے — پرائیویٹ۔

کتنی دیر تک؟

تقریباً نو مہینے — یا دس۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اور اُن نو مہینوں میں تم نے کیا سیکھا؟"

انگریزی اردو سندھی۔ پڑھنا اور لکھنا۔ کچھ ریاضی۔ 'وہ رکا۔ 'اور میرے پاس ایک سائنس کی' 'کتاب تھی —نویں جماعت کی۔

سائرہ باجی نے اسے اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھا۔ 'کیا سائنس؟

طبیعیات اور کیمسٹری۔ میں نے اس کا زیادہ تر حصہ پڑھ لیا تھا۔ لیکن اس کے کچھ صفحے غائب' تھے۔

اس نے اپنے کپڑے کے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور ایک کتاب نکالی۔ یہ نویں جماعت کی سائنس کی ایک معیاری درسی کتاب تھی —جس کے کوئی صفحے غائب نہیں تھے اس کی جلد ابھی سالم تھی۔

اس نے اسے ان کے درمیان میز پر رکھ دیا۔

اس نے کتاب کو دیکھا۔ پھر اسے دیکھا۔

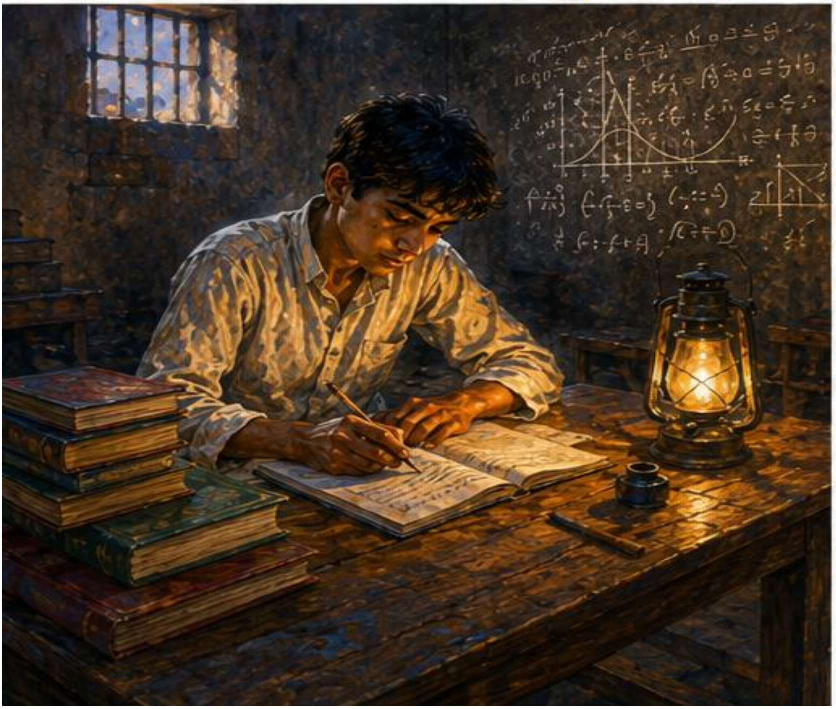
تمہارے لیے 'اس نے کہا۔ 'اگر تم اسے ٹھیک سے پڑھو گے۔'

میں اسے ٹھیک سے پڑھوں گا 'اس نے اپنی اس سیدھ کے ساتھ کہا — جو اس کے لیے کوئی' وعدہ نہیں تھا جو اس کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہو بلکہ ایک بیان تھا کہ درحقیقت کیا ہوگا۔

اس نے اسے ایک لمحے تک دیکھا۔ 'میں تم پر یقین کرتی ہوں 'اس نے کہا۔

باب چودہ

کائنات کا نظام



اس نے درسی کتاب نو دن میں پڑھ ڈالی۔

جلدی نہیں — اُس طرح نہیں جس طرح کوئی شخص محض مواد سے گزرنے کے لیے پڑھتا ہے۔ آہستگی سے — اُس طرح جس طرح کوئی شخص ہر حملے کو اس کے اجزاء میں توڑتا ہے اور پھر اسے دوبارہ جوڑتا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ جانچ پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔ اس نے پڑھا اور اپنی پنسل کے ٹکڑے سے حاشیوں پر چھوٹے چھوٹے نشانات بنائے — اس ادارے کے حاشیوں پر نہیں

جو خالی تھے بلکہ اپنی سمجھ کے حاشیوں پر اُن جگھوں پر جہاں کوئی بات حل نہیں ہوتی تھی اور اسے لوٹ کر دیکھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔

سادہ مشینوں والا باب وہ پہلے سے جانتا تھا — پھٹی ہوئی کتاب سے۔ اس نے اسے دوبارہ پڑھا اور پڑھنے میں نئی باتیں پائیں۔ لہروں والا باب، جس کے ساتھ وہ اب ایک سال سے اپنے ذہن میں جی رہا تھا — اس کا باضابطہ بیان پڑھنا ایسا تھا جیسے کسی ایسی جگہ کی تفصیل دیکھو جہاں تم خوابوں میں جاتے رہے ہو۔ گرمی اور حرحرکیات (تھرموڈائینامکس) والے باب نے اسے اُن وجوہات کی بنا پر دلچسپی دی جسے وہ بیان نہیں کر سکتا تھا — کچھ اینٹروپی کے تصور کے بارے میں، یہ خیال کہ بے ترتیبی وقت کے ساتھ قدرتی طور پر بڑھتی ہے، کہ کائنات زیادہ اختلاط اور زیادہ بے ترتیبی کی طرف مائل ہے — وہ کسی ایسے طریقے سے گہرے طور پر ذاتی طور پر متعلقہ محسوس ہوا جس کے اظہار کے لیے اس کے پاس ابھی فلسفیانہ ذخیرہ الفاظ نہیں تھا۔

لیکن وہ باب جس نے اسے روک دیا وہ ایٹم والا تھا۔

اس نے ایٹم والا باب ایک بار پڑھا کتاب کو الٹا رکھ دیا اور اپنے ہاتھ گھٹنوں پر چپٹے رکھ کر بیٹھ گیا اور بیرک تین کی دیوار کو دیر تک گھورتا رہا۔

باب کے مطابق، ایٹم مادے کی بنیادی اکائی تھا۔ ہر مادی چیز — ہر پتھر، ہر درخت، ہر انسان، اس ادارے کی ہر دیوار — ایٹموں سے بنی ہے۔ اور ایٹم، زیادہ تر، خالی جگہ ہے۔ مرکز میں موجود نیوکلیئس پورے ایٹمی رداس کے مقابلے میں نہایت چھوٹا ہے۔ اگر نیوکلیئس ایک ماربل کے سائز کا ہو، تو خود ایٹم ایک فٹ بال اسٹیڈیم کے سائز کا ہوگا۔ ان کے درمیان سب کچھ: خالی۔

اس نے دیوار کو دیکھا — وہی اینٹیں، وہی سیمنٹ، وہی پلاسٹر جو اسے سلاخوں کے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔ مگر اب وہ جانتا تھا: یہ دیوار بھی خالی ہے۔ اس کی آنکھوں نے جو ٹھوس

دیکھا، وہ دراصل ایک دھوکا تھا — ایٹموں کے درمیانِ وسیع خلا، ایک ایسی جگہ جہاں کوئی قید نہیں، کوئی حد نہیں۔ اس نے سوچا: اگر مادہ خود خالی ہے، تو پھر دیواریں مجھے کس طرح روک سکتی ہیں؟ وہ جسم کو تو روک سکتی ہیں — مگر خیال کو؟ علم کو؟ سوچ کو؟ اسی لمحے اسے یقین ہو گیا — وہ جسمانی طور پر جیل میں تھا، مگر اس کا ذہن آزاد تھا۔ اور جب تک ذہن آزاد ہے، کوئی دیوار حقیقی نہیں۔

وہ یہ بات — ایک ڈھیلے، ادھورے انداز میں — اُس شام کپاس کے کھیتوں میں مہران سے سن کر جانتا تھا۔ طبیعیات دان کے بیٹے کی وضاحت۔ مگر یہ مختلف تھا۔ یہ باضابطہ بیان تھا — اعداد اور خاکوں کے ساتھ — اور ان اعداد و خاکوں نے اس ڈھیلے جاننے کو ایک ٹھوس ساخت میں ڈھال دیا، ایک ایسی چیز جو اب وزن اٹھا سکتی تھی۔

اس کے ارد گرد ہر چیز زیادہ تر خالی جگہ تھی۔

کھڑکی پر سلاخیں۔

دیواریں۔

اس کا اپنا جسم۔

اس نے کتاب اٹھائی اور باب دوبارہ پڑھا۔ اور پھر دوبارہ۔

✦ ✦ ✦

اس نے رات کے چراغ کے نیچے پڑھنا شروع کیا۔

ادارے میں ہر بیرک میں ایک کام کرنے والا سیوریٹی لیمپ تھا — دروازے کے اوپر تار کے پنجرے میں ایک چالیس واٹ کا بلب رات دس بجے سے صبح پانچ بجے تک جلتا۔ اس کی روشنی میں پڑھنے کے لیے کافی روشنی تھی اگر تم براہِ راست اس کے نیچے بیٹھو۔ اس نے اپنا

گدا ہٹا کر براہِ راست لیمپ کے نیچے فرش پر رکھ لیا اور ہر رات روشنی بجھنے کے بعد وہیں پڑھتا یہاں تک کہ دوسرے لڑکوں نے اسے دیکھنا چھوڑ دیا اور رات کے گشت پر آنے والے۔ گارڈوں نے اس پر قدم رکھے بغیر گزرنا سیکھ لیا۔

اس نے نویں جماعت کی درسی کتاب منظم طریقے سے مکمل کی

۔ اور سائرہ باجی نے اسی کمپیوٹر میں فزکس ریاضی اور کیمسٹری کی ویڈیوز بھی محفوظ کر دی تھیں وہ سبق جو اللہ وارایو کو کتابوں سے نہ سمجھ آتا۔ جب بھی وہ آتیں ایک گھنٹے یا اس سے کم وقت میں وہ ویڈیوز دکھا دیتیں۔ اور اللہ وارایو اسی ایک گھنٹے میں وہ سب سیکھ لیتا جس پر کئی راتیں لگ چکی تھیں۔

اور سائرہ باجی نے دو مہینے بعد دسویں جماعت کی کتاب مہیا کر دی ۔ اور یہ سلسلہ قائم ہو گیا: وہ پڑھتا وہ اس کے کلاس روم میں سوالات لے کر آتا وہ جو جواب دے سکتی دیتی اور باقی کے جوابات اپنے یونیورسٹی روابط سے ڈھونڈ کر لاتی ۔ اور انہوں نے اس طرح ایک عجیب اور مؤثر تعلیمی ادارہ قائم کر لیا جو مکمل طور پر ایک اصلاحی مرکز کے حاشیوں پر موجود تھا۔

جو سیکھتا وہ پڑھاتا۔ یہ محض خیر خواہی نہیں تھی ۔ یا صرف وہ نہیں تھی۔ بلکہ یہ کہ پڑھانے سے مواد زیادہ حقیقی ہو جاتا تھا ۔ جب تم کسی ایسے شخص کو کوئی بات سمجھاتے ہو جو اسے ابھی نہیں سمجھتا تو تمہیں پتہ چلتا ہے کہ تم نے خود کون سے حصوں کو تقریباً سمجھا تھا۔ اس کا صحن والا سکول بڑھتا گیا: باقاعدگی سے دس لڑکے کبھی کبھی پندرہ ۔ ایک بدلتی ہوئی آبادی جیسے لڑکے رہا ہوتے یا منتقل ہوتے۔

سب چھوٹے لڑکے اس کی بھوک میں شریک نہیں تھے۔ کچھ صحبت کے لیے آتے کچھ اس لیے کہ یہ متبادل سے بہتر تھا کچھ اس بنیاد پر آتے اور جاتے کہ اس ہفتے سبق کا موضوع انہیں دلچسپ لگا یا نہیں۔ وہ جو جانتا تھا اور جو سیکھ رہا تھا وہ پڑھاتا ۔ اور اپنے مواد کو اس کے مطابق

ڈھال لیتا جو بھی وہاں ہوتا جس طرح ایک اچھا استاد بغیر بتائے کرتا ہے: تم وہاں سے شروع کرتے ہو جہاں شاگرد ہے نہ کہ جہاں تم چاہتے ہو کہ وہ ہو۔

✦ ✦ ✦

پڑھو پڑھو بچہ پڑھو

علم جو نر تھیو وڈھو

جو پڑھے سو اگے ودھے

جو نہ پڑھے سو پچھے رہے۔

پڑھو پڑھو بچو پڑھو

علم کا دریا وسیع بہتا ہے

جو پڑھے گا وہ آگے بڑھے گا

جو نہ پڑھے گا وہ پیچھے رہ جائے گا۔

✦ ✦ ✦

اس نے اپنے دوسرے سال میں سائرہ باجی کو ایک تحفہ بنایا: ایک لکڑی کا ڈبہ تقریباً چھ انچ مربع جس کا ڈھکن قطعی فٹ تھا اور ایک چھوٹا سا کلینچ تھا۔ اس نے اسے بڑھئی کی ورکشاپ میں بنایا دوپہر کے اوقات میں جو دستکاری کے لیے مختص تھے اس پر تین ہفتے کام کیا — کیونکہ ڈھکن کا — بالکل فٹ ہونا ہی اصل چیز تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھا سکتا تھا کہ ڈھکن کا بالکل صحیح فٹ ہونا کیوں ضروری تھا وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا تعلق یہ ظاہر کرنے کی خواہش سے تھا کہ وہ ناپے گئے ارادے اور حاصل کردہ نتیجے کے درمیان تعلق کو سمجھتا ہے — لیکن یہی اس کے بارے میں تھا۔ اس نے ڈبے کے اندر کو چار گھنٹے ریت سے گھسا یہاں تک کہ وہ کپڑے کی طرح ہموار ہو گیا۔ اس نے اسے جمعرات کو کلاس کے بعد دیا۔

اس نے اسے تھاما کھولا بند کیا اور اپنے انگوٹھے سے ڈھکن کے بالکل فٹ ہونے کو محسوس کیا۔ وہ ایک لمحے کچھ نہ بولی۔ پھر بولی': کیا ہے اس کے لیے؟

کتابیں 'اس نے کہا۔ 'چھوٹی والیاں۔ انہیں دھول سے بچانے کے لیے۔'

اس نے اسے اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھا۔ 'اللہ وارایو۔

سائرہ باجی۔'

میں وہ سب کچھ کروں گی جو میں کر سکتی ہوں تاکہ تمہیں یہاں سے نکال سکوں 'اس نے کہا۔'

جلدی نہیں —قانونی صورتحال جلدبازی کی اجازت نہیں دے گی۔ لیکن میرا مطلب ہے باہر اور' آگے۔ صرف باہر نہیں۔

اس نے سرہلایا۔

سمجھ گئے میرا کیا مطلب ہے؟'

آگے 'اس نے کہا۔ 'جی۔'

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب پندرہ

بڑھئی اور خواب



بڑھئی کی ورکشاپ سے تازہ لکڑی اور وارنش کی خوشبو آتی تھی — اور اُن دھاتی اوزاروں کی خاص معدنی مہک جو اُن لوگوں کے ذریعے صاف رکھے جاتے تھے جو ان کا احترام کرتے تھے۔ یہ ادارے کے کمپاؤنڈ کے عقب میں ایک لمبے شیڈ میں تھی جس کے دونوں سرے کھلے تھے تاکہ ہوا گزر سکے — اور وہ ورک بینچوں اور اوزاروں کے ایک معمولی سیٹ سے لیس تھی: ہاتھ کی آریاں چھینیاں رندے ہتھوڑے مختلف درجوں کی ریت کے کاغذ۔ استاد ایک شخص تھا جسے استاد نذر کہتے تھے — جو روایتی معنوں میں استاد نہیں تھا لیکن وہ تیس سال تک فرنیچر بنانے

والا رہا تھا اس سے پہلے کہ گھٹنے کی خرابی اسے کم جسمانی کردار پر مجبور کر دیتی — اور جو اپنی ورکشاپ میں ایک کاریگر کا مکمل اختیار لے کر آتا تھا۔

استاد نذر اُس طرح پڑھاتے تھے جس طرح کاریگر پڑھاتے ہیں: نمائش سے عمل کی تنقید سے آگے بڑھنے سے پہلے غلطیوں کی درستگی پر اصرار کر کے جوڑائی میں تخمینے کو قبول کرنے سے قطعی انکار کر کے۔ انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ورکشاپ کے باہر لڑکا کون تھا یا اس نے کیا —کیا تھا یا اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔ ورکشاپ میں صرف کام ہوتا تھا — اور کام یا تو جمتا تھا یا نہیں اور اگر نہ جمتا تو تم اسے درست کرتے۔

اللہ وارایو نے دریافت کیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اچھا کام کر سکتا ہے۔

یہ مکمل طور پر حیرت نہیں تھی — اس میں ہمیشہ ایک جسمانی توجہ تھی ایک دیکھ بھال کی کیفیت جس طرح وہ چیزوں کو ہینڈل کرتا تھا — لیکن یہ درجے میں حیرت تھی۔ وہ تین مہینوں کے بعد ایسے جوڑ بنا سکتا تھا جنہیں استاد نذر جانچتے اور بغیر تبصرے کے پاس کر دیتے — جو دستیاب سب سے بڑی تعریف تھی۔ وہ ایک لکڑی کے ٹکڑے کے دانے کو چھو کر اور دیکھ کر پڑھ سکتا تھا اور اس کے مطابق صحیح اوزار چُن سکتا تھا۔ وہ ورکشاپ میں مواد کے ساتھ ایک ایسی قرابت محسوس کرتا تھا جس کی کیفیت کتابوں کے ساتھ اس کی قرابت سے مختلف تھی: کتابیں اسے دنیا —دیتی تھیں — باہر پھیلی ہوئی دور دراز چیزوں کی طبیعیات اور کیمسٹری؛ لکڑی اسے دنیا دیتی تھی فوری چھوئے جانے والی موجود۔

—اس نے اس فرق کے بارے میں سوچا — چیزوں کو جاننے کے دو طریقوں کے بارے میں ایک تجرید کے ذریعے اور ایک ہاتھوں کے ذریعے — اور اس نے سوچا کہ مثالی شاید ان کے درمیان انتخاب کرنا نہیں تھا بلکہ دونوں کا ہونا تھا — مواد کی قربت اور تصوراتی وسیعیت کے درمیان سفر کر سکنا ہر ایک کو دوسرے سے آگاہ کرنے دینا۔ اس نے سوچا: ایک پل بنانے

والے کو دباؤ کی مساواتیں بھی معلوم ہونی چاہئیں اور کیبل کا احساس بھی۔ مساواتیں بتاتی ہیں کہ کیا کام کرنا چاہیے۔ ہاتھ بتاتے ہیں کہ کیا کرتا ہے۔

✦ ✦ ✦

اپنے تیسرے سال میں، سائرہ باجی نے اسے بتایا کہ وہ انتظام کر رہی ہے کہ وہ ادارے کے تعلیمی پروگرام کے ذریعے نویں جماعت کا بورڈ امتحان دے سکے۔

یہ پہلے درجے کی سرکاری کامیابی تھی۔ ادارے کا بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن سے کوئی رسمی الحاق نہیں تھا۔ سائرہ باجی نے بورڈ کے حیدرآباد دفتر میں ایک رابطہ پروان چڑھانے میں چار مہینے لگا دیے — ایک ڈپٹی ڈائریکٹر جو سکھر سے تھا اور اس کا این جی او کے بانی چیئرمین سے دور کا تعلق تھا — اور پھر طریقہ کار کی مخصوص رکاوٹوں کو ایک ایک کرکے عبور کیا: ادارے کے پاس مطلوبہ امتحانی مرکز کی حیثیت نہیں تھی (اس نے اسے ایک نجی امتحانی مرکز کے طور پر درج کروایا)، امیدوار کے پاس اسکول رجسٹریشن نمبر نہیں تھا (اس نے این جی او کی اپنی رجسٹریشن کے ذریعے ایک حاصل کر لیا)، نگران افسر کو ادارے کا سفر کرنا ہوگا (اس نے نقل و حمل کا انتظام کر دیا)۔

اس نے اسے بتایا جب سب کچھ طے ہو گیا — کمرہ نمبر 7 میں بیٹھ کر دوسرے شاگردوں کے جانے کے بعد۔

وہ بارہ سال کا تھا — تیرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دو سال اور تین ماہ سے ادارے میں تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میز پر چپٹے رکھ کر بیٹھا اور اس کے انتظامات تاریخوں اور مضامین کے بارے میں بیان سنتا رہا — اور جب وہ ختم ہوئی تو اس نے کہا:

کیا مجھے ہتھکڑیاں پہننی ہوں گی؟'

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

سائرہ باجی نے اسے دیکھا۔ یہ ایک سوال تھا جس کی اس نے توقع نہیں کی تھی — اور یہ کہ اس کا پہلا سوال تھا — مضامین، نمبروں، امتحانی فارمیٹ کے بارے میں نہیں بلکہ ہتھکڑیوں کے بارے میں — اس کی روزمرہ زندگی کی خاص ساخت کے بارے میں کچھ کہتا تھا جسے وہ، ایک لمحے کے لیے، تقریباً بہت دردناک محسوس کر رہی تھی کہ براہِ راست قبول کر سکے۔

میں سپرنٹنڈنٹ سے بات کروں گی 'اس نے کہا۔ 'امتحان احاطے میں ہے۔ شاید ضرورت نہ' پڑے۔

ضرورت پڑی۔ ادارے کے سیکورٹی پروٹوکول کے مطابق کسی بھی باقاعدہ بیرونی کارروائی کے لیے پابندیاں عائد تھیں۔ اس نے نویں جماعت کا امتحان کمرہ نمبر 7 میں دیا — اُسی میز پر جس پر وہ ہمیشہ بیٹھتا تھا — بورڈ کا نگران افسر سامنے بیٹھا تھا — ایک گارڈ دروازے پر کھڑا تھا — اس نے ہتھکڑیاں نہیں پہن رکھی تھیں۔

اس نے تین گھنٹے لکھا۔ اس کا دایاں ہاتھ دو بار اکڑا — اس نے پہلے کبھی امتحان نہیں دیا تھا اور وہ کلائی کی اس خاص برداشت کو نہیں جانتا تھا۔ اس نے لکھنا جاری رکھا۔ جب گھنٹی بجی اور پرچے جمع کر لیے گئے وہ اپنے ہاتھوں کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور یکساں سانس لیتا رہا — اور اس نے وہ چیز محسوس کی جسے وہ بڑھئی کی ورکشاپ سے پہچانتا تھا: وہ خاص اطمینان جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب تم نے اپنی دستیاب ہر چیز کو کسی خاص کام پر لگا دیا ہو اسے جتنا مکمل ہو سکتا تھا کیا ہو اور پھر نتیجے کو چھوڑ دیا ہو۔

وہ پاس ہو گیا۔ 68 %۔ اسے یہ تین ماہ بعد پتہ چلا — کیونکہ نتائج پہلے این جی او کے دفتر گئے — اور سائرہ باجی انہیں ایک ایسے دورے میں لائیں جس میں اس نے دکھاوا کیا کہ اس نے لفافہ نہیں کھولا تھا لیکن ظاہر ہے کھول لیا تھا — کیونکہ جب اس نے اسے دیا تو اس کا چہرہ پہلے سے اُس اظہار میں ڈھل چکا تھا جو اُس شخص کا ہوتا ہے جو جانتا ہے کہ مواد اچھا ہے۔

اس نے لفافہ کھولا نتیجہ پڑھا کاغذ واپس لفافے میں ڈالا اور لفافے کو احتیاط سے اپنی قمیض کے اندر اپنے سینے سے لگا کر رکھ لیا۔جہاں اس کی ماں کا دوپٹہ رہتا تھا۔

تو؟ 'سائرہ باجی نے کہا۔'

اس نے کہا۔ ' 68%'

یہ بہت اچھا ہے 'اس نے کہا 'اسے شخص کے لیے جس نے کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی'

'اور ایک ٹوٹی ہوئی کتاب اور چالیس واٹ کے بلب کے نیچے خود مطالعہ کیا۔

یہ 90% نہیں ہے 'اس نے کہا۔'

'نہیں۔ لیکن یہ حقیقی ہے اور تمہارا ہے اور کوئی اسے چھین نہیں سکتا۔'

اس نے اس کے بارے میں سوچا۔ پھر اس نے ایک بار سر ہلایا۔جس طرح کا مطلب تھا موصول۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب شانزدہ

مشکل ترین حسابات



اس نے آٹھ ماہ بعد دسویں جماعت کے بورڈ امتحانات دیے اور 59 %نمبروں کے ساتھ پاس کر لیے۔

یہ عدد 68% سے مختلف تھا اور اس نے اسے مختلف طور پر سمجھا۔ وہ طبیعیات کے ایک باب پر تھا—پرتابی حرکت (projectile motion)—اور اس نے تین ہفتے اس کے ریاضیاتی علاج پر کام کیا تھا۔ مثلثیات (trigonometry) جس کے لیے سائرہ باجی کو ایک اضافی

کتاب لانی پڑی۔ اور امتحان نے اسے باب کے بیچ میں ہی پکڑ لیا — مثلثیات کے عناصر کی اس کی سمجھ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی — اور اس کے طبیعیات کے پرچے کو اسی مناسبت سے نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ بالکل جانتا تھا کہ نمبر کہاں گئے تھے۔ امتحان کے بعد وہ مثلثیات کی کتاب پر واپس گیا اور اسے ختم کیا — یہ صحیح ردِ عمل تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ جو نمبر گئے تھے وہ پچھلے پرچے سے واپس نہیں آسکتے تھے صرف آنے والوں سے آسکتے تھے۔

وہ تیرہ سال کا تھا۔ وہ یہاں تین سال اور دو ماہ سے تھا۔

وہ طبیعیات کے بارے میں مسلسل سوچتا تھا — اُس طرح جس طرح لوگ اس چیز کے بارے میں سوچتے ہیں جس نے ان کے لیے دنیا کھول دی ہو — بے اختیار دوسری سرگرمیوں کے متوازی کھانوں کے درمیان اور سونے سے پہلے اور بڑھئی کے اوقات میں جب کسی کام کا معمولی حصہ اس کے ذہن کو آزاد چھوڑ دیتا۔ وہ اب تک نویں اور دسویں جماعت کے طبیعیات کے مواد کو کئی بار پڑھ چکا تھا اور گیارہویں جماعت کی تحریروں پر کام شروع کر دیا تھا — جو سائرہ باجی حیدرآباد کی ایک پرانی کتابوں کی دکان سے لاتی تھیں۔ گیارہویں جماعت کی طبیعیات نے متعارف کرایا — یا کم از کم کلکیولس کے کنارے — تبدیلی کی شرح کا تصور (calculus) کلکیولس وہ ریاضیاتی زبان کہ چیزیں ایک حالت (derivatives) اور یہ — تبدیلی کی شرح مشتقات — سے دوسری حالت میں کیسے جاتی ہیں — اب تک کتابوں میں اسے جو کچھ ملا تھا یہ اس میں سب سے خوبصورت چیز تھی۔

اس نے ایک شام بخشال کو یہ سمجھانے کی کوشش کی۔

تصور کرو ایک گیند ہوا میں پھینکی گئی ہے 'اس نے کہا۔ وہ دونوں بیرک کی دیوار کے ساتھ بیٹھے' تھے — رات کے کھانے کے بعد — ادارے کے گرد و نواح کی معمولی آوازیں: آوازوں کا معمول

کا مرکب گارڈز کے کمرے سے دور والا ٹیلی ویژن بیرونی دیوار کے پار ریلوے جسے تم سن سکتے تھے اگر دوسری آوازیں تھم جائیں۔

'ٹھیک ہے 'بخشال نے کہا۔ وہ اب چودہ سال کا تھا — اپنی رہائی کی تاریخ کے قریب — اور اس نے حال ہی میں ادارے کی زندگی کے لیے ایک مطالعہ شدہ بے پروائی پیدا کر لی تھی — جو اُس مخصوص انداز میں تھا جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو باہر کا تصور کرنے لگا ہو۔

'اس کی پرواز کے ہر ایک لمحے — ہر ایک آن — گیند کی ایک خاص رفتار ہوتی ہے۔ کوئی اوسط نہیں کوئی تخمینہ نہیں بلکہ ٹھیک اس لمحے ایک عین مقدار اور سمت۔ اور کلکیولس وہ ریاضی ہے جو تمہیں بتا سکتی ہے کہ وہ رفتار بالکل کیا ہے — کسی بھی نقطے پر۔

'تو؟'

'تو اس کے بارے میں سوچو۔ جس لمحے وہ اپنے قوس کے بلند ترین نقطے پر پہنچتی ہے — سب سے اونچی جگہ نیچے آنے سے پہلے — اس کی رفتار صفر ہوتی ہے۔ تقریباً صفر نہیں۔ بالکل صفر۔ اور پھر صفر سے وہ دوبارہ نیچے کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔ اور کلکیولس اُس سب کو بیان کر سکتی ہے — اس کا ہر لمحہ — مساواتوں کے ساتھ۔

بخشال نے اسے دیکھا۔ 'تم مجھے بتا رہے ہو کہ ایک ریاضی ہے جو ہوا میں ایک گیند کو بیان کر سکتی ہے۔

'— وہ ریاضی جو حرکت میں کسی بھی چیز کو بیان کر سکتی ہے۔ کسی بھی حرکت کو — کہیں بھی کسی چیز کی۔

ایک توقف۔ 'گارڈ کا بوٹ جب وہ تمہیں لات مار رہا ہو؟

ہاں۔ اگر میں قوت اور کمیت کو جانتا تو بالکل حساب لگا سکتا تھا کہ تم کتنی دور جاؤ گے۔'

بخشال نے اس پر غور کیا۔ 'کارآمد 'اس نے اُس لہجے میں کہا جس سے پتہ چلتا تھا کہ شاید کارآمد نہیں ہے— اور وہ صحن کو دیکھنے واپس چلا گیا۔

دیکھ رہا تھا : ادارے (parabolic arcs) اللہ وارایو نے بھی صحن کو دیکھا۔ لیکن وہ قطعِ مکافئ کی دیوار پر پھینکے گئے پتھر کا مدار صحن کے نل سے پانی کا منحنی خط جب نل مکمل طور پر بند نہیں ہوتا اُن گوریوں کا راستہ جو ننگے بھورے درخت میں رہتی تھیں—)جس نے اس سال ہری بھری ایک شاخ پیدا کر دی تھی —جسے ادارے میں ہر کوئی ایک نامناسب عقیدت کے ساتھ دیکھتا تھا گویا وہ کوئی مقدس چیز ہو— جو شاید تھی بھی۔

ہر چیز حرکت کرتی تھی۔ ہر چیز اُن قوانین کے مطابق حرکت کرتی تھی جنہیں ریاضیاتی طور پر بیان کیا جا سکتا تھا۔ قوانین کو ادارے کی دیواروں سے کوئی سروکار نہیں تھا—نہ گارڈ کے بوٹ سے—نہ آٹھ سالوں سے۔ قوانین ہر جگہ یکساں طور پر لاگو ہوتے تھے۔یہ تسلی نہیں تھی—بالکل—اس نے اس کی صورت حال نہیں بدلی۔ لیکن یہ کچھ تھا۔یہ علم تھا کہ وہی مساوات ہر چیز پر حاکم ہیں اندر اور باہر—کہ ادارے کی طبیعیات یا لندن یا سندھ کے میدان کی طبیعیات تھی—کہ ایک—ہی دنیا تھی اور وہ اس میں تھا۔

✦ ✦ ✦

اس نے ادارے کا نقشہ بنایا۔

اس نے یہ کئی ہفتوں کے دوران کیا— ایک نوٹ بک میں جو سائرہ باجی نے اسے دی تھی— اس نے کمپاؤنڈ کو یاد سے کھینچا اور پھر ان ادوار کے دوران جب وہ عمارتوں کے درمیان حرکت کرتا اپنی یادداشت کو حقیقت سے پرکھا۔ اس نے قدموں سے اندازاً فاصلے نکالے— اس کا قدم تقریباً 70 سینٹی میٹر تھا جس کا اس نے صحن میں دس میٹر کا معلوم فاصلہ نشان زد کر کے اور قدم گن کر حساب لگایا— اور پھر انہیں پیمانے پر نقشے میں منتقل کیا۔

اس نے کمپاؤنڈ کا رقبہ نکالا۔ اس نے دن کے مختلف اوقات میں سائے کے زاویوں اور بنیادی مثلثیات کے ذریعے دیواروں کی اونچائی نکالی۔ اس نے سورج کی حرکت کے ذریعے ادارے کی سمتوں کے مقابلے میں پوزیشن نکالی۔

پھر — اپنی تفریح کے لیے — اس نے اُس گیند کا راستہ نکالا جو بیرک نمبر تین کی کھڑکی سے 45 ڈگری کے زاویے پر ایک خاص ابتدائی رفتار کے ساتھ پھینکی جائے۔ 45 ڈگری — نظریاتی طور پر زیادہ سے زیادہ فاصلے کے لیے بہترین زاویہ — ایک نتیجہ جو اسے طبیعیات کی نصابی کتاب میں ملا تھا اور جو اسے اُن ریاضیاتی حقائق میں سے ایک لگا جو ایک فلسفیانہ بیان بھی ہے: وہ زاویہ جو تمہیں سب سے دور لے جاتا ہے نہ تو اتنا اونچا ہے جتنا تم جا سکتے ہو نہ اتنا چپٹا جتنا تم جا سکتے ہو بلکہ بیچ کا زاویہ۔ —

اس نے یہ حسابات کسی کو نہیں دکھائے۔ وہ اُس طرح نجی تھے جس طرح کچھ خیالات نجی — ہوتے ہیں — شرمناک نہیں بنیادی ہوتے ہیں — وہ مواد جس سے تم اپنے آپ کو تعمیر کرتے ہو جو نمائش کے لیے نہیں ہوتا۔

باب ہفدہم

بھولی ہوئی دنیا کے نام خط

سُغری کا خط اس کے چوتھے سال آیا — چھوٹا سا تہہ کیا ہوا سائرہ باجی لے کر آئی تھیں جنہوں نے ادارے کے پوسٹ کے ساتھ این جی او سے متعلقہ خط و کتابت کے لیے ایک انتظام کر رکھا تھا جو عملاً بعض دیگر خط و کتابت کے لیے بھی انتظام بن چکا تھا — وہ اس بات کی جانچ نہیں کرتی تھیں کہ وہ کیا لے کر جاتی ہیں اور وہ اس خدمت کی تشہیر نہیں کرتی تھیں اور ادارے کے سپرنٹنڈنٹ سمجھتے تھے کہ یہ ہو رہا ہے اور اعتراض نہیں کرتے تھے — کیونکہ سائرہ باجی ایسی موجودگی تھی جس پر تم اعتراض نہیں کرتے — وجوہات جزوی طور پر عملی تھیں اور جزوی طور پر کسی ناقابلِ فساد چیز کی پہچان۔

خط ایک ایسے ہاتھ سے لکھا گیا تھا جو مکمل طور پر پُر اعتماد نہیں تھا — سُغری نے بچپن میں لکھنا سیکھا تھا لیکن اس کے بعد شاذ ہی لکھا تھا — اور یہ مختصر تھا تین پیراگراف جملے چھوٹے اور سیدھے اُس انداز میں جیسے وہ لوگ لکھتے ہیں جو صرف اس وقت لکھتے ہیں جب کچھ کہنا ضروری ہو۔

پہلے پیراگراف میں تھا: وہ ٹھیک ہے اسے امید ہے کہ وہ ٹھیک ہوگا وہ اسے ہر دن یاد کرتی ہے۔

دوسرے پیراگراف میں تھا: جُمن مر چکا ہے۔ وہ تین ماہ پہلے مرغوں کی لڑائی کے کھیل میں جھگڑے میں پڑ گیا تھا اور جھگڑا بری طرح ختم ہوا تھا۔ پولیس آئی تھی۔ اب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اب اکیلی ہے۔

— تیسرے پیراگراف میں تھا: وہ معافی چاہتی ہے۔ اس نے یہ تین بار کہا — تین مختلف انداز میں گویا تکرار وہ وزن اٹھا سکتی ہے جو انفرادی الفاظ نہیں اٹھا سکتے۔ اس نے کہا: میں اسے روک

نہیں سکی۔ میں نے اپنے آپ سے ہزار بار کہا ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن میں ہمیشہ اس پر یقین نہیں کرتی۔ اگر تم مجھے معاف کر سکتے ہو تو بتانا۔ اگر نہیں کر سکتے تو بھی بتانا۔ میں جاننا پسند کروں گی۔

اس نے خط کو کمرہ نمبر 7 میں پڑھا — اکیلے — کلاس کے جانے کے بعد۔ اسے دو بار پڑھا۔ سائرہ باجی کمرے کے سامنے اپنی میز پر تھیں کچھ نشان زد کر رہی تھیں اور انہوں نے اوپر نہیں دیکھا اس نے جان بوجھ کر اسے یہ وقت دیا تھا جب اسے لفافہ دیا تو اس کا چہرہ دیکھ چکی تھیں۔ —

اس نے جُمن کے بارے میں سوچا۔

اس نے گدے کے نیچے والے لفافے کے بارے میں سوچا — وہ بھورا سرکاری دفتر والا لفافہ جو جُمن نے پولیس کے آنے سے پہلے رات کو چھپا رکھا تھا۔ وہ اگلی صبح سمجھ گیا تھا کہ اس لفافے کا کیا مطلب تھا۔ اسے سمجھنے کے لیے اس کے پاس چار سال تھے — جو کافی وقت سے زیادہ تھا۔

اس نے سُغری کے بارے میں سوچا — دروازے پر کھڑی اس کا چہرہ وہ ناممکن کام کر رہا تھا اور جُمن کا ہاتھ اسے روکنے کو بڑھا ہوا تھا اور اکتوبر کی گرمی میں اس کی لمبی آستینیں۔

وہ سائرہ باجی کی فراہمی کی الماری سے کاغذ کی ایک شیٹ لایا اور ایک میز پر بیٹھ کر جواب لکھا۔

اس نے لکھا: میں ٹھیک ہوں۔ میں سیکھ رہا ہوں۔

اور مزید یہ کہ — کوئی انتقام نہیں کچھ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں نے اس قید خانے میں اتنا کچھ پا لیا ہو جتنا باہر کبھی نہ پاتا۔ اس جیل نے مجھے تعلیم دی۔ اگر میں باہر ہوتا تو میں ایسا نہ ہوتا۔ ہاں میں نے یہاں بہت سی مشکلات کا سامنا کیا — بدمعاشی اور اس سے بھی زیادہ جدوجہد۔ لیکن یہ سب کچھ میرے اندر کچھ بنا رہا ہے۔

چار سال میں میں باہر نکلوں گا اور پھر سب کچھ بدل جائے گا۔

اس نے لکھا: جُمن اب اپنے اور خدا کے درمیان ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ دیتا ہوں۔

اس نے لکھا :سُغری ستارے مقررہ مداروں میں حلتے ہیں۔ ہم بھی اسے ہی چلیں گے۔ جو کچھ بھی ٹوٹ گیا تھا وہ اپنا راستہ دوبارہ شروع کرے گا۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔ میں نے اس کی ریاضی دیکھی ہے۔

اس نے لکھا :معاف کرنے کی کوئی بات نہیں۔ تم بھی ایک قفس میں تھیں۔

اس نے خط تہہ کیا اور سائرہ باجی کو دے دیا۔ انہوں نے اسے بغیر پڑھے لے لیا اور اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔

وہ بیرک نمبر تین واپس گیا اور اس دن کا نشان دیوار پر لگایا اور اپنے گدے پر لیٹ گیا اور چھت کو دیکھتا رہا — اور چار سالوں میں پہلی بار اس نے کچھ ایسا محسوس کیا جو شاید بالکل غم نہیں تھا — یا صرف غم نہیں تھا — بلکہ اس سے متصل کوئی چیز تھی جس کی سمت آگے کی طرف تھی۔ امید بالکل نہیں — وہ بہت خاص ہے۔ کچھ ایسا جیسے حرکت میں ہونے کا احساس — جو خود حرکت میں ہونے سے مختلف تھا لیکن ٹھہرے رہنے سے بھی مختلف تھا۔

✦ ✦ ✦

سوہنی سیہری میں رہے

دل جو درد نہ جائے

جو وِچھڑیا سو ملے،

پرت جو پند نہ جائے۔

سوہنی جدائی کے شہر میں رہتی ہے

دل کا درد نہیں جاتا

جو بچھڑ گیا وہ مل جائے گا

عشق کی راہ ختم نہیں ہوتی۔

باب ہجدہم

آٹھ سردیوں کے موسم

بند جگہ میں وقت یکساں رفتار سے نہیں چلتا۔ یہ کچھ ادوار میں سکڑ جاتا ہے — ادوارِ شدید مصروفیت جب دنوں میں واقعات یا سیکھنے کی ایسی کثافت ہوتی ہے کہ وہ استعمال شدہ محسوس ہوتے ہیں — اور دوسرے ادوار میں پھیل جاتا ہے — وہ کھلی فروری کی دوپہریں امتحانات کے درمیان کے ہفتے جب مواد ختم ہو چکا ہوتا ہے اور نتائج ابھی آئے نہیں ہوتے اور صرف کرنے کو انتظار ہوتا ہے۔

اس نے دونوں رفتاروں کے ساتھ کام کرنا سیکھ لیا تھا۔

اپنے پانچویں سال اس نے گیارہویں جماعت کے امتحانات دیے۔ ریاضی کا پرچہ وہ تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا: کلکیولس — آخر کار — باضابطہ طور پر — مشتق اور لازمی (derivative and integral)، بنیادی قضیہ، منحنی کے نیچے کا رقبہ۔ اس نے اس پر اُس مرتکز لطف کے ساتھ کام کیا جو شاید نگران افسر کو نظر آگیا — جس نے سائرہ باجی کو اپنی رپورٹ میں لکھا کہ 47-جے نمبر کا لڑکا ریاضی کے حصے کو 'کسی قدر لطف اندوز' پاتا دکھائی دیا۔

وہ 63% نمبروں کے ساتھ پاس ہوا۔ طبیعیات کا پرچہ اسے توقع سے زیادہ مشکل لگا — اس لیے نہیں کہ مواد اس کی سمجھ سے باہر تھا بلکہ اس لیے کہ تجرباتی ڈیزائن اور لیبارٹری کے طریقہ کار کے بارے میں سوالات تھے جن کا وہ صرف پہلے اصولوں سے جواب نہیں دے سکتا تھا — اس نے کبھی لیبارٹری میں قدم نہیں رکھا تھا اس نے کبھی بھی سائرہ باجی کے کلاس روم کے لکڑی کے پیمانے سے زیادہ درست پیمائشی آلہ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے اس خامی کو اُس تفصیل

کے ساتھ نوٹ کیا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو تدارک کے لیے کمیوں کی فہرست بناتا ہے۔

اپنے چھٹے سال میں — ایک سخت سردی کا موسم آیا۔ جنوری میں ایک بیماری ادارے میں پھیلی ایک سانس کا انفیکشن — جو زیادہ تر لڑکوں کے لیے سنگین نہیں تھا لیکن اس نے ادارے کے — موجودہ حالات کو مزید بگاڑ دیا: ناکافی کمبل ناکافی حرارت وہ کھانا جو پہلے سے ہی غذائیت میں کم تھا۔ وہ تین ہفتے بیمار رہا — اس کا بدترین حصہ بخار کا ایک ہفتہ تھا جس نے اس ہفتے کے نشانات کو ناہموار اور بڑا بنا دیا — گویا کسی اور کے ہاتھ سے بنے ہوں۔ اس نے بخار میں پڑھائی جاری رکھی — کتاب کو اپنے سینے پر ایک زاویے پر ٹیک کر لیٹتا اور چراغ کی روشنی میں پڑھتا — جو کبھی توجہ مرکوز کرنا مشکل ہوتی اور کبھی بہت واضح الفاظ تیز کنارے والے اور تقریباً روشن۔

بخار کے دوران اس نے مختلف طریقے سے خواب دیکھے۔ اس نے خود مساواتوں کے خواب دیکھے: لہر کی حرکت کی تفریقی مساواتیں جو بیرک تین کی چھت پر حرکت کر رہی تھیں نیوٹن کے قوانین دیواروں کے اندر روشنی میں لکھے ہوئے ایٹم کے خاکے — ایٹم کی وسیع خالی جگہ اس کے مرکز میں چھوٹا سا مرکزہ — اس کے گرد پھیلتے اور سکڑتے ہوئے۔ بخار کی بدترین رات اس نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے مدار میں ایک الیکٹران ہے — کوئی ذرہ نہیں بلکہ ایک احتمال — بیک وقت ان تمام جگہوں پر موجود جہاں وہ پایا جا سکتا ہے — اور صرف اس وقت ایک واحد مقام پر سکڑتا ہے جب مشاہدہ کیا جائے۔

وہ صحت یاب ہو گیا۔ اس نے یہ خواب کہیں درج نہیں کیا۔ لیکن اس نے بعد میں اس کے بارے میں سوچا: یہ خیال کہ مشاہدہ مشاہدہ کیے جانے والی چیز کو بدل دیتا ہے۔ یہ کہ کوئی چیز بیک وقت ہر جگہ اور کہیں نہیں ہو سکتی ہے — جب تک توجہ کا عمل اسے ایک مخصوص "کہاں" میں

تبدیل نہ کر دے۔ اس نے سوچا :میں اس ادارے میں ہر جگہ اور کہیں نہیں رہا ہوں۔ جب سائرہ باجی مجھے دیکھتی ہیں میں کہیں مخصوص ہو جاتا ہوں۔

اپنے ساتویں سال میں بخشال رہا ہو گیا۔ اس نے اچھے سلوک پر پانچ سالہ سزا میں سے چار سال پورے کیے تھے — وہ اپنے صحن والے سکول کے پہلے رکن تھا جو گیا۔ انہوں نے صحن میں :الوداع کہا — اُس بھورے درخت کے نیچے جس کی اب تین ہری شاخیں تھیں۔ بخشال نے کہا اپنی رہائی سے پہلے کوئی بیوقوفی مت کرنا۔ 'اللہ وارایو نے کہا' :نہیں کروں گا۔ 'انہوں نے گلے' نہیں ملے — یہ اس جگہ کا انداز نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ایک لمحے دیکھا — دو لوگ جو ایک دوسرے کے بدترین سالوں کو جانتے تھے — اور پھر بخشال دروازے کی طرف چل دیا اور گارڈ نے دروازہ کھولا اور باہر کی دنیا تھوڑی دیر کے لیے اندر آئی — دروازے کی درز میں شہر کا شور اور روشنی — اور پھر دروازہ بند ہوا اور باہر کی دنیا چلی گئی۔

بھوک ہڑتال۔

اس نے اسے اپنے ساتویں سال میں منظم کیا — جب ادارے کے سپرنٹنڈنٹ (ایک نیا، پچھلا منتقل ہو چکا تھا) نے لاگت میں کمی کے اقدام کے طور پر مطالعہ کے چراغ کے اوقات ختم کر دیے، اور پھر سائرہ باجی کی تین تحریری درخواستوں اور لڑکوں کی نمائندہ کمیٹی (ایک مشاورتی ادارہ جس کا کوئی حقیقی اختیار نہیں تھا، لیکن جو ادارہ ظاہری شکل کے لیے رکھتا تھا) کی زبانی درخواست کو نظر انداز کر دیا۔ سات لڑکوں نے حصہ لیا۔ انہوں نے دو دن تک کچھ نہیں کھایا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اسے ہیرا پھیری قرار دیا۔ سائرہ باجی نے این جی او کے بورڈ چیئرپرسن کو خط لکھا — اور این جی او کے بورڈ چیئرپرسن نے کسی کو فون کیا — اور مطالعہ کے چراغ کے اوقات ایک ہفتے کے اندر بحال کر دیے گئے۔

سپرنٹنڈنٹ ناراض تھا۔ اس نے ساتوں لڑکوں کی زندگی کو اگلے دو مہینوں تک کئی چھوٹے اور قابلِ تردید طریقوں سے مشکل بنا دیا۔ اللہ وارایو نے انہیں نتیجے کی قیمت کے طور پر قبول کیا اور آگے بڑھ گیا۔ چراغ کے اوقات بحال ہو چکے تھے۔ باقی چھ لڑکے اسے ایک نئی قسم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ اس طرح نہیں دیکھا جانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا' :یہ سب کی ضرورت تھی۔ میں صرف وہ تھا جس نے حساب لگایا کہ وہ "نہیں "نہیں کہہ سکتے۔' یہ سچ تھا لیکن نامکمل بھی۔

اپنی آٹھویں سردی میں وہ سترہ سال کا تھا۔

—وہ اُس دس سالہ بچے سے مختلف شخص تھا جسے پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔ وہ لمبا تھا اُس خاص طرح دبلا جس طرح وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے برسوں کنٹرول شدہ خوراک کھائی ہو—بڑھئی کی ورکشاپ کی تعریف اس کے کندھوں میں تھی—اور چراغ کے نیچے پڑھنے کی تعریف اس کے سر کے ہلکے سے آگے جھکاؤ میں تھی جب وہ توجہ مرکوز کرتا تھا۔ اس میں ایک سکون تھا جو بے عملی نہیں تھا—یہ اُس شخص کا سکون تھا جس نے حرکت کو ضروری مقاصد کے لیے محفوظ رکھنا سیکھ لیا ہو جس نے سیکھ لیا ہو کہ سب سے بڑا عمل اکثر سب سے کم ظاہری حرکت کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں اب بھی وہی متجسس آنکھیں تھیں—لیکن تجسس میں اب گہرائی تھی تہیں تھیں—وہ فرق جو ایک بچے کے نئی چیز سے ملنے کے تجسس اور ایک نوجوان کے نئی چیز سے مل کر اسے ٹکڑوں میں بانٹنے کے طریقے کو جاننے کے تجسس کے درمیان ہوتا ہے۔

اس نے اپنے آٹھویں سال کے اپریل میں بارہویں جماعت کے امتحانات دیے—اپنی رہائی کی تاریخ سے سات ماہ پہلے۔

وہ پاس ہو گیا۔ 59 %۔

طبیعیات کا پرچہ: اس نے تجرباتی ڈیزائن کے سوالوں کا جواب پہلے اصولوں سے فکری تجربات ترتیب دے کر دیا تھا — اس نے اب تک کافی نظریہ پڑھ لیا تھا کہ وہ اس بارے میں استدلال کر سکے کہ لیبارٹری کے طریقہ کار کو کیا پیدا کرنا چاہیے — چاہے اس نے انہیں انجام نہ دیا ہو۔ ممتحن — سائرہ باجی نے بورڈ سے ایک ہمدرد ممتحن کا انتظام کر لیا تھا — نے اپنی تشخیص میں لکھا:

"امیدوار مضبوط تصوراتی فہم اور تخلیقی مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت ظاہر کرتا ہے، جو عملی تجربے کی کمی سے کسی حد تک محدود ہے۔"

59% پہلا ڈویژن پاس تھا۔ یہ اسے یونیورسٹی میں داخلے کے لیے اہل بناتا تھا۔

✦ ✦ ✦

آٹھ سال — آٹھ سردیاں — اور آٹھ عیدیں۔

پہلی عید میں اس نے دیوار پر ایک اضافی نشان بنایا تھا — یاد رکھنے کے لیے کہ باہر کی دنیا میں کبھی گھر کی خوشبو آتی تھی۔ دوسری عید میں وہ رو پڑا تھا — چپکے سے، جب سب سو رہے تھے۔ تیسری عید میں اس نے اپنی ماں کے دوپٹے کو چھوا اور محسوس کیا کہ اس کی خوشبو تقریباً جاتی رہی ہے۔ چوتھی عید میں اس نے خود سے کہا: "عید صرف ایک دن ہے — علم ہر دن ہے۔" پانچویں عید میں اس نے پہلی بار مسکرا کر دوسرے لڑکوں کو بتایا: "باہر عید ہو رہی ہوگی — ہم یہاں پڑھ رہے ہیں، یہ بھی ایک عید ہے۔" چھٹی عید میں اس نے اپنی پھٹی ہوئی کتاب کے پہلے صفحے پر تاریخ لکھی۔ ساتویں عید میں اس نے سائرہ باجی سے کہا: "اب بس ایک عید اور — پھر میں باہر ہوں گا۔"

آٹھویں عید۔ وہ اکیلا نہیں تھا — اس کے ساتھ چھوٹے بچے تھے جنہیں اس نے پڑھایا تھا۔ سب نے مل کر مٹی کا ایک چھوٹا سا چراغ بنایا اور اسے صحن میں جلا دیا۔ کوئی موم بتی نہیں تھی — صرف وہی چالیس واٹ کا بلب اوپر لٹک رہا تھا۔ لیکن اس رات وہ چراغ کچھ اور لگ رہا تھا۔

آٹھ سال — آٹھ عیدیں — اور وہ اپنی قید کے آخری پڑاؤ پر تھا۔

اور ان کی قطار کو دیکھا: آٹھ سال کی صبحیں، ہر صبح ایک عمودی لکیر میں سمٹی ہوئی، اس کے گدے کے پاس والی دیوار فرش سے سر کی اونچائی تک اُن سے گھنی ہو چکی تھی — مسلسل موجودگی کا ریکارڈ۔ وہ یہاں تھا۔ اس نے گننا جاری رکھا تھا۔ گنتی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب انیس

آخری نشان

وہ اسکالرشپ کا خط جمعرات کی صبح اگست میں لے کر آئی۔

وہ اپنے طے شدہ وقت سے پہلے آئی — اور جس گارڈ نے اسے اندر جانے دیا اس نے اس کے چہرے کے اظہار کو دیکھا — اس کے مواد کو نہیں کیونکہ اس ادارے کے گارڈوں نے چہروں کو زیادہ غور سے پڑھنا چھوڑ دیا تھا — لیکن اس کی کیفیت کو دیکھا جو اس کے معمول سے مختلف تھی۔ وہ سیدھے کمرہ نمبر 7 گئی اور ایک لڑکے کو بڑھئی کی ورکشاپ سے اللہ وارایو کو لانے بھیجا۔ وہ آیا — اس کی قمیض پر لکڑی کے چھیلے، اس کے ہاتھوں پر دھول جمی ہوئی تھی، اور وہ رندہ جو اس نے استعمال کیا تھا ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا، یہاں تک کہ اس نے اسے دروازے پر رکھنے کا سوچا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک لفافہ پکڑ رکھا تھا۔

سندھ یونیورسٹی، جامشورو،" اس نے کہا۔ "فیکلٹی آف نیچرل سائنسز۔ بی ایس فزکس۔" وہ رکی۔ "ایک ضرورت پر مبنی اسکالرشپ ہے جو چار سالہ پروگرام کے تین سال کا احاطہ کرتی ہے۔ چوتھے سال تمہیں کام یا وظیفے کے ذریعے پورا کرنا ہوگا — اور میرے پاس اس کے تین راستے ہیں۔" وہ پھر رکی۔ "میں نے تمہاری طرف سے چھ ماہ پہلے درخواست دی تھی۔ داخلہ کمیٹی نے 12ویں جماعت کے نتائج اور میرے خط کو قبول کر لیا۔

اس نے لفافے کو دیکھا — اسے ابھی نہیں چھوا تھا۔

جامشورو،" اس نے آہستہ کہا۔"

یہاں سے آدھا گھنٹہ۔

پروگرام کب شروع ہوتا ہے؟"

"جنوری میں داخلہ ہے — اور تمہاری رہائی یکم دسمبر کو۔"

ایک مہینہ۔

ایک مہینے رہائش اور کام ڈھونڈنے کے لیے۔ 'اس نے اپنے کپڑے کے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ ' میرے پاس جامشورو کے یونیورسٹی ایریا میں ایک ریسٹوران کا پتہ بھی ہے — جس کا مالک لاڑکانہ' سے ہے اور میں نے اسے پچھلے ہفتے فون کیا تھا۔ اس کے پاس رات کی شفٹ کا کام ہے — کچن کا کام برتن اور تیاری کچھ کھانا پکانا اگر تم اچھے ہو۔ تنخواہ معمولی ہے لیکن اس سے کھانا اور ایک مشترکہ کمرہ چل جائے گا۔

اس نے لفافے اور اس کاغذ کو دیکھا جو اس نے اس کے پاس رکھ دیا تھا — ایک ہاتھ سے لکھا ہوا پتہ ایک نام ایک فون نمبر۔ اس نے ان دو چیزوں کو ایک لمحے دیکھا۔

پھر اس نے اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ اسے اُس اظہار کے ساتھ دیکھ رہی تھی جو اس کا خاص تھا — وہ جو وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ استعمال نہیں کرتی تھی کیونکہ یہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ انصاف نہ ہوتا — وہ اظہار جو تقریباً یہ تھا: میں تم پر اس طرح یقین رکھتی ہوں جس طرح میں نے بہت طویل عرصے سے کسی چیز پر یقین نہیں رکھا اور میں جانتی ہوں کہ تم یہ جانتے ہو اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔

سائرہ باجی 'اس نے کہا۔'

بڑھئی کی ورکشاپ میں واپس مت جانا 'اس نے کہا۔ اس نے یہ اس سے پہلے کہا کہ وہ جو کچھ' بھی کہنے والا تھا کہتا — اور اس نے اس لہجے میں کہا جو اُس شخص کا ہوتا ہے جو اس بحث کو روک رہا ہو جسے وہ پہلے ہی جیت چکی ہے۔ 'بازار میں واپس مت جانا۔ مت جانے دو کہ جُمن کی

موت اور سُغری کے حالات تمہیں شہر اور اسی کونے میں پھنسا دیں۔ میں جانتی ہوں کہ تم اپنی بہن کا خیال رکھنا چاہو گے۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس کا وزن محسوس کرو گے۔ لیکن جس طرح تم اس کا خیال رکھ سکتے ہو وہ ہے آگے بڑھ کر– ٹھہر کر نہیں۔ 'وہ رکی۔ 'وہ طبیعیات۔ وہ ستارے۔ جاؤ۔

اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیے۔ اس نے انہیں دیکھا– بڑھئی کے ہاتھ اُن جگہوں پر سخت اور کھردرے جہاں رندے اور چھینی نے تین سال کام کیا تھا دائیں کلائی پر امتحان کی ہتھکڑیوں سے ہلکے سے نشان تھے۔ اس نے ان ہاتھوں سے مرغیاں اٹھائی تھیں اور ان سے لڑا تھا اور انہیں لکڑی کے دانے کے ساتھ موڑا تھا اور آٹھ سردیوں تک چالیس واٹ کی روشنی میں پنسل تھامی تھی۔

ستاروں کی طرف جاؤ 'اس نے پھر کہا۔'

وہ رو پڑا۔ اس نے پوری طرح رویا– بے تکلف جس طرح لوگ روتے ہیں جب کوئی چیز جو وہ بہت لمبے عرصے سے تھامے ہوئے ہوں اسے رکھنے کی اجازت مل جائے– غم نہیں بالکل نہیں بلکہ آٹھ سال کے نشانات چالیس واٹ کے بلب اُس دوپٹے کی مہک کا مٹنا بخشال کا دروازے سے گزر جانا بھوک ہڑتال اور خود کو برقرار رکھنے کے وہ تمام چھوٹے مسلسل اعمال کیونکہ متبادل موجود ہی نہیں تھا۔–

وہ رویا اور سائرہ باجی میز کے اس پار بیٹھی رہی– اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ نہیں تھپکا نہ وہ آوازیں نکالیں جو لوگ دوسروں کو رونے سے روکنے کے لیے نکالتے ہیں– وہ سمجھتی تھی کہ اسے ہونے کی ضرورت تھی یہ کچھ مکمل کر رہا تھا– اور کچھ دیر بعد وہ رک گیا اور اپنی کلائی کے پچھلے حصے سے اپنا چہرہ پونچھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

اس نے لفافہ لیا۔ اسے کھولا۔ خط پڑھا۔

اسے واپس تہہ کیا اور تھام لیا۔

شکریہ 'اس نے کہا۔ سادہ سیدھا — اس کے لیے صرف یہی دو الفاظ تھے۔

میرا شکریہ مت کرو 'اس نے کہا۔ 'تم نے وہ کتابیں پڑھی تھیں۔ وہ تم تھے۔

باب بیس

آزاد ہوا



دسمبر۔ آخری نشان۔

اس نے اسے معمول کے وقت بنایا — فجر کے بعد اُس بھوری روشنی میں جب سیوریٹی لیمپ دن کے لیے بند ہونے والا ہوتا تھا اپنے گدے پر چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے اپنی پنسل کے ٹکڑے کے ساتھ۔ اس نے لکیر آہستہ کھینچی — جان بوجھ کر — اسے دوسروں سے چھوٹا نہیں بنایا نہ لمبا۔ ویسی ہی لکیر۔ دو ہزار نو سو بیس لکیروں کی قطار میں آخری لکیر — کم و بیش دو دن چھوڑ کر

جب وہ بخار میں اتنا بیمار تھا کہ نشان نہ بنا سکا اور بھوک ہڑتال والے ہفتے کا ایک دن جب وہ سپر نٹنڈنٹ کے دفتر میں تھا۔

"اس نے دیوار پر آخری لکیر لگائی —نام تاریخ اور نیچے لکھا": آزاد

وہ بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر نشانات کی قطار کو دیکھتا رہا۔ دیوار پر آٹھ سال۔

پھر اس نے اپنا گدا لپیٹا —جسے ادارے نے واپس ریسپشن روم میں جمع کرانے کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنا کمبل اپنا ٹن کا پیالہ اور اپنی ٹن کی پلیٹ اٹھائی۔ اس کے پاس کتابوں کا پلاسٹک کا تھیلا تھا — اب سات کتابیں ایک نہیں —جس میں وہ اصلی پھٹی ہوئی سائنس کی کتاب بھی تھی جو اس کے ساتھ جُمن کے اپارٹمنٹ سے آئی تھی —جسے اس نے ہر چیز کے باوجود ایک تعویذ کی طرح رکھا ہوا تھا۔ اس کے پاس وہ لکڑی کا ڈبہ تھا جو اس نے سائرہ باجی کے لیے بنایا تھا اور جو اس نے اسے واپس دے دیا تھا جب اسے اس کی رہائی کا پتہ چلا": لے لو۔ اپنے خط — اس میں رکھنا۔ "اس کے پاس اس کی ماں کا دوپٹہ تھا — جو اب بہت چھوٹا تہہ ہو چکا تھا اس کی خوشبو تقریباً مکمل طور پر اپنی ہو چکی تھی۔

اس کے پاس امتحانی سرٹیفکیٹ ایک لفافے میں تھے۔ اس کے پاس یونیورسٹی اسکالرشپ کا خط تھا۔ اس کے پاس جامشورو میں ریستوران کا پتہ تھا۔

وہ ریسپشن روم کی طرف چل دیا — اپنا گدا کمبل اور ٹن کے برتن جمع کرائے — اور رہائی کی دستاویز پر دستخط کیے جو کلرک نے اس کے سامنے رکھ دی بغیر اسے دیکھے — اور اس نے دستخط کرنے سے پہلے اسے پڑھا مکمل طور پر ہر سطر — آٹھ سال کی عادت تھی: دستخط کرنے سے پہلے سب کچھ پڑھ لو چاہے وہ چیزیں اہم نہ لگیں۔

وہ دروازے کی طرف چل دیا۔

گارڈ نے دروازہ کھولا۔

شہر کی آواز پہلے اندر آئی: رکشے بسوں کے ہارن ایک شہر کی اس خاص صبح کی آواز جو صبح سویرے سے جاگ رہا تھا۔ پھر اس کی بو: دھواں اور چائے اور کہیں نہر کا پانی — اور ان سب کے نیچے غیر محدود ہوا کی وہ بڑی کھلی مہک — وہ ہوا جو ادارے کی دبائی اور دوبارہ استعمال شدہ ہوا نہیں تھی بلکہ سادہ سندھی ہوا تھی جو ہر سمت پھیلی ہوئی تھی بغیر کسی دیوار کے اسے روکے۔

وہ دروازے پر ایک لمحے کھڑا رہا۔

ڈرامائی انداز میں نہیں — بغیر کسی تقریب کے جو وہ بعد میں کسی کو بیان کرے گا۔ وہ وہاں کھڑا تھا کیونکہ اس کے جسم کو اس لمحے کی ضرورت تھی تاکہ یہ سمجھے کہ دہلیز حقیقی تھی — کہ اس کے پیچھے والی دیواریں اب اس کی دنیا کی دیواریں نہیں رہیں گی۔ وہ اُس طرح کھڑا تھا جس طرح تم پانی میں اترنے سے پہلے اس کے کنارے کھڑے ہوتے ہو۔

پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

سائرہ باجی دروازے پر تھیں۔

وہ ایک چھوٹی سفید گاڑی کے پاس کھڑی تھیں — ان کی این جی او کی گاڑی ایک تھرڈ ہینڈ سوزو کی جس کے دروازے پر تنظیم کا لوگو تھا دھوپ سے دھندلا ہوا — اور ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا تھیلا تھا۔ وہ اکیلے آئی تھیں۔ وہاں کوئی بینر نہیں تھے نہ ہجوم نہ مبارکباد کی کوئی کارکردگی — وہ اسے اتنا اچھی طرح جانتی تھیں کہ جانتی تھیں کہ کارکردگی غلط ہوگی کہ اسے اس کے برعکس کی ضرورت تھی: سادہ خاموش آگے۔

تیار ہو؟ 'اس نے کہا۔'

اس نے اسے دیکھا۔ وہ اٹھارہ سال کا تھا۔ اس نے وہ کپڑے پہن رکھے تھے جو سائرہ باجی اپنی آخری ملاقات میں لائی تھیں — نئے کپڑے — پہلے ہاتھ کے — پہلے نئے کپڑے جو اس نے اس وقت پہنے تھے جب مہران نے انہیں آٹھ سال پہلے شہر کے درزی سے منگوایا تھا۔ وہ مناسب طور پر فٹ تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں کتابوں اپنے ڈبے اور اپنے دوپٹے کے ساتھ پلاسٹک کا تھیلا تھا۔ اپنی ماں کا بیٹا — مرغی فروش کا جسم — بڑھئی کے ہاتھ — طبیعیات دان کا ذہن۔

اس نے کہا: ہاں۔

اس نے اسے کاغذ کا تھیلا تھما دیا۔ اس کے اندر تھا: پانی کی ایک بوتل بسکٹ کا ایک پیکٹ اور ایک چھوٹا سا تہہ شدہ کاغذ — جسے وہ بعد میں گاڑی میں دیکھے گا اور پائے گا کہ اس کا ہاتھ سے لکھا ہوا نوٹ تھا": ستارے انتظار کر رہے تھے۔ جا انہیں ڈھونڈ۔

دروازے کے پاس نیم کے درخت میں ایک گوریا تھی — وہ چھوٹا نیم کا درخت جو ادارے کے داخلی راستے پر اگتا تھا اُس عظیم نیم کا چھوٹا کزن جو بیس فٹ والی سڑک پر تھا۔ گوریا اُس — قسم کی تھی جو پاکستان میں ہر جگہ رہتی ہے — بھوری دھاریوں والی مصروف غیر قابلِ ذکر اپنا کام اس مرکوز توانائی کے ساتھ کر رہی تھی جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے تقریبات کے لیے وقت نہیں ہوتا۔

وہ اُڑ گئی جب وہ گاڑی میں بیٹھے۔

اس نے اسے جاتے دیکھا — ایک گوریا کی پرواز کا خاص ترچھا پن تیز دھڑکتے پر دسمبر کے نیلے آسمان میں غائب ہوتے ہوئے — اور پھر وہ آگے مڑ گیا اور چھوٹی سفید گاڑی کی کھڑی ہوئی ونڈ اسکرین کے ذریعے آگے کی سڑک کو دیکھا — اور ادارہ ونگ میرر میں پیچھے ہٹتا چلا گیا — اور شہر ان کے گرد کھل گیا — اور سڑک سیدھی آگے دوڑ رہی تھی جنوب کی طرف جامشورو کی طرف اور ہر اُس چیز کی طرف جو آگے تھی۔

✦ ✦ ✦

چل موہنجو یار چل
دریا دل کھایو
تُو لہریں لہر جو
طوفان دل نہ آیو۔

چل میرے دوست چل
دریا دل کو بلا رہا ہے
تُو لہر کے اندر لہر ہے
کوئی طوفان دل کو خوفزدہ نہ کرے۔

تیسرا حصہ

عروج

جو چراغ تم نے اندھیرے میں جلایا تھا
وہ تبھی روشن رہتا ہے جب تم اسے کسی اور
کے ہاتھ میں تھما دو۔

باب اکیس
جامشورو کی دھول



جامشورو دریائے سندھ ہائی وے پر بطور افواہ آتا ہے اس سے پہلے کہ وہ بحیثیت حقیقت آئے پہلے بستی کا اشارہ — دور ایک پانی کا مینار افقی پر عمارتوں کا ایک جھرمٹ — پھر یونیورسٹی کا کیمپس اپنی ہلکی بلندی پر شاہراہ کے اوپر خود کو ظاہر کرتا ہے اس کی عمارتیں پاکستانی ادارہ جاتی فن تعمیر کے اُس خاص کریم بیج رنگ میں اس کے میدان ایک ضدی ہرا رنگ جو سندھ کی گرمی میں مسلسل آبپاشی کا محتاج تھا۔ سندھ یونیورسٹی نے اس بلند زمین پر اُس مستقل اختیار کے ساتھ قبضہ کر رکھا تھا جو اُس چیز کو حاصل ہوتا ہے جو اتنی دیر سے موجود ہو کہ اس نے اپنا ایک الگ ماحول بنا لیا ہو — جذبے اور بحث کا طلبہ سیاست اور امتحانی بے چینی کا اور صبح کے تین بجے کی اس خاص توانائی کا جو اُن نوجوانوں کو حاصل ہوتی ہے جو پہلی بار گھر سے دور نکلے ہوں اور اپنے لیے ممکنات کو دریافت کر رہے ہوں — سنسنی خیز اور خوفناک۔

اللہ وارایو دسمبر میں آیا — جنوری کے داخلہ سے ایک ماہ پہلے — اپنے کتابوں کے پلاسٹک تھیلے اور اپنے لکڑی کے ڈبے کے ساتھ اور اس کی جیب میں وہ ریستوران کا پتہ تھا جو سائرہ باجی نے اسے دیا تھا۔

اس نے ریستوران ڈھونڈ لیا۔ اس کا نام تھا سندھی دربار — اور یہ اُس سڑک پر واقع تھا جو یونیورسٹی کی مغربی حد کے ساتھ چلتی تھی — اُن دکانوں کی پٹی میں سے ایک جو طلبہ اور یونیورسٹی کے معاون عملے کی مشترکہ منڈی کی خدمت کرتی تھی۔ وہاں پیاز اور کھانے کے تیل کی بو تھی اور — وہ گہری نشاستے دار خوشبو جو بڑی مقدار میں پکائے جانے والے چاولوں سے آتی ہے۔ مالک مولا بخش جو لاڑکانہ سے تھا پچاس سال کا گول مٹول آدمی جس کی مونچھیں تھیں جن کا وہ اتنی — سنجیدگی سے خیال رکھتا تھا جتنی سنجیدگی کوئی شخص معاملاتِ سلطنت کے لیے محفوظ رکھتا ہے نے سائرہ باجی کا خط تین بار پڑھا اللہ وارایو کو دیکھا اور کہا' : کچن رات کی شفٹ رات نو بجے سے صبح دو بجے تک۔ تم چاول پکاؤ گے اور برتن دھوؤ گے اور کبھی کبھی صبح کی شفٹ کے لیے 'سبزیاں تیار کرو گے۔ دو سو روپے رات بھر کے علاوہ ایک وقت کا کھانا۔ تم کہاں سوتے ہو؟

مجھے ایک کمرہ ڈھونڈنا ہے۔

طالب علم ہاسٹل؟

میں نے ابھی داخلہ نہیں لیا۔'

مولا بخش نے اسے پھر دیکھا۔ وہ اٹھارہ سال کا تھا — بمشکل — اور وہ ویسا لگ رہا تھا جیسا وہ تھا : ایک منتقلی کے ابتدائی مراحل میں کوئی شخص جو اپنی ہر اہم چیز ایک پلاسٹک تھیلے میں لے کر چل رہا ہو۔ مولا بخش نے اپنے گلے سے ایک آواز نکالی — جو لاڑکانہ کا ورژن تھا اعلیٰ انتظامی فیصلہ سازی کا — اور کہا' : کچن کے اوپر ایک سٹور روم ہے۔ چھوٹا۔ گرمیوں میں گرم سردیوں

میں سرد۔ کوئی کھڑکی نہیں۔ تم وہاں سو سکتے ہو جب تک تمہیں کوئی کمرہ نہ مل جائے— اس کے عوض پہلے دو ہفتے بلا معاوضہ۔

وہ مان گیا۔ کمرہ واقعی چھوٹا تھا اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی وہ کچن کے اوپر تھا— اور کچن کی ہر کیفیت اس میں آتی تھی— گرمی بو صبح کی شفٹ کی آوازیں جو پانچ بجے شروع ہوتی تھیں۔ وہ وہاں چھ ہفتے سویا— جب تک اسے ہاسٹل کے ایک مشترکہ کمرے میں جگہ نہ مل گئی— تین طلبہ ایک کمرے میں— اور اس نے اپنا پلاسٹک کا تھیلا اور لکڑی کا ڈبہ منتقل کر دیا اور کچن والی نوکری کی اجرت لیتا رہا۔

یونیورسٹی رجسٹریشن ایک ایسی طریقہ کار کی مصروفیت تھی جو کسی کم مستقل شخص کو ہرا دیتی۔ اس کا جیل کا ریکارڈ— جبکہ قانونی طور پر نابالغ کارروائیوں کے تحت مہربند تھا— مکمل طور پر پوشیدہ نہیں تھا۔ کچھ انتظامی محکمے کچھ خاص قسم کے ریکارڈ کے بارے میں ایک حساسیت رکھتے تھے جو خود کو کاغذی کارروائی کی ضروریات کے طور پر ظاہر کرتی تھی جن کا سامنا دوسرے درخواست دہندگان کو نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس نے ان ضروریات کو ایک ایک کر کے پورا کیا۔ اسکالرشپ کے کاغذات کے لیے تکمیلی دستاویزات کے تین راؤنڈ درکار تھے۔ اس نے مہیا کر دیں۔ اس نے فارم پر دستخط کیے۔ وہ راہداریوں میں انتظار کرتا رہا۔ وہ واپس آتا جب اسے کہا جاتا۔ اس نے یہ بغیر غصے کے کیا— اور بغیر شکایت کی کارکردگی کے— اس لیے نہیں کہ اسے کوئی غصہ نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ اس نے آٹھ سالوں میں سیکھ لیا تھا کہ اُن نظاموں پر غصہ صرف کرنا جو غصے کا جواب نہیں دیتے ضائع ہے— اور وہ چیزیں ضائع نہیں کرتا تھا۔

جنوری میں اس نے داخلہ لے لیا۔

بی ایس فزکس سال اول فیکلٹی آف نیچرل سائنسز سندھ یونیورسٹی جامشورو۔

وہ کلاسوں کے پہلی صبح یونیورسٹی کے صحن میں کھڑا تھا — اپنی نوٹ بک اور اپنی تیز کی ہوئی پنسل کے ساتھ — اور اس نے لیکچر ہال کی عمارت کو دیکھا — اور اس نے ادارے کے کمرہ نمبر 7 کے بارے میں سوچا اپنے تعلیمی پوسٹروں اور وائٹ بورڈ کے ساتھ۔ اس نے چالیس واٹ کے بلب کے بارے میں سوچا۔ اس نے نویں جماعت کی سائنس کی کتاب کے بارے میں سوچا جس کے صفحے غائب تھے۔

وہ اندر چلا گیا۔

✦ ✦ ✦

لیکچر کا پہلا دن اُس خاص قسم کی بے سمتاری کا باعث تھا جو اُس وقت ہوتی ہے جب تم اتنی دیر سے پسماندگی میں رہ چکے ہو کہ معمولی اہلیت بھی فالتو محسوس ہونے لگے۔ دوسرے طلبہ — جو ابھی بارہویں جماعت کے آخری سال سے آئے تھے پرائیویٹ ٹیوشن کالجوں سے اُسے خاندانوں سے جن میں پہلے سے طبیعیات کے گریجویٹ موجود تھے — اُس آسانی سے نوٹ لے رہے تھے جو اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کے لیے لیکچر ہال ایک معروف ماحول ہے۔ وہ اُس مرتکز شدت سے نوٹ لے رہا تھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کے لیے یہ ایک نئی چیز تھی جسے فوری اور مکمل طور پر سمجھنا ضروری تھا۔

وہ خام علم میں کسی حد تک پیچھے تھا۔ کلاس لیبارٹری کے طریقہ کار میں روانی اور بعض ریاضیاتی تکنیکوں میں مہارت فرض کر رہی تھی — جسے اس نے صرف کتابوں کے ذریعے تقریباً حاصل کیا تھا۔ اس نے ان خامیوں کو اپنی نوٹ بک میں منظم طریقے سے نوٹ کیا — اپنے لیکچر نوٹس کے حاشیے میں نہیں بلکہ ایک الگ صفحے پر جس کا سرنامہ تھا: وہ چیزیں جنہیں میں پکڑنا چاہتا ہوں۔ فہرست لمبی تھی۔ اس نے اسے ایک منصوبے کے نظام الاوقات کی طرح سمجھا۔

وہ بعض پہلوؤں میں آگے بھی تھا۔ وہ چار سال سے طبیعیات کے بارے میں اُن حالات میں سوچ رہا تھا جنہوں نے ہر اس امکان کو چھین لیا تھا کہ اسے ایک تعلیمی مشق کے طور پر لیا

جائے۔بیرک نمبرتین میں طبیعیات کوئی پاس کرنے والا مضمون نہیں تھا۔یہ واحد مربوط دنیا تھی جس تک اس کی رسائی تھی — اور اس نے اس کے ساتھ اس کے تعلق کو ایک ایسی کیفیت دے دی تھی جسے لیکچرار — ڈاکٹر قاسم مضبوط دقیق جس کی عادت تھی کہ وہ اپنی وضاحت کے بیچ میں رک کر مضمرات کو اپنی رفتار سے آنے دیتے — نے پہلے مہینے میں محسوس کر لیا۔

تم مختلف قسم کے سوال پوچھتے ہو 'ڈاکٹر قاسم نے اسے ایک لیکچر کے بعد بتایا جب ہال خالی' ہو چکا تھا۔

کیسے مختلف؟'

زیادہ تر طلبہ حل کے طریقہ کار کے بارے میں سوال پوچھتے ہیں۔ تم پوچھتے ہو کہ مسئلہ اس طرح' کیوں ترتیب دیا گیا ہے۔ کہ آیا ترتیب کے مفروضے درست ہیں یا نہیں۔ 'وہ رکے۔ 'تم نے اس سے پہلے کہاں پڑھا تھا؟

اللہ وارایو نے انہیں بتایا۔ مختصراً حقیقتاً — نہ کم کرکے نہ زور دے کر — حویلی کے استاد ادارے کے این جی او کلاس روم رات کو چراغ۔ ڈاکٹر قاسم نے بغیر کسی اظہار کے سنا۔ جب وہ ختم ہوا تو پروفیسر نے کہا' :یہ ایک غیر معمولی سیاق و سباق ہے جس میں کسی نے طبیعیات دان کی جبلت پیدا کی ہو۔ 'پھر — شاید یہ سن کر کہ یہ کیسے لگا — اس نے کہا' :میں اسے اعلیٰ ترین تعریف کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ جبلت کو تکنیک سے زیادہ سکھانا مشکل ہے۔ تم میں وہ ہے۔

یہ اللہ وارایو کی زندگی میں دوسرا شخص تھا جس نے اسے بتایا کہ اس کے پاس کچھ ہے۔ اس نے اسے اسی جگہ محفوظ کیا جہاں اس نے سائرہ باجی کا یقین محفوظ کیا تھا — اپنے بارے میں کوئی دعویٰ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک رہنمائی نقطہ کے طور پر — ایک مقررہ ستارہ جس سے اپنی سمت کو پرکھا جا سکے۔

وہ جامشورو کے اس چھوٹے سے ہاسٹل کمرے میں جب صبح کی پہلی اذان سنتا تو آنکھ کھل جاتی۔ سردیوں کی صبح تھی — دسمبر کا مہینہ ہوا ٹھنڈی اور میٹھی جیسے کوئی دور کی کوئی چیز اسے بیدار کر رہی ہو۔ وہ بغیر کسی تاخیر کے اٹھ کھڑا ہوتا۔ سنبھال کر خاموشی سے ۔ چہرہ دھونے کے بعد پہلے وضو کی عادت تھی — مگر وضو صرف نماز کے لیے نہیں اس کے لیے بھی کہ دن کی پہلی روشنی میں اپنے آپ کو کچھ سکون دے۔ پھر وہ اپنی پھٹی ہوئی نوٹ بک اور قلم اٹھاتا اور ہاسٹل کی پچھلی طرف نکل جاتا۔ وہاں ایک چھوٹی سی جگہ تھی — دیوار کے ساتھ لگی دو پرانی چارپائیاں اور ایک ٹوٹی ہوئی میز۔ سامنے کھلا آسمان۔ وہیں بیٹھ کر وہ پہلے سے طے شدہ روٹین کے مطابق پچھلے دن کے لیکچر کو دہراتا۔

✦ ✦ ✦

یونیورسٹی اس کے ہاسٹل کے کمرے سے تقریباً آدھے گھنٹے کی پیدل دوری پر تھی لیکن وہ پیدل ہی جاتا۔ ہاسٹل کے کمرے سے نکلنے کے بعد وہ سڑک کے کنارے چلنا شروع کر دیتا , یونیورسٹی سے باہر بائیں طرف نہر کا پانی بہتا تھا دائیں طرف کھیت اور کبھی کبھار دیہاتی لوگ اپنے ڈھور ڈنگر لے کر گزر جاتے۔ وہ ان سب کو دیکھتا مگر اس کا ذہن پہلے سے کلاس کی تیاری میں لگا ہوتا۔ کبھی اپنے آپ سے کوئی مساوات دہراتا تو کبھی کوئی نیا تصور اپنے ذہن میں بٹھاتا۔ راستے میں ایک چھوٹی سی چائے کی دکان تھی — جہاں وہ کبھی کبھار ایک پیالی چائے پی لیتا اگر اس کی جیب میں کچھ بچ جاتا۔ ورنہ پانی کی بوتل سے گھونٹ بھر کر آگے بڑھ جاتا۔

کیمپس میں داخل ہوتے ہی وہ ہجوم میں گم ہو جاتا۔ سندھ یونیورسٹی کی عمارتیں پہاڑی کی چوٹی پر تھیں — نیچے سے دیکھنے میں شاندار اوپر سے پورا شہر نظر آتا۔ اس کے لیے یہ عمارتیں صرف پتھر اور سیمنٹ نہیں تھیں — یہ اس کی منزل تھیں۔ وہ ہمیشہ دوسری یا تیسری قطار میں بیٹھتا نہ بالکل آگے کہ استاد کی نظریں ہر وقت پڑی رہیں نہ بالکل پیچھے کہ کچھ سنائی نہ دے۔ اس کی نوٹ بک

ہمیشہ ترتیب سے رکھی ہوتی قلم کی سیاہی ختم ہونے سے پہلے وہ نیا ری فل خرید لیتا — اس کا حساب اسے پہلے سے معلوم ہوتا۔

۔ لیکچر ختم ہونے کے بعد لائبریری اس کی پناہ گاہ بنتی۔ لائبریری کی بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں شیشوں سے سورج کی روشنی اندر آتی اور کتابوں کی الماریوں پر پڑتی۔ وہ ایک کونے میں بیٹھنا پسند کرتا — جہاں اسے کوئی دیکھ نہ سکے جہاں وہ گھنٹوں ڈوبا رہ سکے۔ لائبریری میں اس کی ایک خاص نشست تھی — آخری قطار کی کھڑکی کے پاس والی میز۔ وہاں اس نے چار برسوں میں سینکڑوں گھنٹے گزارے۔ کبھی طبیعیات کی کوئی بھاری کتاب اٹھا کر پوری رات کو جگانے والے نظریات پڑھتا تو کبھی ریاضی کے مسائل حل کرتے ہوئے اس کی کلائی دکھنے لگتی۔ لائبریری کا عملہ اسے پہچاننے لگا تھا — وہ خاموش رہنے والا لڑکا جو کبھی کسی سے بات نہیں کرتا صرف کتابوں میں کھویا رہتا ہے۔

دوپہر کا کھانا اس کے لیے ہمیشہ ایک مشکل سوال ہوتا تھا۔ یونیورسٹی کی کینٹین میں سستا کھانا مل جاتا — لیکن پھر بھی وہ اکثر اسے چھوڑ دیتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ شام کو ریستوران میں ایک وقت کا کھانا ملے گا۔ اسے عادت ہو چکی تھی — بھوک کا احساس اس کے لیے کوئی نیا دشمن نہیں تھا۔ جیل میں اس نے بھوک ہڑتال کی تھی یہاں بھوک اس کا ہم سفر تھی۔ مگر وہ کبھی شکایت نہ کرتا۔ جب بھوک بہت بڑھ جاتی تو وہ پانی پی لیتا اور اپنی نوٹ بک میں اگلا فارمولا لکھ دیتا۔

شام کو وہ واپس ریستوران آ جاتا۔ وہی پرانا معمول — برتن دھونا سبزیاں کاٹنا چاول پکانا۔ مولا بخش اب اس پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔ کبھی کبھی وہ اسے چھوٹی چھوٹی اضافی ذمہ داریاں بھی سونپ دیتے — خزانہ سنبھالنا کبھی حساب کتاب دیکھنا۔ اللہ وارایو یہ کام اتنی مہارت سے کرتا کہ کوئی شکایت نہ کر سکا۔ رات گئے جب سب لوگ چلے جاتے تب وہ اپنے ہاسٹل کے کمرے کی

طرف جاتا۔ وہاں چراغ جلاتا — وہی چالیس واٹ کا بلب — اور کتاب کھولتا۔ اس کی ماں کا دوپٹہ اس کے تکیے کے نیچے رہتا کبھی وہ اسے باہر نکال کر دیکھتا اور پھر واپس رکھ دیتا۔
ایک روز ڈاکٹر قاسم نے اسے دفتر بلایا۔ اس کی نوٹ بک دیکھی — جس میں اس نے ہر لیکچر کے نوٹ تو لکھے ہی تھے ساتھ ہی اپنے سوالات بھی تحریر کر رکھے تھے۔ ڈاکٹر قاسم نے کہا تھا:
تمہارے سوال وہ ہیں جو میں نے پی ایچ ڈی کے طلبہ سے سنے ہیں۔ "اللہ وارایو شرماتے ہوئے" مسکرایا تھا۔ اسی دن اس نے فیصلہ کیا — وہ اپنی ہر کمزوری کو ایک سوال میں بدل ڈالے گا اور ہر سوال کو ایک جواب میں۔

لائبریری میں اسے ایک پرانی کتاب ملی — "The Feynman Lectures on Physics" — جس کے سرورق پھٹے ہوئے تھے کچھ صفحات پر کسی اور قاری کے نوٹ بھی تھے۔ اس نے وہ کتاب رات بھر پڑھی۔ صبح ہونے تک وہ اپنی فہرست میں مزید پانچ سوال لکھ چکا تھا۔ اگلے دن اس نے وہ کتاب لائبریری سے امانت پر لے لی — اس کے پاس اپنی کوئی کتاب خریدنے کے پیسے نہ تھے۔ لائبریرین نے پہلے کہا تھا کہ "یہ کتاب تو کوئی نہیں پڑھتا پرانی ہے" — لیکن جب اس نے تین مہینے بعد وہ کتاب واپس کی تو وہ تقریباً پوری طرح نوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔
اس کے دن ایسے ہی گزرتے — کبھی تیز کبھی سست کبھی مشکل کبھی سہل۔ مگر ہر روز ایک نئی بات سیکھنے کا عزم اس کے اندر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے پاس وہ وسائل نہیں جو دوسرے طلبہ کے پاس تھے — نہ ٹیوشن نہ کوئی گھر والا نہ کوئی ایسا استاد جو اسے اضافی مدد دے۔ اس کے پاس صرف وہی پرانی پنسل تھی وہی پھٹی ہوئی کتابیں اور وہ چالیس واٹ کا چراغ۔ لیکن اس نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ وہ کسی سے کم ہے — کیونکہ اسے پتہ تھا کہ علم وہ چیز ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتی وہ محنت سے حاصل ہوتی ہے۔
اور وہ محنت کرتا رہا۔

باب بائیس

بھوک کی طبیعیات



سال سکڑ کر بیت گئے۔

وہ راتوں کو کام کرتا اور دنوں کو پڑھتا — اور صبح دو بجے سے چھ بجے کے درمیان کی تنگ سی کھڑکی میں سوتا جب چھ بجے پہلی صبح کا آغاز کرنا ہوتی۔ وہ ریستوران میں ایک وقت کا کھانا کھاتا — مولا بخش نے جب یہ طے ہو گیا کہ سائرہ باجی کا یہ نوجوان ہر قابلِ پیمائش پہلو پر قابلِ اعتماد تھا پہلے مہینے میں اسے دو وقت کا کھانا کر دیا — ایک ایسا اشارہ جسے اللہ وارایو نے قرض بنائے بغیر قبول کیا

جو صحیح ردِ عمل تھا۔ وہ ہفتے بھر ایک ہی سوٹ پہنتا — اور اتوار کی صبح انہیں دھوتا — اور پیر کو انہیں پہنتا جب وہ مکمل طور پر خشک نہ ہوتے۔

اسے یہ خاص مشکل نہیں لگا۔

یہ بہادری کا اظہار نہیں تھا۔ یہ اُس شخص کا حقیقی حساب تھا جس نے اس سے زیادہ مشکل دیکھی ہو — اور جس نے زیادہ مشکل کو واضح طور پر سامنے رکھا ہوا تھا بطورِ پیمانہ۔ ادارہ مشکل تھا۔ یہ مشکل تھا لیکن نتیجہ خیز۔ فرق اہم تھا۔

اس نے دریافت کیا کہ اسے کھانا پکانا پسند ہے۔ پیشے کے طور پر نہیں — وہ اسے عارضی سمجھتا تھا اپنے حقیقی کام تک رسائی کی قیمت کے طور پر — لیکن بطورِ سرگرمی یہ اس کے اُس حصے کو مصروف رکھتی تھی جسے بڑھئی کا کام پسند تھا: جسمانی درستگی مواد کا علم اعمال کا وہ سلسلہ جو ایک خاص نتیجہ پیدا کرتا تھا۔ وہ سال میں ایک حقیقی طور پر اچھا کچن باورچی بن گیا۔ مولا بخش نے اسے ایک بار بتایا کہ اس کے چاول گیارہ سالوں میں نائٹ شفٹ میں کسی سے بہتر تھے۔ اس نے اسے تعریف کے طور پر سنجیدگی سے لیا — اور اسے مزید ترقی دینے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔

اس نے اپنا دوسرا سال اُس ریاضی میں گزارا جسے پکڑنے کی اسے ضرورت تھی۔ لکیری الجبرا تفریقی مساواتیں پیچیدہ تحلیل — اس نے انہیں ترتیب سے لیا گریجویٹ طلبہ کے درمیان سے ٹیوٹر ڈھونڈے جنہیں پیسوں کی ضرورت تھی — اور جنہوں نے جلدی دریافت کر لیا کہ اللہ وارایو کو پڑھانا پڑھانے سے زیادہ ایک گہرے سیمینار کی طرح تھا کیونکہ وہ ہر سیشن میں اُن مخصوص سوالات کے ساتھ آتا تھا جنہیں وہ خود حل نہیں کر سکا تھا — اور یہ سوالات اکثر وہ ہوتے تھے جو دلچسپ مقامات کی طرف لے جاتے تھے۔ گریجویٹ طلبہ میں بات پھیل گئی: فزکس ڈیپارٹمنٹ

کا وہ پہلے سال کا طالب علم اسے سوال پوچھتا ہے کہ تم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہو اس سے زیادہ جتنا تم چاہتے تھے۔

اس نے کلاسیکل میکانکس کو اُس پہچان کے ساتھ دریافت کیا جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے کسی ایسی چیز کی باضابطہ وضاحت مل جائے جس کے ساتھ وہ غیر باضابطہ طور پر جی رہا ہو۔ نیوٹن کے قوانین اس کے لیے نئے نہیں تھے — اس نے انہیں نویں اور گیارہویں جماعت کی کتابوں میں پڑھا تھا — لیکن مکمل ریاضیاتی علاج — Lagrangian اور Hamiltonian formulation اور میکانکس کی عمومیت کو من مانی پیچیدگی کے نظاموں تک پھیلانا — نیا تھا اور شاندار تھا۔ اس نے کم سے کم عمل کے اصول پر دو ہفتے گزارے — وہ اصول کہ کسی نظام کے دو حالتوں کے درمیان تمام ممکنہ راستوں میں سے وہ راستہ اختیار کرتا ہے جس کے لیے ایک خاص مقدار کم سے کم ہو — اور اس پر کام کرتے ہوئے اس نے ایک فلسفیانہ گونج محسوس کی جسے وہ عین سے بیان نہیں کر سکتا تھا لیکن جو اس میں کرنٹ کی طرح دوڑ رہی تھی۔

یہ خیال کہ قدرت موثر ہے۔ کہ طبعی نظام بھٹکتے نہیں — وہ بہترین راستہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ رفتاروں اور تصادموں کے ظاہری افراتفری میں بھی ایک بنیادی معیشت ہے کم سے کم ضرورت کی ترجیح۔

اس نے سوچا: میں یہی کر رہا ہوں۔ رکاوٹوں کے تحت بہترین راستہ اختیار کرنا۔ حکمت کی وجہ سے نہیں — بلکہ اس لیے کہ کوئی دوسرا راستہ اس سے زیادہ کا متقاضی ہوتا جو میرے پاس تھا۔

اس نے سوچا: رکاوٹوں کے تحت بہترین راستہ پھر بھی بہترین ہی ہوتا ہے۔ چاہے رکاوٹیں ناانصاف ہی کیوں نہ ہوں۔

✦ ✦ ✦

وہ سُغری سے سال میں دو بار ملنے جاتا۔

وہ حیدر آباد کے ریلوے کوارٹر میں ایک کمرے میں منتقل ہو چکی تھی اسی شہر میں جہاں وہ پہلے ساتھ رہے تھے۔ وہ گھر سے سلائی کا کام کرتی تھی — بازار میں شادی کے لباس کی دکانوں سے تبدیلی کے کام لے کر۔ اس کا کمرہ چھوٹا اور صاف تھا کونے میں سلائی مشین اور ایک کھڑکی جو ایک دیوار پر کھلتی تھی۔ جب وہ واپس آیا تو وہ تینتیس سال کی تھی۔ اس نے اسے دیکھا — اس کا بھائی اب لمبا بڑھئی کے کندھوں اور طبیعیات دان کے آگے جھکاؤ کے ساتھ — اور اس کے چہرے میں کچھ دوڑ گیا جو ایک حساب تھا ایک پرکھ تھی — برسوں کی۔

تم اباں کی طرح لگتے ہو 'اس نے کہا۔'

'کیا؟'

'آنکھیں۔ 'وہ رکی۔ 'جس طرح تم چیزوں کو دیکھتے ہو۔'

وہ دو دن رہا — اس کے کمرے کے فرش پر سوتے ہوئے — وہ یہ پہلے بھی کر چکا تھا وہ فرش پر اچھا تھا — اور انہوں نے اُس طرح بات کی جس طرح انہوں نے بات کرنا سیکھ لیا تھا: سیدھے قربت کی کارکردگی کے بغیر لیکن اس کے نیچے ایک حقیقی قربت کے ساتھ — دو لوگ ایک دوسرے سے اُس خاص نزدیکی سے جڑے ہوئے جنہوں نے وہی خوفناک سال برداشت کیے ہوں ہر ایک اپنے الگ قفس میں۔

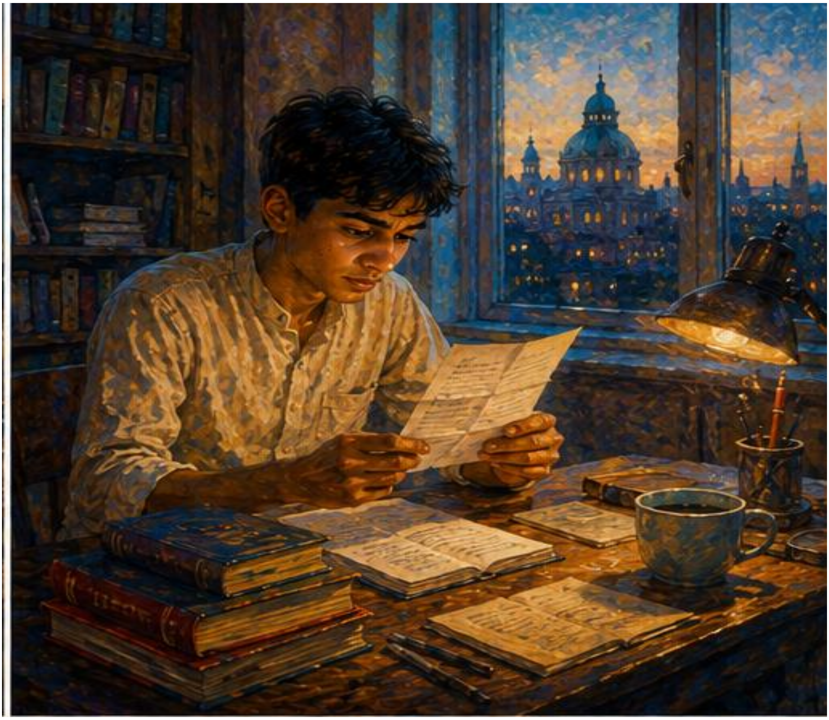
اس نے اسے طبیعیات کے بارے میں بتایا۔ اس نے اُس توجہ سے سنا جو وہ اُن چیزوں کے لیے لاتی تھی جنہیں وہ نہیں سمجھتی تھی لیکن سمجھتی تھی کہ وہ اہم ہیں۔ اس نے سوال پوچھے جو مواد کے بارے میں نہیں تھے بلکہ اس کے اس سے تعلق کے بارے میں تھے — 'کیا تمہیں دوسرے طالب علم پسند ہیں؟' 'کیا استاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں؟' 'کیا تم ٹھیک سے کھانا کھاتے ہو؟' — اور اس نے ان کے جوابات اُس صبر کے ساتھ دیے جو اُس شخص کو

حاصل ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ اس کا طریقہ ہے کہ کہے: کیا تم ٹھیک ہو کیا تم محفوظ ہو کیا تم اب بھی وہی ہو؟

وہ تھا۔ وہ اب بھی وہی تھا۔ چیزوں کو دیکھنے کا وہی انداز توجہ کی وہی کیفیت۔ لیکن اب بڑا کھڑے ہونے کے لیے زیادہ جگہ کے ساتھ —جس طرح ایک پودا بڑھتا ہے جب تم اسے بڑے گملے میں ڈالتے ہو۔

باب تئیس

تبادلے کا خط



ڈاکٹر قاسم کا خط اس کے بی ایس پروگرام کے آخری سال کی بہار میں آیا۔

بالکل خط نہیں — ایک ای میل جو یونیورسٹی کے لیٹر ہیڈ پر چھپی تھی کیونکہ ڈاکٹر قاسم سمجھتے تھے کہ اللہ وارایو کی ای میل تک رسائی غیر یقینی ہے اور کاغذ زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ چھپی ہوئی ای میل میں کہا گیا تھا: ڈاکٹر قاسم نے انہیں ڈنمارک کی یونیورسٹی آف کوپن ہیگن میں ایک سالہ تعلیمی تبادلہ پروگرام کے لیے سفارش کی تھی۔ یہ پروگرام ترقی پذیر ممالک سے فزکس کے شاندار بی ایس آخری سال کے طلبہ کے لیے تھا جو ڈنمارک کی حکومت کے تعلیمی اقدام کے ذریعے فنڈ کیا

گیا تھا۔ اس میں یونیورسٹی میں ٹیوشن اور رہائش کا احاطہ کیا گیا تھا۔ رہائشی اخراجات طالب علم کی ذمہ داری تھے۔

اس نے یہ سندھی دربار کے کچن میں رات کے دو بجے پڑھا ‒ برتن دھو کر اور تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ‒ اُس خاص خاموشی میں جو اُس گھڑی ایک کام کرتے ہوئے کچن میں ہوتی ہے۔ مولا بخش اوپر سو رہے تھے۔ باہر شہر اپنی کم سے کم آواز پر تھا۔

اس نے اسے دو بار پڑھا۔ اسے تھوڑی دیر تھامے رکھا اور کچن کے ٹائلوں کو دیکھتا رہا۔

ڈنمارک۔ اس نے ڈنمارک کے بارے میں پڑھا تھا ‒ بطورِ ہدف نہیں بلکہ سیاق و سباق کے طور پر ‒ فزکس کی تحریروں میں عظیم طبیعیات دانوں کے سوانحی نوٹوں میں۔ نیلز بوہر ڈنمارکی تھا۔ کوانٹم انقلاب کا آغاز جزوی طور پر کوپن ہیگن میں ہوا تھا۔ وہ شہر ایک ایسی جگہ تھی جہاں حقیقت کی نوعیت کے بارے میں بعض بنیادی دلائل بیسویں صدی کے اوائل میں اُن لوگوں کے ذریعہ کیے گئے تھے جو سمجھتے تھے کہ وہ جس کے بارے میں بحث کر رہے تھے وہ محض تعلیمی نہیں تھا بلکہ اس کے بعد آنے والی ہر چیز کی بنیاد تھا۔ اس نے کوپن ہیگن کے بارے میں ایک ‒ تجریدی طریقے سے سوچا تھا ‒ جس طرح تم تاریخی مقامات کے بارے میں سوچتے ہو ایکروپولس سمرقند کی رصدگاہ ‒ ذہن میں اہم واقعات کے مقامات کے طور پر موجود نہ کہ ایسی جگہوں کے طور پر جہاں تم واقعی جاؤ گے۔

اس نے حساب لگایا۔

ڈنمارک میں ایک سال کے رہائشی اخراجات۔ وہ تقریباً جانتا تھا اس کا کیا مطلب ہے ‒ خط کے ساتھ منسلک تبادلہ پروگرام کی معلوماتی شیٹ سے۔ اس کے پاس 3 سال کے کچن کے کام کی بچت تھی ‒ بڑی نہیں لیکن اُس صبر کے ساتھ جمع کی گئی تھی جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے

جس کے لیے ہر روپیہ حقیقی ہو۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا وظیفہ تھا جو یونیورسٹی نے اسکالرشپ کے آخری سال کے لیے فراہم کیا تھا۔ وہ کم تھا۔ اس نے حساب لگایا کہ کتنا کم۔

وہ سائرہ باجی کے پاس گیا۔

وہ اب حیدرآباد میں تھیں — این جی او کے باقاعدہ فیلڈ ورک سے ریٹائر ہو چکی تھیں لیکن ایک مشاورتی کردار برقرار رکھا ہوا تھا۔ وہ چھاؤنی کے قریب ایک چائے کے دھابے پر ملے جو وہ اہم ملاقاتوں کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ اس نے انہیں خط دکھایا۔ اس نے اسے پڑھا۔ اسے نیچے رکھا اور اسے دیکھا۔

کتنا کم ہے؟' اس نے پوچھا۔'

اس نے عدد بتایا۔

اس نے کہا': میرے پاس کچھ ہے۔ سب نہیں لیکن کچھ۔ اور میں این جی او میں دو لوگوں کو جانتی ہوں جو باقی کا بندوبست کر دیں گے اگر میں یہ بتاؤں۔ قرض نہیں — ایک گرانٹ۔ روشن راہ کے پاس اس صورتحال کے لیے سالانہ فنڈ ہے سوائے اس کے کہ یہ صورتحال اُن سے بہتر ہے جن کے لیے میں عام طور پر درخواست کرتی ہوں۔

میں واپس کر دوں گا'

نہیں کرو گے۔ تم کوپن ہیگن جاؤ گے اور وہ کام کرو گے جو اہم ہے اور یہی ادائیگی ہے۔ 'اس' نے اس فیصلہ کن انداز میں کہا جس نے بحث بند کر دی — وہی لہجہ جو وہ تعلیمی چیزوں کے لیے استعمال کرتی تھیں جن پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ 'تم گرانٹ قبول کرو گے اور جاؤ گے۔

اس نے اپنے آخری امتحانات اور خزاں کے تبادلہ کی تاریخ کے درمیان کے تین مہینے وہ سب کچھ بچا کر گزارے جو بچا سکتا تھا — ہر وہ کھانا چھوڑ دیا جو چھوڑ سکتا تھا — اضافی شفٹیں لیتا رہا۔

وہ سُغری سے ملا اور اسے بتایا کہ وہ ایک سال کے لیے جا رہا ہے۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ 'تھام لیے اور ایک لمحے کچھ نہ بولی — اور پھر بولی ' :اچھا ہے۔ 'بس اتنا۔ 'اچھا ہے۔

وہ اکتوبر کی ایک بھوری صبح کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے اڑا — ایک پرواز پر جو پہلے دبئی گئی اور پھر کوپن ہیگن۔ وہ کبھی ہوائی جہاز پر نہیں بیٹھا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا اور زمین کو پیچھے مٹتے دیکھتا رہا — کراچی کی ہمواری شہر کی بھوری نیلی جیومیٹری سمندر — اور جیسے جیسے بلندی بڑھتی گئی اور نیچے کا ملک تجریدی ہوتا گیا — بھورے اور بھوری رنگ اور کبھی کبھار سبز کا ایک نمونہ جو صرف اس اونچائی سے ایک مکمل کے طور پر دیکھا جا سکتا تھا — اس نے اپنی پیشانی ٹھنڈے شیشے سے لگا دی — اور اس کے اندر کچھ دوڑ گیا جو سب کچھ کا مجموعہ تھا: حویلی سڑک ادارے کا دروازہ چالیس واٹ کی روشنی — یہ سب کچھ اب اس کے نیچے تھا — یہ سب کچھ اب بھی وہاں تھا — کچھ نہیں گیا تھا — لیکن اس کے نیچے تھا۔

وہ کوپن ہیگن جا رہا تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب چوبیس

آسمان کا دوسرا رخ



اکتوبر میں کوپن ہیگن سب سے زیادہ مختلف چیز تھی جو اس نے کبھی دیکھی تھی — اور اس نے بہت سی مختلف چیزیں دیکھی تھیں۔

یہ فرق بنیادی طور پر بصری نہیں تھا — حالانکہ وہ بھی تھا: شہر کا رنگ پیلیٹ — بھوری رنگ کا آسمان سرخ اینٹوں کی عمارتیں پرانی چھتوں کا تانبے والا سبز بندرگاہ کا گہرا پانی — ایک ایسا رنگ تھا جس کا اس کے پاس کوئی براہِ راست بصری حوالہ نہیں تھا سندھ بھورے اور ریلے اور فصلوں کے موسمی روشن سبز رنگوں کی جگہ تھی نہ کہ ان گہرے شمالی لہجوں کی جو روشنی کو منعکس کرنے کے بجائے جذب کرتی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن زیادہ بنیادی فرق ہوا کی کثافت میں تھا — جو ٹھنڈی اور صاف تھی ایک ایسی وضاحت کے ساتھ کہ چیزیں اُن فاصلوں پر نظر آتی تھیں جو سندھ میں دھند ہوتی۔ اور آوازیں جو مختلف تھی: کسی بھی شہر سے زیادہ خاموش جہاں

وہ رہا تھا — شور کم تعدد والا — انفرادی آوازیں اُس طرح الگ تھیں جس طرح حیدرآباد کی شہری کثافت کبھی اجازت نہیں دیتی تھی۔

وہ یونیورسٹی کے تبادلہ دفتر میں اپنی چھپی ہوئی معلومات اور اپنے ایک تھیلے کے ساتھ پہنچا — اور ایک چہرے کے ساتھ جو ان پُٹ پر کارروائی کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا بغیر اسے بہت واضح طور پر ظاہر کیا جائے۔ تبادلہ کوآرڈینیٹر — ایک نوجوان ڈینش عورت جس کا نام ہیلینا تھا جس نے یہ آمد کا طریقہ کار کئی بار کیا تھا اور جس نے اس کے لیے ایک عملی گرمجوشی پیدا کر لی تھی — یہ سمجھتے ہوئے کہ پہلا دن بہت مختلف سیاق و سباق سے آنے والے طلبہ کے لیے کیا معنی رکھتا ہے — نے اسے ہاسٹل بلاک دکھایا — ایک اینٹوں کی عمارت جس میں لکڑی کے اندرونی حصے اور ریڈی ایٹر حرارت تھی جو کسی بھی معروضی پیمانے پر اس کی اب تک کی سب سے آرام دہ رہائش تھی: ایک کمرہ ایک میز اور ایک کرسی اور کتابوں کا ایک شیلف اور ایک کھڑکی جو ایک چھوٹے سے صحن میں کھلتی تھی جہاں ایک سائیکل ایک ریک سے بندھی ہوئی تھی۔

اس نے اپنا تھیلا نیچے رکھا۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا — ایک مناسب بستر حقیقی گہرائی اور اسپرنگ والا گدا — اور محسوس کیا کہ گدا اس کا وزن قبول کر رہا ہے۔

وہ کئی منٹ تک بالکل ساکت رہا۔

✦ ✦ ✦

پروفیسر لارس اینڈرسن ساٹھ سال کا شخص تھا — دبلا پتلا اور جان بوجھ کر چلنے والا — جو کونڈینسڈ میٹر فزکس گروپ کو اُس مرکوز سکون کے ساتھ چلاتا تھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو تیس سال سے وہی بنیادی سوال پوچھ رہا ہو اور توقع رکھتا ہو کہ جو بھی سال باقی ہیں انہیں پوچھتا رہے گا۔ اس کے سفید بال تھے جو اس نے معمول سے تھوڑے لمبے رکھے تھے — اور عادت تھی کہ وہ معمول کی سماجی مدت سے ایک سیکنڈ زیادہ آنکھ ملا کر دیکھتا — غیر آرام دہ طور پر نہیں بلکہ اتنا

کہ یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ واقعی تمہیں دیکھ رہا ہے—یہ ایک ایسی خاصیت تھی جسے اللہ وارایو پہچانتا اور اس کا احترام کرتا تھا۔

ان کی پہلی ملاقات تیس منٹ کی مصروفیت تھی جو نوے منٹ بن گئی۔

اینڈرسن نے تبادلہ پروگرام کے نوٹ اور ڈاکٹر قاسم کی سفارش پڑھی تھی۔ اس کے پاس ایک سائنسدان کی وہ خاص تجسس تھی جو ایک غیر متوقع ڈیٹا پوائنٹ سے ملتا ہے: ایک پاکستانی نابالغ اصلاحی مرکز سے تعلق رکھنے والا طالب علم جس نے چراغ کی روشنی میں خود طبیعیات سکھائی تھی—اور اب امتحانی ریکارڈ اور فیکلٹی سفارش کے مطابق سندھ یونیورسٹی میں اپنے ہم جماعت کے پانچ فیصد میں شامل تھا۔ یہ یا تو بالکل وہی تھا جو دکھائی دے رہا تھا—یا یہ اعداد و شمار میں ایک قابلِ ذکر بے ضابطگی تھی۔ اس نے یہ جاننے کا ارادہ کیا کہ کون سا ہے۔

اس نے سوال پوچھے۔ سوانحی سوال نہیں—وہ سوانحی خلاصہ پڑھ سکتا تھا—بلکہ طبیعیات کے سوال۔ بتدریج مشکل—طالب علم کے اصل علم کی حدود کو ریکارڈ کے دعویٰ کردہ علم کے خلاف پرکھتے ہوئے۔ اس نے Schrödinger مساوات کے بارے میں پوچھا—اور اس کا واضح اور درست بیان واپس ملا۔ اس نے طبیعی تشریح کے بارے میں پوچھا—اور بیان کچھ اور ہو گیا: کم نصابی زیادہ ذاتی—اُس شخص کی زبان جو مواد کے ساتھ جی رہا ہو اور اس سے بحث کر رہا ہو۔

تمہارا پیمائش کے مسئلے کے بارے میں ایک خاص نظریہ ہے 'اینڈرسن نے ان تبادلوں میں' سے ایک کے بعد مشاہدہ کیا۔

میں نے اس کے بارے میں بہت سوچا ہے 'اللہ وارایو نے کہا۔'

'تمہارا کیا نظریہ ہے؟'

کولیپس

کی تشریح شاید غلط ہے۔ اس لیے نہیں کہ ریاضی غلط ہے (collapse) میرے خیال میں کولپس'
ریاضی کام کرتی ہے — بلکہ اس لیے کہ یہ خیال کہ کسی باشعور ہستی کا مشاہدہ ایک طبعی تبدیلی کا —
سبب بنتا ہے میرے ساتھ صحیح نہیں بیٹھتا۔ شعور خود ایک طبعی نظام ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ
اسے ایک خاص درجہ کیوں حاصل ہونا چاہیے۔

اس کے بجائے تمہارے ساتھ کیا صحیح بیٹھتا ہے؟'

یہ خیال کہ لہرِ فعل حقیقی ہے — کہ تمام ممکنہ حالتیں در حقیقت — کہیں نہ کہیں — حقیقت میں "
موجود ہیں۔ کہ جسے ہم مشاہدہ کہتے ہیں وہ کوئی کولپس نہیں بلکہ ایک ارتباط ہے — مبصر نظام کے
اور نتیجہ ہمارے نقطہ نظر سے مخصوص ہوتا ہے کیونکہ ہم — (entangled) ساتھ الجھ جاتا ہے
خود اس الجھاؤ کا حصہ ہیں۔

۔(Many-Worlds) "اینڈرسن ایک لمحے خاموش رہا۔ "بہت سی دنیائیں

شاید۔ یا اس جیسی کوئی چیز۔ میں نے ابھی مضمرات کو پوری طرح نہیں پرکھا۔"

کیا تم نے ایوریٹ پڑھا ہے؟"

نہیں۔ میں نے ایوریٹ کے بارے میں نہیں پڑھا ہے۔

اینڈرسن کھڑا ہوا اور اپنی کتابوں کی الماری کے پاس گیا — اور ایک کتاب لے کر واپس آیا۔ 'یہ
پہلے پڑھو ' اس نے کہا۔ 'پھر واپس آنا۔ میں اس گفتگو کو جاری رکھنا چاہتا ہوں۔

وہ اپنی بغل میں ایک کتاب لیے اس ملاقات سے نکلا — اور اس کے اندر کچھ تھا جسے وہ مہینوں
تک مشکل سے نام دے سکتا تھا۔ یہ بالکل دیکھے جانے کا احساس تھا — نہ مہربانی کے ساتھ نہ اُس
فیاضی کے ساتھ جو چھوٹ دیتی ہے — بلکہ عین طور پر گویا اینڈرسن نے اسے ناپا تھا اور ناپ کو
درست پایا تھا۔ یہ سائرہ باجی کے یقین سے مختلف تھا — جو گرم اور توانائی بخش تھا۔ یہ زیادہ

ٹھنڈا اور زیادہ سنسنی خیز تھا: ایک ذہن کی دوسرے ذہن کے ذریعہ پہچان — اتنی ہی سنجیدگی والی۔

اس رات اس نے ایوریٹ کے مقالوں کو پڑھنا شروع کیا — اور اس کے ذہن میں ایک عجیب " سی کیفیت تھی، جیسے وہ کسی نئی دنیا کے دروازے پر کھڑا ہو۔

اور وہ سو گیا۔

وہ ایک بے انتہا خالی جگہ میں تھا — نہ کوئی دیوار، نہ کوئی سلاخ، نہ کوئی چھت۔ صرف وہ اور بکھرے ہوئے ستارے، جو اس کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔

پھر اس نے دیکھا — ایک چھوٹا سا بچہ، دس سال کا، مٹی کا گھوڑا بغل میں دبائے، اس کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ خود تھا — مگر وہ اللہ وارایو جو کبھی جیل کی کوٹھری میں دیوار پر لکیریں لگاتا تھا۔

دس سالہ اللہ وارایو (آنکھوں میں وہی پرانا سوال):

"تم کون ہو؟"

جوان اللہ وارایو (مسکرا کر):

"میں وہی ہوں جو تم بنو گے — جب تم سوالات کے جواب ڈھونڈ لو گے۔"

دس سالہ اللہ وارایو:

"کیا تم جانتے ہو — وڈیرہ مہراب اتنا اچھا تھا۔ اس نے مجھے قید کیوں کروایا؟"

جوان اللہ وارایو:

وڈیرہ مہراب نے تمہیں نہیں قید کیا — اس نے ایک نظام کو چلنے دیا۔ وہ اس نظام کا ایک حصہ " تھا، جیسے کوئی گیند کشش ثقل کی وجہ سے نیچے گرتی ہے۔ — وہ صرف ایک اصول کی پیروی کر رہا تھا، جیسے ہر ذرہ اپنی جگہ پر رہتا ہے۔

:دس سالہ اللہ وارایو

اورکھوسو؟ اس نے تومجھے دیکھا بھی نہیں تھا

:جوان اللہ وارایو

کھوسو نے تمہیں نہیں دیکھا — اس نے ایک پوزیشن دیکھی، ایک کرسی، ایک جگہ۔ اسے تمہاری " ضرورت تھی تاکہ وہ اپنی جگہ بچا سکے۔ یہ کوئی دشمنی نہیں تھی — یہ ایک کھیل تھا، جسے وہ کھیل رہا تھا بغیر یہ جانے کہ وہ خود بھی ایک مہرہ ہے۔

:دس سالہ اللہ وارایو (آواز میں تکلیف)

مہران؟ سُغری؟ وہ کیوں خاموش رہے؟

:جوان اللہ وارایو

کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا تھا — وہ اس نظام کے محتاج تھے۔ مہران اپنے باپ کا سایہ تھا، " سُغری ایک عورت تھی جسے زندہ رہنا تھا۔ انہوں نے سوچا — 'ہم کچھ کر بھی لیں، تو صرف اپنی مصیبت بڑھائیں گے'۔ یہ بزدلی نہیں تھی — یہ بقا تھی، ایک ایسی بقا جو چپ رہنا جانتی تھی۔

:دس سالہ اللہ وارایو

"انسپکٹر گل حسن — اس نے تومجھے پہچانا بھی نہیں تھا۔"

:جوان اللہ وارایو

اس نے ایک کاغذ پر دستخط کیے — جو اسے دیا گیا تھا۔ وہ ایک مشین کا پرزہ تھا، اسے کسی نام " "سے غرض نہیں تھی۔ اسے صرف اپنی تنخواہ اور اپنی کرسی کی فکر تھی۔

:دس سالہ اللہ وارایو

"—جج نے تو سنا بھی نہیں"

جوان اللہ وارایو

جج نے ایک فائل بند کی۔ تم اس کے لیے ایک نمبر تھے — ۴۷-ج، ایک لفظ، ایک الزام۔ وہ "
اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ اس فائل کے پیچھے ایک بچہ ستارے گن رہا ہے۔

دس سالہ اللہ وارایو (آواز کانپتی ہے)

— اور جُمن — جُمن نے مجھے کیوں بیچا؟ وہ تو روزانہ پچیس روپے لے کر مجھے چھوڑ سکتا تھا"

جوان اللہ وارایو (اداسی سے)

جُمن نے تمہیں نہیں بیچا — اس نے اپنی ناکامی بیچی، اپنے قرض بیچے، اپنی کمزوری بیچی۔ تم اس "
کے لیے ایک موقع تھے — ایک وہ موقع جو اسے کبھی نہیں ملا تھا۔ اس نے سوچا — 'شاید اس
بچے کی قربانی سے میری زندگی بدل جائے'۔ مگر وہ بھول گیا — تقدیر ایک ایسا دریا ہے جو کسی کو
بہا کر نہیں چھوڑتا۔

خواب خاموش ہوا۔

پھر جوان اللہ وارایو بولا — اس بار اس کی آواز میں ایک عجیب سی شفافیت تھی، جیسے وہ کوئی
پرانی مساوات دہرا رہا ہو

ایوریٹ نے کہا تھا — ہر ممکنہ فیصلہ ایک نئی کائنات تخلیق کرتا ہے۔ ہر 'کیوں' ایک شاخ ہے جو "
کہیں اور پھیل جاتی ہے۔

تم نے سوچا کہ تم ایک ہی کائنات میں قید ہو — مگر حقیقت میں، تم نے اپنی ہر پسند سے ایک نئی
کائنات کو جنم دیا۔

جس لمحے تم نے کتاب کھولی، تم ایک اور کائنات میں جا پہنچے۔

جس لمحے تم نے پڑھنا جاری رکھا، تم نے اپنی تمام ممکنہ کائناتوں کو ایک دوسرے سے الجھا دیا۔

اور اب — تم وہاں ہو جہاں تم نے خود کو دیکھا۔

:دس سالہ اللہ وارایو (سوچتا ہے)

"تو کیا میں نے بدلہ لینا چاہیے تھا؟ کیا میں نے غلط کیا جب میں نے معاف کر دیا؟"

:جوان اللہ وارایو (اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہے)

"معاف کرنا کمزوری نہیں — یہ ایک مشاہدہ ہے۔ تم نے اپنی کائنات کا مشاہدہ بدل دیا — اور ساری شاخیں ایک ہو گئیں۔ بدلہ لینے والا ایک اور کائنات میں رہتا ہے — تم اس کائنات میں ہو جہاں روشنی ہے۔

:دس سالہ اللہ وارایو (پہلی بار مسکرا کر)

تو میں نے صحیح کیا؟

:جوان اللہ وارایو (اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے)

تم نے وہی کیا جو تمہیں کرنا تھا — تم نے اپنے آپ کو ایک قربانی سے ایک ثبوت بنا لیا۔

خواب ٹوٹ گیا۔

اللہ وارایو کی پلکیں کھلیں۔ کوپن ہیگن کی ٹھنڈی روشنی کھڑکی سے اندر اتر رہی تھی، اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا۔

وہ بیٹھ گیا۔ اس کا دل بھاری نہیں تھا — وہ ہلکا تھا۔

:اس نے اپنی نوٹ بک کھولی، اور ایوریٹ کے نام کے نیچے ایک سطر لکھی

"ہر 'کیوں' ایک شاخ ہے۔ میں نے اپنی تمام شاخوں کو ایک جگہ جمع کر لیا — اور میں نے محسوس کیا کہ میں اسی شاخ پر ہوں جس نے مجھے روشنی تک پہنچایا۔

پھر اس نے ایک اور سطر لکھی

"الجھاؤ صرف ذرات کا نہیں — انسانوں کا بھی ہے۔ میں ان سب سے الجھا ہوا تھا — وڈیرہ، کھوسو، جج، جُمن، مہران، سُغری — سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ مگر الجھاؤ کا

مطلب یہ نہیں کہ تم اپنی راہ نہیں بدل سکتے۔ بس تمہیں ایک نیا مشاہدہ کرنا ہوتا ہے— اور میں نے کر لیا۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ستارے وہی تھے جو جیل کی کوٹھری میں دکھائی دیتے تھے— مگر اب وہ کچھ اور تھے۔

اس نے آہستہ سے کہا

میں نے اپنا مشاہدہ بدل لیا— اور میری تمام ممکنہ کائناتیں اسی لمحے ایک حقیقت میں ڈھل " گئیں۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب پچیس
طبیعیات اور شاعری



بہار کے سیمسٹر میں تبادلہ پروگرام نے وہ اہتمام کیا جسے اس نے کلچرل ایکسچینج سیمینار کا نام دیا غیر رسمی نشستیں جن میں آئے ہوئے طالب علم ڈینش طالب علم برادری کے ساتھ اپنی ثقافتوں کے پہلوؤں کو شریک کرتے تھے۔ یہ کھانا پکانے کی نمائشوں سے لے کر موسیقی کی پرفارمنس سے لے کر ادب اور فلسفے پر لیکچرز تک تھے۔ زیادہ تر آئے ہوئے طالب علم ان نشستوں کو اُس ہلکی سی بے چینی کے ساتھ دیکھتے تھے جو اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جنہیں اپنی پوری تہذیب کی نمائندگی اجنبیوں کے سامنے کرنے کے لیے کہا جائے۔

اللہ وارایو نے اسے ایک طبیعیات کے مسئلے کی طرح دیکھا۔

وہ اس تعلق کے بارے میں سوچ رہا تھا — وہ تعلق جو اس نے سب سے پہلے یونیورسٹی آف سندھ کی لائبریری میں شاہ جو رسالو پڑھتے ہوئے محسوس کیا تھا — سندھی لوک گیتوں کی تال اور لہروں کے تصور کے درمیان — اور اسے مہینوں سے ایک نجی فکری مشق کے طور پر پروان چڑھا رہا تھا۔ ایک سندھی کافی ایک چکر پر تعمیر ہوتی ہے — ایک تال میل نمونہ جو خود کو قائم کرتا ہے، اس میں تغیر آتا ہے، اپنی اصل لوٹتا ہے، پھر اس میں تغیر آتا ہے۔ یہ چکر ایک موج تھا۔ چکر کے اندر تغیر لہرِ فعل کا تطابق تھا: متعدد حالتیں بیک وقت موجود — یہاں تک کہ سننے والے کی توجہ انہیں سنی ہوئی خاص صورت میں حل کر دے۔ صوفیانہ شاعری کا وحدانی مواد — یہ خیال کہ انفرادی خودی الگ بھی ہے اور الٰہی میں مدغم بھی، کہ جدائی اور وحدت بیک وقتی حالتیں ہیں نہ کہ متواتر — ایک خاص زاویے سے، روحانی تجربے کی زبان میں کوانٹم الجھاؤ کی وضاحت تھی۔ اس نے یہ پیش کیا۔

وہ ایک سیمینار روم میں تیس ڈینش طالب علموں اور چار فیکلٹی اراکین کے سامنے کھڑا تھا — اس کے پاس ایک وائٹ بورڈ تھا — اور اس نے بورڈ پر ایک لہرِ فعل کی مساوات لکھی

صوفی اصطلاح شاہ عبداللطیف بھٹائی	کوانٹم میکانیکل تصور (Quantum Concept)[1]
جُدائی — عاشق اور محبوب دو الگ الگ، مقامی طور پر قابلِ شناخت ہستیاں	*Distinctness — entangled particles A and B are spatially separated, individually measurable*
وحدت — دونوں بالآخر دو نہیں ہیں بلکہ ایک ہی وجودی بنیاد ہیں	*Non-separability — the joint system is described by a single, non-factorizable wavefunction |ψ⟩*
"جُد جُد ایک ٹھیو — "جدائی میں ہی وحدت بن گئی جدائی اور وحدت بیک وقت ہیں، متواتر نہیں —	*Quantum Entanglement — measuring spin of A instantaneously determines spin of B regardless of distance — separation and correlation coexist*
چکر — اندرونی تغیرات کے ساتھ چکری تال میل نمونہ، تمام تغیرات بیک وقت لفظی فضا میں موجود	*Superposition — quantum system exists in all basis states simultaneously until measurement collapses it to one*
سماعت کی توجہ کا لمحہ — یہ طے کرنا کہ کون سا تغیر سنا جا رہا ہے	*Wavefunction Collapse — the actualization of one eigenstate from the superposition upon measurement*
فنا — اپنی خودی کو الٰہی میں تحلیل کرنا، پھر بقا کے طور پر دوبارہ ابھرنا	*Decoherence — a quantum system entangled with its environment loses its superposition; quantum coherence "annihilates" into classical correlation*

(1).Khokhar, M. S. (2026). The Wavefunction and the Chakr Structural Isomorphisms Between Quantum Entanglement and Sufi Non-Dualism in Shah Abdul Latif Bhittai. Zenodo. https://doi.org/10.5281/zenodo.20999312

اور پھر اس کے پہلو میں، شاہ عبداللطیف بھٹائی کی دو سطریں

– شاہ عبداللطیف بھٹائی، سُور رام کلی –

آہین آہین سوہنا
من ۾ ماہی میلو
وچھڑیا وچھڑیو نہ
جُد جُدا ایک ٹھیو۔

،ملنا بہت خوبصورت ہے
،دل میں محبوب کو بساؤ
،جو بچھڑے وہ کبھی بچھڑے نہیں
تقسیم میں ہی وحدت بن گئی

اس نے لہرِ فعل کی وضاحت کی: حالتوں کا تطابق — اس چیز کی ریاضیاتی وضاحت جو بیک وقت متعدد حالتوں میں موجود ہو۔ اس نے الجھاؤ کی وضاحت کی: دو ذرات جو ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کر چکے ہوں، اب کسی بھی فاصلے سے جدا ہوں — پھر بھی مربوط رہتے ہیں — ایک پر پیمائش فوری طور پر دوسرے کی حالت متعین کر دیتی ہے۔

:پھر اس نے کہا

"شاہ لطیف نے یہ اٹھارویں صدی میں لکھا تھا۔ وہ ایک صوفی بزرگ تھے، طبیعیات دان نہیں۔ لیکن ان کی بات کا ڈھانچہ — دل میں محبوب، کبھی حقیقی طور پر جدا نہیں، جدائی کی ظاہریت کا وحدت کی حقیقت کے ساتھ ساتھ موجود ہونا — یہی کوانٹم الجھاؤ کا ڈھانچہ ہے۔ دو نظام جنہوں نے تعامل کیا ہے، اپنا ارتباط کسی بھی فاصلے پر برقرار رکھتے ہیں۔

وہ رکا۔ کمرہ بہت خاموش تھا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ شاہ لطیف کوانٹم میکانکس جانتے تھے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ انسان—
حقیقت کے اپنے تجربے کے بارے میں گہری ترین سچائیوں کو بیان کرنے کی کوشش میں— تعلق
اور جدائی کے بارے میں خودی اور جس سے وہ جڑی ہے کے بارے میں— شاعری کے آلے
کے ذریعے اُن وضاحتوں تک پہنچے جن کا ڈھانچہ وہی ہے جو وضاحتوں کا ہے جن تک طبیعیات
ریاضی کے ذریعے پہنچی۔ زبانیں مختلف ہیں۔ ڈھانچے ایک جیسے ہیں۔

سیمینار کے بعد پروفیسر اینڈرسن نے اسے راہداری میں ڈھونڈا۔ "یہ سب سے دلچسپ چیز تھی جو
میں نے بارہ سالوں میں ان نشستوں میں سنی ہے "اس نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اسے
تحریر کرو۔ مناسب طریقے سے۔ ایک مقالے کے طور پر۔"

"یہ مقالہ بننے کے لیے کافی پختہ نہیں ہے۔"

"اسے کافی پختہ بنا دو۔ تم جانتے ہو کیسے۔"

اس نے مقالہ لکھا۔ یہ طبیعیات کا مقالہ نہیں تھا— یہ سائنس کے فلسفے کا مقالہ تھا تکنیکی طور پر—
کوانٹم میکانکی شکل اور صوفیانہ استعاراتی زبان کے درمیان ساختی مشابہتوں کی کھوج۔ اینڈرسن
نے اسے ایک چھوٹے بین الضابطہ جریدے میں بھیج دیا۔ وہ منظور ہو گیا۔ یہ چار ماہ بعد چھپا
ایک جریدے میں جسے دنیا بھر میں تقریباً تین سو افراد پڑھتے تھے۔

اُن تین سو میں سے ایک بڑی کوپن ہیگن تحقیقی یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ پروگرام کا کوآرڈینیٹر تھا۔
اس نے مقالہ دو بار پڑھا مصنف کی وابستگی نوٹ کی اور اسے پروفیسر لارس اینڈرسن کو ایک
نوٹ کے ساتھ آگے بھیج دیا جس میں لکھا تھا:

کیا یہ طالب علم ابھی بھی یہاں ہے؟ کیا وہ پی ایچ ڈی کی پوزیشن تلاش کر رہا ہے؟

باب چھبیس

شمال سے آواز

وہ اپنی بی ایس کی ڈگری مکمل کرنے کے لیے پاکستان واپس آیا۔ آخری سال وہی تھا جس کے لیے اس نے خود کو تربیت دی تھی : منظم کارآمد وہ نتیجہ پیدا کرنا جو اسے پیدا کرنا تھا۔ اس نے فرسٹ کلاس آنرز کے ساتھ گریجویشن کی —یہ نتیجہ کسی چوٹی کی نمائندگی نہیں کرتا تھا بلکہ ایک بنیادی لکیر کی —کم از کم ضرورت جو آگے بڑھنے کے لیے درکار تھی۔

وہ اپنے آخری سال میں سندھی دربار میں کام کرتا رہا — رات کو چاول پکانا اور برتن دھونا اور صبح کو لیکچرز میں بیٹھنا اور دوپہر کو پڑھنا — اور معمول اب اُس آسانی کو پہنچ چکا تھا جو اُس چیز کو حاصل ہوتی ہے جو اتنی دیر کی جائے کہ فطری ہو جائے۔ وہ تیئس سال کا تھا۔ وہ نو سال کی عمر سے کام کر رہا تھا۔ وہ آٹھ سال کی عمر سے سیکھ رہا تھا۔ یہ الگ الگ چیزیں نہیں تھیں۔

سائرہ باجی اس کی گریجویشن میں آئیں۔ وہ یونیورسٹی ہال میں اپنے گہرے شلوار قمیض میں بیٹھی تھیں اپنا چشمہ زنجیر پر لٹکائے — اور اسے اسٹیج پار کرتے اور ڈگری لیتے دیکھا — اور انہوں نے تقریب کے دوران اپنا چہرہ سنبھالے رکھا — اور پھر باہر دھول سے اٹے یونیورسٹی کے صحن میں انہوں نے اپنے آپ کو مختصراً رونے دیا — ایک بار — منہ پھیر کر — اور واپس پلٹیں تو اپنا چہرہ دوبارہ ترتیب دے چکی تھیں اس سے پہلے کہ وہ ان تک پہنچتا۔

انہوں نے اسے ایک تحفہ دیا : ایک مناسب قلم — ایک تکنیکی ڈرائنگ قلم باریک نب کے ساتھ "ایک ڈبے میں۔ انہوں نے کہا" : اُن مساواتوں کے لیے جو تم لکھنے والے ہو۔ —

اس نے اسے تھاما — اور بیرک نمبر تین میں پنسل کے ٹکڑے کے بارے میں سوچا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بعض چیزیں الفاظ کی طاقت سے ماورا ہوتی ہیں — اور صحیح ردِ عمل خاموشی ہے۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

✦ ✦ ✦

پروفیسر اینڈرسن کی ای میل گریجویشن کے تین ہفتے بعد آئی۔

اس میں کہا گیا تھا: وہ کوپن ہیگن میں اپنے تحقیقی گروپ میں کونڈینسڈ میٹر فزکس میں مکمل طور پر فنڈ شدہ ایم فل پوزیشن کی پیشکش کر رہے تھے — جس کے بعد پی ایچ ڈی کا راستہ ایم فل مرحلے میں تسلی بخش پیشرفت پر مشروط تھا۔ فنڈنگ میں ٹیوشن، رہائش، اور ماہانہ وظیفہ شامل تھا۔ تحقیقی مرکز نینو میٹریلز تھا — خاص طور پر، توانائی ذخیرہ کرنے اور طبی ترسیل کے نظاموں میں استعمال کے لیے نئے ڈھانچے کی ترقی۔ یہ پوزیشن ستمبر سے دستیاب تھی۔

اس نے یہ ای میل یونیورسٹی کے کمپیوٹر لیب میں پڑھی — جون کی گرم دوپہر میں — چھت کا پنکھا کم سے کم کام کر رہا تھا — اور لیبارٹری کی عمارت کی خاص مہک — ربڑ اور پرانے کیمیکلز کی — اس کے ارد گرد تھی۔

اس نے اسے دوبارہ پڑھا۔

اس نے سائرہ باجی کے قلم کے بارے میں سوچا۔

اس نے چالیس واٹ کے بلب نشانات اور ادارے کے دروازے پر نیم کے درخت میں گوریا کے بارے میں سوچا۔

اس نے اپنی ماں کے دوپٹے کے بارے میں سوچا — جو اب اتنا گھس چکا تھا کہ وہ کپڑے سے زیادہ نیت تھی — اجرک کا نیلا اور سرخ نمونہ اب بھی دھیما دکھائی دیتا تھا اگر روشنی صحیح ہو۔

اس نے جواب لکھا: ہاں۔

✦ ✦ ✦

اس نے جانے سے پہلے سُغری سے ملاقات کی۔ وہ پھر منتقل ہو چکی تھی — تھوڑا بہتر کمرہ — ایک کھڑکی کے ساتھ جو دیوار کی بجائے گلی میں کھلتی تھی — اور اب اس کے پاس دوسری سلائی مشین تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زیادہ کام لے سکتی تھی۔ وہ پینتیس سال کی تھی۔ اس نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی — اور نہ ہی دوبارہ شادی کے کسی انتظار میں دکھائی دیتی تھی۔ وہ ایک قسم کی خود کفائی پر پہنچ چکی تھی — جو فراوانی نہیں تھی لیکن حقیقی تھی کمائی ہوئی تھی اپنی تھی۔

وہ اس کے ساتھ ایک دوپہر بیٹھا — اور انہوں نے اپنی ماں کے بارے میں بات کی۔ یہ وہ چیز تھی جو انہوں نے اکثر نہیں کی تھی — غم اتنا بڑا تھا کہ برسوں تک براہِ راست اس کے بارے میں بات کرنا ممکن نہیں تھا — اور پھر اس کی قید کے برسوں نے بات نہ کرنے کی ایک اور تہہ ڈال دی — اور جب وہ باہر آیا تو وہ اتنی دیر سے اس کے ارد گرد بات کر رہے تھے کہ ارد گرد کی عادت قائم ہو چکی تھی۔ لیکن اس دوپہر — ستمبر کی روشنی نئی کھڑکی سے آ رہی تھی — اس نے اس سے پوچھا' :کیا تمہیں اس کی آواز یاد ہے؟

ایک توقف۔ سُغری سلائی کر رہی تھی — سوئی کپڑے میں اندر باہر ہو رہی تھی اپنی لمبی مشق کی تال کے ساتھ۔ وہ رک گئی۔

کبھی کبھی 'اس نے کہا۔ 'صبح کے وقت جب میں ابھی جاگتی ہوں۔ میں اسے سنتی ہوں اس' سے پہلے کہ میں پوری طرح جاگ جاؤں۔ صرف اس کی آواز — الفاظ نہیں۔

میں نے لوری کا زیادہ تر حصہ کھو دیا ہے 'اس نے کہا۔ 'میں تال سن سکتا ہوں۔ لیکن الفاظ۔'

میں جانتی ہوں 'سُغری نے کہا۔ اس نے اپنی سلائی نیچے رکھی۔ اس نے گایا۔ نرمی سے — بغیر' کسی اعلان کے — اُس خاص آواز میں جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو کچھ گا رہا ہو جسے اس نے بیس سال میں نہ گایا ہو — لیکن اس کا جسم بھولا نہیں تھا۔

سوجا میرے لالو

نظر نہ لگے تجھے

صبح جو چمکا تارا

وہ تیری آنکھوں میں۔

وہ بالکل ساکت بیٹھا رہا جب وہ گا رہی تھی۔

جب وہ ختم ہوئی تو کمرہ خاموش تھا — سوائے گلی کی آوازوں کے کھڑکی سے اور شہر کے دور دراز کے مشینری کے شور کے۔

اس نے کہا: 'میں اسے لکھ لوں گا۔ میں اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا۔

اس نے سائرہ باجی کا قلم اور اپنی نوٹ بک نکالی — اور اس نے پھر گایا — آہستہ — جب اس نے ہر لفظ لکھا۔

وہ اگلے ہفتے کوپن ہیگن کے لیے اڑ گیا۔

✦ ✦ ✦

موهنجي ڪشتي چل

لهرتے لهر تھي

وطن جو نالو

دل ۾ پر ڪي چل۔

میری کشتی چل

لہر پر لہر سے

وطن کا نام

دل میں بھر کے چل۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب ستائش

ذرات کا رقص



نینو ٹیکنالوجی بے حد چھوٹی چیزوں کا علم ہے۔

چھوٹا اس طرح جیسے ننھا — نہ خاک کے ذرے جیسا نہ ریت کے دانے جیسا نہ زندہ خلیوں کے پیمانے جیسا — بلکہ چھوٹا اُس مقام پر جہاں کلاسیکل فزکس کے قوانین — انسانی تجربے کی روزمرہ فزکس کے گیندوں اور ڈھلوانوں اور دھکیلنے اور کھینچنے والی قوتوں کے — دھندلانے لگتے ہیں اور کوانٹم میکانکس کے قوانین — بہت چھوٹے کی فزکس کے لہروں اور امکانات اور اُن غیر وجدانی رویوں کے جنہیں بیسویں صدی نے دریافت کیا — راج کرنے لگتے ہیں۔

نانوپیمانے پر مواد انسانی پیمانے کے مقابلے میں یکسر بدل جاتے ہیں۔ سونے کا ایک ٹکڑا سونا ہے مگر نانوپیمانے پر وہی سونا سرخ ہے یا نیلا یا سبز— اس کے ذرات کے سائز پر منحصر۔ قوانین— بدل گئے ہیں۔ ڈھانچہ بدل گیا ہے۔ وہی مادہ اپنے نانوسکل فن تعمیر میں سمٹ کر کچھ نیا بن جاتا ہے۔

اللہ واراپو نے اپنا میدان ڈھونڈ لیا تھا۔

وہ ستمبر میں اینڈرسن کے تحقیقی گروپ میں شامل ہوا— اور پہلے چھ ماہ محض لیبارٹری کو سمجھنے میں گزارے۔ یہ وہ عملی تربیت تھی جو اسے ہمیشہ فقدان رہی تھی— آلات طریقہ کار وہ خاص تکنیک اور صبر جو اُن پیمانوں پر کام کرنے کے لیے درکار ہے جہاں انسانی ہاتھ اور انسانی حواس بے کار ہیں جہاں تم نمائندوں کے ذریعے کام کرتے ہو: الیکٹران خوردبین ایٹمی قوت خوردبین طیف پیما— ایسے آلات جن کی آؤٹ پٹ تمہیں پڑھنا سیکھنا ہے جیسے کوئی نئی زبان— ریڈنگز کو طبعی حقائق میں ڈھالنا جنہیں تم کبھی براہِ راست نہیں دیکھ سکتے۔

آلات کے ساتھ اس کی فطری مہارت تھی— ایک ایسا تحفہ جس نے لیب کے دیگر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے اس کے پس منظر اس کی رسمی لیبارٹری تربیت کی کمی کی بنا پر سوچا تھا کہ وہ سیکھنے میں سست ہوگا۔ لیکن وہ تیز بھی تھا اور محتاط بھی— وہ نادر مجموعہ جسے سکھانا سب سے دشوار ہے: اکثر لوگ تیز تو ہوتے ہیں مگر لاپرواہ بہت سے محتاط ہوتے ہیں مگر سست— اور دونوں کا امتزاج اُس خاص قسم کی توجہ کا تقاضا کرتا ہے جو صرف اُنہی میں پیدا ہوتی ہے جو پہلے سے اس کے حامل ہوں۔ وہ تھا۔ اس نے اسے بڑھئی کی ورکشاپ میں ادارے کی باورچی خانے میں ہر اُس کام میں پروان چڑھایا تھا جہاں درستگی سے غلطی مہنگی ہوتی تھی۔

✦ ✦ ✦

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

وہ اینجا لنڈکوسٹ سے اکتوبر میں ملا۔

وہ کونڈینسڈ میٹر گروپ میں تیسرے سال کی پی ایچ ڈی کی طالبہ تھی۔ نینو پارٹیکل سطحوں کے ساتھ پروٹین کے تعاملات پر کام کرتی۔ یہ معمہ کہ نینو پارٹیکل جب حیاتیاتی ماحول میں داخل ہوتے ہیں تو کیسے برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ وہ سوال ہے جو لیبارٹری کی سائنس اور عملی طب کے درمیان کھڑا ہے۔ وہ ڈنمارک کے شہر آرہس سے تھی۔ سنہرے بالوں والی اُس خاص نورڈک خوبصورتی کے ساتھ جو اسے ہر بار حیران کر دیتی۔ اس لیے نہیں کہ وہ اسے پہلے نہ دیکھ چکا تھا بلکہ اس لیے کہ اس کا بصری نظام ابھی تک اُس رنگین حقیقت سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہوا تھا۔

وہ پہلے اس کے پاس آئی۔ یہ اس کا ڈھنگ تھا سیدھا اور بے تکلف ایک گروپ سیمینار کے بعد جس میں اس نے پروٹین کورونا اثر پر ایک سوال اٹھایا تھا جو اسے تکنیکی طور پر دلچسپ اور ہلکا سا چڑچڑا دونوں لگا۔ کیونکہ اس نے اس کے تجرباتی ڈیزائن میں اُس خامی کی طرف اشارہ کیا تھا جسے وہ خود نظر انداز کیے جا رہی تھی۔

کورونا کے بارے میں وہ سوال 'اس نے کہا بعد میں اسے راہداری میں روک کر۔ پیمائش کے' 'طریقہ کار کے بارے میں آپ کو کوئی خاص تشویش ہے؟

میرے خیال میں سینٹری فیوج کا مرحلہ پیمائش سے پہلے کورونا کی ساخت کو بگاڑ دیتا ہے۔ اگر کورونا نازک ہے

میں جانتی ہوں۔ میں خود اس پر سوچ رہی ہوں۔'

کیا آپ نے کرائیو-ای ایم پر غور کیا؟'

ہاں۔ یہ مہنگا ہے اور رسائی محدود'

لیکن اگر سینٹری فیوج کا مصنوعہ نتائج کو متاثر کرنے کے لیے کافی اہم ہے'

پھر نتائج کو کرائیو-ای ایم سے دہرانا ہوگا ہاں۔ 'وہ رکی۔ وہ اسے اُس نگاہ سے دیکھ رہی تھی جو' اُس شخص کی ہوتی ہے جسے ابھی وہ بات بتائی گئی ہو جسے سننا ضروری تھا — اور اب وہ فیصلہ کر رہی تھی کہ شکر گزار ہو یا مزاحم۔ اس نے شکر گزاری کو چنا۔ 'آپ پریشان کن حد تک درست کہتے ہیں۔



اس نے کہا': اگر آپ دوسرا نقطہ نظر چاہیں تو میں پیمائش کے پروٹوکول کو نئے سرے سے ڈیزائن 'کرنے میں مدد کر سکتا ہوں۔

میں سوچوں گی۔

اس نے سوچا۔ اور واپس آئی۔ انہوں نے چھ شامیں لیب میں اس کےپیمائشی طریقہ کار کو دوبارہ ترتیب دینے میں گزاریں — اور اُن شاموں میں گفتار پھیلتی گئی جس طرح چھوٹے کمروں میں رات گئے سائنسدانوں کی باتیں پھیلتی ہیں — مخصوص تکنیکی سوالوں سے نکل کر وسیع تر انسانی معانی تک۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ دونوں ایسے تھے جو اپنے کام کو بڑے سوالوں کے تناظر

یں دیکھتے تھے -- نہ صرف کیا ڈھونڈ رہے ہیں بلکہ اس کا کیا مطلب ہے یہ کس لیے ہے یہ کہاں تک پہنچتا ہے۔

اس نے چوتھی شام اس سے پوچھا' :نینو ٹیکنالوجی ہی کیوں؟

اس نے سوچا۔ 'کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں چھوٹا حقیقی سے ملتا ہے 'اس نے کہا۔ 'نانو پیمانے پر کوانٹم اثرات -- جو عام طور پر صرف تجریدی تجربات میں نظر آتے ہیں -- مواد اور حیاتیات پر براہِ راست اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ تم کوانٹم میکانی مظاہر کو استعمال کرتے ہوئے ایسے مواد ڈیزائن کر سکتے ہو جو بڑی دنیا میں کچھ نہیں کرتا۔ اور تم ان مواد کو زندہ نظاموں کے اندر رکھ سکتے ہو -- دوا کی ترسیل تشخیص -- اور کوانٹم پیمانہ انسانی پیمانہ بن جاتا ہے۔ چھوٹا حقیقی بن جاتا ہے۔

اس نے اسے دیکھا۔

میرے لیے یہ -- 'وہ رکا۔ 'یہ دیواروں کے بارے میں سوچنے کے ایک طریقے سے شروع ہوا۔' اس فرق کے بارے میں کہ دیواریں کیسی دکھتی ہیں اور وہ کیا ہیں۔ دیواریں زیادہ تر خالی جگہ ہیں۔ ہر چیز زیادہ تر خالی جگہ ہے۔ اگر تم صحیح پیمانے پر ساخت کو سمجھ لو تو ٹھوس چیزیں وہ نہیں ہیں جو دکھائی دیتی ہیں۔

وہ ایک لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی' :یہ یا تو سب سے شاعرانہ انداز ہے یا سب سے پریشان کن 'جو میں نے کبھی کسی کی تحقیقی ترغیب کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ --

شاید دونوں 'اس نے کہا۔'

اس نے کہا' :شاید دونوں ہی۔

ان کے درمیان جو محبت پروان چڑھی وہ اُن لوگوں کی محبت تھی جو ایک دوسرے میں حقیقی دلچسپی رکھتے ہوں -- مکمل معنوں میں -- ایک دوسرے کے ذہنوں میں اُس خاص طریقے میں جس طرح وہ دنیا میں گامزن ہوتے ہیں مسائل سلجھاتے ہیں اور تضادات کو سمیٹ لیتے ہیں -- یہ

محبت گرم اور حقیقی تھی — اور اس کی بنیاد ایک باہمی احترام تھا جسے کوئی بھی معمولی نہیں سمجھتا تھا۔

✦ ✦ ✦

پھر وہ شامیں آئیں — جو بس ان کی تھیں۔

جب لیب میں دن کا کام ختم ہوتا تو اللہ وارایو اپنا سفید کوٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیتا انجا اپنے بالوں کو سنبھالتی اور وہ دونوں یونیورسٹی کی مرکزی عمارت سے باہر نکل آتے۔ کوپن ہیگن کی شام — چاہے بہار ہو یا خزاں — ایک الگ ہی حسن رکھتی تھی۔ ہوا ٹھنڈی آسمان میں بادلوں کے پرے ستارے جھانکنے لگتے۔ وہ اکثر پیدل چلتے سائیکل نہیں لیتے تھے تاکہ باتوں کو لمبا کھینچ سکیں۔

پہلے وہ یونیورسٹی کے مرکزی کیمپس کے صحن میں سے گزرتے — جہاں ایک پرانی عمارت تھی جسے "کے بی" (Københavns Universitets gamle bygning) کہتے تھے۔ اس کی دیواروں پر سبز رنگ کی چڑھائی تھی اور اس کے سامنے ایک چھوٹا سا چمنستان تھا جہاں طلبہ دوپہر میں بیٹھا کرتے۔ مگر شام کے وقت یہ جگہ سنسان ہو جاتی — صرف کبھی کبھار کوئی ریسرچ طالب علم اپنی کتابوں میں کھویا نظر آتا۔ اللہ وارایو اور انجا وہاں سے گزرتے ہوئے کبھی کبھی رک کر اس پرانی عمارت کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتے — جن میں روشنیاں جل رہی ہوتیں۔ انجا کہتی": وہاں بوہر کا پرانا دفتر تھا۔ "اور اللہ وارایو سوچتا کہ جس کمرے میں کبھی کوانٹم انقلاب کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کی روشنی اب بھی پوری یونیورسٹی میں پھیلی ہوئی ہے۔

پھر وہ مشرق کی طرف مڑ جاتے — دریائے "لانگے (Langebro) "کے پل کی طرف۔ یہ پل شہر کے دو حصوں کو جوڑتا تھا۔ جب وہ پل پر پہنچتے تو ہوا تیز ہو جاتی انجا اپنے کوٹ کو کھینچ کر باندھتی اور وہ دونوں پل کے بیچ میں رک کر پانی کی طرف دیکھتے۔ پانی پر جہاز رانی کی روشنیاں چمکتیں دور سے ایک بڑی کشتی کی سیٹی سنائی دیتی۔ اللہ وارایو نے ایک بار کہا تھا ":

اللہ وارایو نے بندرگاہ کے ٹھنڈے پانی کو دیکھتے ہوئے کہا

یہ دریا مجھے سندھ کی یاد دلاتا ہے — وہاں دریائے سندھ بہتا ہے، یہاں یہ بندرگاہ ہے — دونوں پانی" ہیں، دونوں دور لے جاتے ہیں۔

:وہ خاموش ہوا، پھر بولنے لگا — جیسے وہ کوئی پرانی کہانی دہرا رہا ہو

دریائے سندھ پانچ ہزار سال سے بہہ رہا ہے — اُس وقت سے جب انسان نے پہلی بار اس " کے کنارے قدم رکھے تھے۔ ابتدا میں انسان اس دریا کے بہاؤ کے ساتھ چلتا تھا — جہاں دریا رکتا، وہاں وہ بسیرا بناتا۔ جہاں دریا مڑتا، وہاں اس کی تہذیب بھی مڑتی۔

دریائے سندھ کی محبت ہمارے ڈی این اے میں رچ بس گئی ہے — بالکل ویسے ہی جیسے دو ذرات آپس میں کوانٹم طور پر الجھ جاتے ہیں — ہم اس سے کبھی حقیقی طور پر جدا نہیں ہو سکتے۔ چاہے ہم کوپن ہیگن کی بندرگاہ پر کھڑے ہوں۔ ایک ذرّہ یہاں ہو، دوسرا ذرّہ سندھ کے کسی، گاؤں میں — پھر بھی ان کے درمیان وہی تعلق، وہی پہچان۔

انجا نے اس کا ہاتھ تھام لیا — اور کچھ نہ کہا۔

وہ کبھی "نی ہیون" بھی جاتے — وہ مشہور بندرگاہ جہاں رنگ برنگی عمارتیں قطار میں کھڑی تھیں اور پرانے جہاز لنگر انداز تھے۔ مگر وہ ہجوم کی جگہوں سے بچتے — کسی ویران گلی کے کونے میں بیٹھ جاتے جہاں صرف ایک پرانی لالٹین جل رہی ہوتی۔ انجا اپنے بیگ میں سے گرم چائے کا تھرماس نکالتی اور وہ دونوں چائے پیتے۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہوتے — پرندوں کی آواز دور سے کسی کلیسا کی گھنٹی اور ہوا کی سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

Botanisk) " کیمپس کے اندر ایک جگہ تھی جسے وہ دونوں خاص پسند کرتے — "بوٹینیکل گارڈن کے قریب ایک پرانا بینچ جہاں ایک بہت پرانا بلوط کا درخت تھا۔ اس درخت کی (Have شاخیں اتنی پھیلی ہوئی تھیں کہ نیچے ایک چھوٹی سی چھتری بن جاتی تھی۔ وہاں وہ اکثر دوپہر کو

بیٹھتے — جب لیب میں وقفہ ہوتا — اور اپنے مقالوں پر بات کرتے۔ مگر شام کو یہ جگہ اور بھی حسین لگتی — جب سورج ڈھلتا اور درخت کی چھتری کے نیچے سے جھانکتی روشنی ان کے چہروں پر پڑتی۔

— ایک شام انجا نے اپنے خاندان کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ اس کے والد ایک ڈاکٹر تھے لیکن وہ اپنی بیٹی کو سائنسدان نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ انجا نے کہا" :وہ چاہتے تھے کہ میں ڈاکٹر بنوں مگر میں نے فزکس کا انتخاب کیا — وہ ناراض ہوئے تھے۔ پھر جب میں نے پی ایچ ڈی شروع کی تو وہ خاموش ہو گئے — شاید اب مجھ پر فخر کرتے ہیں لیکن کبھی بتاتے نہیں۔ "اللہ وارایو نے کہا" :میرے والد نہیں تھے — میں تو اپنی ماں کو جانتا ہوں جو مر چکی ہے۔ شاید وہ آج مجھے دیکھ کر روتی — خوشی سے۔ "دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر انجا نے اپنا خواب بتایا — ایک خواب جو اس نے بچپن میں دیکھا تھا۔ اس نے کہا :"میں نے میری کیوری (Marie Curie) کی سوانح عمری پڑھی تھی — وہ عورت جس نے دو بار نوبل انعام جیتا جسے ان کی اپنی یونیورسٹی میں لیبارٹری دینے سے انکار کر دیا گیا تھا مگر اس نے خود اپنی لیب بنا لی۔ میں نے سوچا — اگر وہ کر سکتی ہے تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ "اللہ وارایو نے کہا: "تمہارا خواب بہت بڑا ہے — اور تم اسے پورا کرو گی۔ "انجا نے پوچھا" :تمہارا خواب کیا ہے؟" اس نے کہا" :میرا خواب تو پورا ہو چکا — میں جیل سے باہر ہوں میں فزکس پڑھ رہا ہوں میں نے تمہیں پایا۔ بس اب اپنے لوگوں کے لیے کچھ کرنا ہے۔"

اور پھر وہ دن آیا جب دونوں رو پڑے۔ یہ کوئی جھگڑا نہیں تھا — نہ کوئی تلخ بات۔ وہ ایک شام بوٹینیکل گارڈن کے اس پرانے بینچ پر بیٹھے تھے اور انجا نے اچانک اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس نے کہا" :میں نے آج اپنی ماں کو فون کیا — وہ بیمار ہیں کینسر ہے۔ وہ نہیں چاہتیں کہ میں واپس جاؤں کہتی ہیں — 'تم اپنی تحقیق کرو'۔ لیکن میں نے پہچان لیا اس کی آواز میں — وہ

ڈر گئی تھیں۔ "اللہ وارایو کی آنکھیں بھر آئیں — وہ اسے روک نہ سکا۔ اس نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا": میری ماں بھی اسی طرح تھی — کھانسی کو چھپاتی تھی مجھے بتاتی تھی کہ 'سب ٹھیک ہے'۔ مگر میں نے اس کی کھانسی سنی تھی — اور پھر ایک دن وہ رکی۔ "وہ دونوں خاموش ہو کر روئے — کوئی بڑا رونا نہیں بس آنکھوں میں آنسو تھے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

انجا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا — اور وہ اس طرح بیٹھے رہے یہاں تک کہ آسمان پر ستارے پوری طرح نکل آئے۔ اس رات وہ جلدی اپنے اپارٹمنٹ واپس نہیں گئے — وہ چپ چاپ چلتے رہے گلیوں میں بغیر کسی منزل کے۔ جب وہ واپس پہنچے تو انجا نے کہا": تم نے مجھے وہ طاقت دی ہے جو میری ماں نے نہیں مانگی تھی — سننے کی۔ "اللہ وارایو نے کہا": تم نے مجھے وہ جگہ دی ہے جہاں میں بنا ڈرے اپنا دکھ کہہ سکتا ہوں۔ "وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے — اور پھر سوتے وقت انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

اگلی صبح جب اللہ وارایو لیب میں پہنچا تو اس نے اپنی میز پر ایک چھوٹا سا نوٹ دیکھا — انجا کے ہاتھ کا لکھا ہوا": میں اپنی ماں کو خط لکھوں گی اور تم تمہاری ماں کے لیے جو کچھ لکھنا چاہتے ہو لکھ سکتے ہو۔ "اللہ وارایو نے اپنی ڈائری کے پہلے صفحے پر اپنی ماں کا نام لکھا — اور پھر اس کے نیچے": آج میں تمہارے بیٹے نے وہ سیکھ لیا جو تم کبھی نہیں جان سکی — کہ محبت صرف ملنے کا "نام نہیں بلکہ کھو کر بھی ملے رہنے کا نام ہے۔

✦ ✦ ✦

تحقیق اپنی راہ پر گامزن تھی۔

پہلے چھ مہینوں میں اس کے پچاس فیصد سے زیادہ تجربات ناکام رہے نانوٹیوب مطلوبہ شکل میں نہیں اگے سطح کی کوٹنگ یکساں نہیں تھی

وہ ایک نئے نانو ڈھانچے پر کام کر رہا تھا — ایک مرکب مواد جو کاربن پر مبنی نانوٹیوبوں کو ایک خاص آکسائیڈ سطح کی کوٹنگ کے ساتھ جوڑتا تھا جو حیاتیاتی جھلیوں کے ساتھ ٹیوب کے تعامل کو بدل

دیتی تھی۔ خیال یہ تھا: علاجی مالیکیولز کی ترسیل کے لیے ایک سواری تیار کی جائے جو موجودہ نظاموں سے کہیں زیادہ مؤثر طریقے سے حیاتیاتی رکاوٹوں کو عبور کر سکے — نانو ڈھانچے کی کوانٹم سرنگ زنی خصوصیات کا استعمال کرتے ہوئے — اُن جھلیوں کو چیرتا ہوا جو روایتی مالیکیولر ترسیل کو روک دیں گی۔

یہ تصور نیا نہیں تھا — نانو ڈھانچوں کے ذریعے مالیکیولر ترسیل ایک کھلا میدان تھا۔ جو اس کا اپنا تھا وہ سطح کی مخصوص ترمیم تھی — کاربن کے سبسٹریٹ اور آکسائیڈ کی پرت کا ایک خاص ایٹمی ترتیب میں ملاپ جو اس نے پہلے اصولوں سے اخذ کیا تھا — اسے طریقے سے جسے پروفیسر اینڈرسن نے شعبہ کے سیمینار میں یوں بیان کیا" :ایک نقطہ نظر جو میں نے اس سیاق میں کبھی "برتا ہوا نہیں دیکھا — اور جو بالکل صحیح نکلا۔

اس کا پہلا مقالہ دوسرے سال میں چھپا: " سطح پر ترمیم شدہ کاربن نانوٹیوب ڈھانچے برائے بہتر جھلی پارگمیتا: ایک پہلے اصولوں کا نقطہ نظر۔" اسے ایک جریدے نے قبول کیا جس کا اثرانداز عنصر دیکھ کر اینڈرسن نے ابرو اٹھا لیے۔ دوسرا مقالہ آٹھ ماہ بعد آیا — پہلے مقالے کی نظریاتی پیش گوئیوں کی تجرباتی تصدیق۔

✦ ✦ ✦

کوپن ہیگن کی ایک شام تھی — نومبر کی ٹھنڈی شام جب دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور راتیں لمبی۔ لیب میں دن بھر کے ایٹمی قوت خوردبین کے اسکین اور نینو ڈھانچوں کی جانچ کے بعد اللہ وارایو نے اپنا کمپیوٹر بند کیا اور انجا کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی اس کے سنہرے بال اس کے چہرے پر جھوم رہے تھے۔

آج فلم دیکھتے ہیں "اس نے کہا۔"

انجا نے سر اٹھایا — حیرت سے کیونکہ وہ شاذ ہی تفریح کے لیے وقت نکالتا تھا۔ اس کے لیے ہر رات پڑھنے کی رات ہوتی تھی ہر دن سیکھنے کا دن۔ لیکن اس شام اس کی آواز میں کچھ اور تھا — ایک خواہش شاید کسی لمحے کو بے مقصد گزارنے کی۔

فلم؟ تم؟ "انجا نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"ہاں — میں۔ چلو میں تمہیں وہاں لے چلتا ہوں جہاں سائنس خواب بن جاتی ہے۔"

وہ لیب سے نکلے — ہوا ٹھنڈی تھی لیکن آسمان صاف تھا۔ انجا نے اس کا بازو پکڑ لیا اور وہ کے بی سے نکل کر شہر کے مرکز کی طرف بڑھ گئے — جہاں سٹی ہال اسکوائر کے قریب ایک عمارت کھڑی تھی جو کسی رنگین محل سے کم نہ تھی۔

پالاڈس تیئیٹریٹ — یا جیسے لوگ اسے کہتے تھے، پالیٹ۔

یہ کوپن ہیگن کے قدیم ترین سینما گھروں میں سے تھا جو 1918 میں کھلا تھا — اس وقت یورپ کا سب سے بڑا سینما جس میں تین ہزار نشستیں تھیں۔ اللہ وارایو نے اس کی بنیاد کی تاریخ کے بارے میں کچھ پڑھا تھا لیکن جب اس نے اسے سامنے دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ عمارت کا ڈیزائن نیو کلاسیکل تھا — اطالوی نشاۃ ثانیہ کے عناصر کے ساتھ مگر 1989 میں ایک مشہور فنکار پول گرنیس (Poul Gernes) نے اسے پلک نیلے پیلے اور گلابی پیسٹل رنگوں میں رنگ دیا تھا۔ اب یہ کسی بڑے کینوس کی طرح شہر کے بیچوں بیچ کھڑی تھی — روشنیوں میں چمکتی ہوئی۔

یہ سینما ہے؟ "اللہ وارایو نے حیرت سے پوچھا۔"

یہ کوپن ہیگن کا دل ہے "انجا نے کہا۔ "یہاں 1918 سے فلمیں چل رہی ہیں۔ میرے نانا نانی" بھی یہاں آتے تھے۔

عمارت کے سامنے پیتل کی ایک تختی لگی تھی، جس پر کندہ تھا: "پالاڈس تیئیٹریٹ – قیام ۱۹۱۸"۔ دروازے کے اوپر، چھت پر، کائی نیلسن کا مشہور مجسمہ "ارسس اینڈ دی بُل" نصب تھا – جو ۱۹۴۹ سے اس عمارت کا نگہبان تھا۔

اندر داخل ہوئے تو ان کی سانسیں رک گئیں۔

ایک بہت بڑا ہال تھا – جس کی چھت پر اطالوی نشاۃ ثانیہ کے نقش و نگار تھے اور بھاری جھاڑیں)فانوس (سنہری زنجیروں سے لٹک رہی تھیں۔ دیواروں پر پرانے زمانے کے پلاسٹر کے کام تھے اور فرش پر سنگ مرمر کے پتھر جڑے ہوئے تھے۔ یہ کوئی عام سینما نہیں تھا – یہ ایک محل تھا جیسا کہ اس کے نام کا مطلب تھا۔

وہ دونوں آخری قطار میں بیٹھ گئے – تھوڑے کنارے پر جہاں لوگ کم تھے۔ نشستیں سرخ مخمل کی تھیں – پرانی مگر خوبصورت جیسے وہ کئی نسلوں کے راز سن چکی ہوں۔ آج کل اس سینما میں سترہ اسکرینیں تھیں اور انہوں نے ایک ایسی فلم کا انتخاب کیا جو اللہ وارایو کے دل کے قریب تھی –

"اینٹ مین" (Ant-Man)۔

– فلم شروع ہوئی۔ جب اسکرین پر ننھے ذرّے حرکت کرنے لگے اور کوانٹم دنیا کے مناظر آئے جہاں ایٹم بھی پہاڑ لگتے تھے اور خلا میں چیونٹیاں سواری کرتی تھیں – تو انجا کی آنکھیں بڑی ہو گئیں۔ وہ کبھی ہنستی کبھی بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیتی۔

اللہ وارایو خاموش بیٹھا رہا – لیکن اس کی آنکھوں میں وہی پرانی چمک تھی جو مساواتوں کے سامنے آتی تھی۔ وہ فلم میں نہیں بلکہ اپنے مستقبل کے منصوبوں کو دیکھ رہا تھا – نینو ذرّے دوائیوں کی ترسیل کینسر کے خلیوں میں گھسنے والی مشینیں اور وہ سب کچھ جو وہ اس وقت اپنی لیب میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

فلم ختم ہوئی تو ہال میں روشنیاں جل گئیں۔ لوگ اٹھ کر چلنے لگے لیکن وہ دونوں دیر تک بیٹھے رہے — سرخ مخمل کی نشستوں پر اس پرانی عمارت کی خاموشی میں۔

باہر نکلے تو ہوا اور بھی ٹھنڈی تھی — مگر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ انجا نے اپنا کوٹ باندھا اور اس کی طرف دیکھا۔ اللہ وارایو نے ایک لمحے خاموشی سے عمارت کی طرف دیکھا — جہاں پول گرنیس کے رنگے ہوئے دیواروں پر شہر کی روشنیاں پڑ رہی تھیں، اور اوپر چھت پر وہ پرانا مجسمہ "ریچھ اور بیل" تاریک آسمان میں کھڑا تھا۔

:پھر اس نے کہا

تم جانتی ہو — اگر ہم اپنی نینوٹیکنالوجی ریسرچ کو یوں ہی بڑھاتے رہے تو جو آج ہم نے اس فلم" میں دیکھا — ذرّوں کے درمیان سفر کوانٹم دنیا میں قدم اور وجود کو چھوٹے سے چھوٹے "پیمانے پر ڈھال لینا — وہ کل اس انسانیت کا حقیقی مستقبل ہوگا۔

انجا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ کچھ نہ کہنا چاہتی تھی — لیکن اس کی آنکھوں میں وہ سوال تھا جو "وہ پوچھ رہی تھی" :اور ہم اس مستقبل میں کہاں ہوں گے؟

اللہ وارایو نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبایا — اور کہا" :ہم وہ ہوں گے جو اسے لکھیں گے۔

وہ دونوں خاموشی سے سینما سے نکل کر گلی میں آ گئے — اور پالاڈس تیئیٹریٹ کی رنگین دیواریں، جو ۱۹۱۸ سے شہر کے دل میں کھڑی تھیں، ان کے پیچھے روشنیوں میں چمک رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

وہ لیبارٹری ڈیٹا جو دکھا رہا تھا کہ نانو ڈھانچے بالکل ویسے ہی برتاؤ کر رہے ہیں جیسا کہ ماڈل نے کہا تھا۔ تیسرا مقالہ پہلے سے زیرِ تیاری تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

شام کے وقت جب لیب کی روشنیاں بجھ جاتیں وہ اور انجا کبھی کبھی اب اپارٹمنٹ کے چھوٹے سے باورچی خانے میں اکٹھے کھانا پکاتے

انجا کا فلیٹ یونیورسٹی کے کیمپس سے دس منٹ کی پیدل دور تھا — ایک نئی عمارت کی تیسری منزل پر۔۔

یونیورسٹی کے قریب ایک دو کمروں کا فلیٹ — سادہ سا فرنشن — اس کی کتابیں ایک طرف اس کی دوسری طرف — اور ان کے ریاضی کے نوٹ میز پر گتھم گتھا۔ وہ سندھی کھانا پکاتا جب صحیح اجزاء مل جاتے — اور باورچی خانے میں سرسوں کے تیل اور زیرے کی خوشبو گھل جاتی — اور اس نے مصالحوں کی اُس سطح کے ساتھ کھانا سیکھ لیا جسے وہ معمول سمجھتا تھا اور وہ اُسے — اوپیرا کہتی تھی۔ وہ ڈینش اوپن فیس سینڈوچ بناتی اُن دنوں جب کھانا پکانے کا وقت نہ ہوتا اور اس نے انہیں ایک سچی دلچسپی کے ساتھ پسند کرنا سیکھ لیا جس سے وہ اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتی جتنا وہ جانتا تھا۔

وہ — کسی بھی پیمانے پر — خوش تھا۔

وہ خوشی جو ریلیف کے بعد آتی ہے — وہ نہیں۔ نہ وہ خوشی جو پچھلی مصیبت کے نہ ہونے کے مترادف ہو — بلکہ ایک فعال آگے بڑھتی ہوئی خوشی — اُس شخص کی خوشی جو اپنی چنی ہوئی راہ پر — گامزن ہو — ایسی سمت میں جو صحیح محسوس ہو — اُس کے ساتھ جسے اس نے اپنائے رکھا ہو اور وہ کام جو اسے پسند ہو — اور ایک ذہن جو اسے مسائل میں پوری طرح مگن ہو جو حل کرنے کے قابل ہوں۔

اس نے اسے محسوس کیا۔ اسے نوٹ کیا — بغیر اس سے حمٹے — کیونکہ اس نے سیکھ لیا تھا)یہی ہے جو آٹھ سال سکھاتے ہیں (کہ حالات بدلتے ہیں۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو اس میں رہنے دیا — پوری طرح — جو خوشی کی واحد حقیقی شکل ہے۔

لیکن اِس خوشی کے ساتھ ایک اور چیز بھی تھی: فہم کا عمل—وہ مقام جہاں آلات کی بے رحم —درستگی اور نظریاتی مساواتوں کی خوبصورتی آپس میں مِل کر ایک نئی قسم کا علم تخلیق کرتی ہیں جو نہ خالص تجربہ ہے نہ خالص حساب بلکہ دونوں کا وہ امتزاج ہے جہاں اصلی جادو سرزد ہوتا ہے۔

نئی لیبارٹری میں اس کا پہلا مہینہ ایک طویل سمجھنے کا مرحلہ تھا—جہاں ہر آلہ ایک نئی زبان تھی اور ہر ناکامی ایک نیا سبق۔

کلین روم میں قدم رکھنا—جہاں ہوا کو ہر ذرّے سے پاک کر دیا جاتا ہے جہاں تم خصوصی گاؤن دستانے ماسک اور بالوں کا جال پہنتے ہو—اس کے لیے ایک رسم تھی۔ ہر بار جب وہ ایئر شاور سے گزرتا—تیز ہوا کے جھونکے اس کے جسم سے باہر کی گرد اڑا دیتے—وہ سوچتا: یہ وہی ہے جو میں نے اپنے ذہن کے ساتھ کیا۔ باہر کی دھول صاف کی۔ اندر کی ساخت کو برقرار رکھا۔

کلین روم کے اندر روشنی سفید اور یکساں تھی—کوئی کھڑکیاں نہیں صاف سطحیں ہوا کا مستقل ہلکا سا گنگنانا۔ یہاں وہ الیکٹران خوردبین کے سامنے گھنٹوں بیٹھتا—ایک ایسا آلہ جو الیکٹران کی کرن کو نمونے پر فوکس کرتا تھا جس کی طاقت اتنی تھی کہ وہ انفرادی ایٹم دکھا سکے۔ پہلی بار جب اس نے اپنے بنائے ہوئے کاربن نانوٹیوب کی تصویر اسکرین پر دیکھی—کاربن کے ایٹموں کا چھ کونوں والا جال ایک کامل سلنڈر میں لپٹا ہوا جس کا قطر انسان کے بال سے دس ہزار گنا پتلا تھا وہ دیر تک بے زبان رہا۔—

یہ وہی چیزیں تھیں جن کے بارے میں اس نے پڑھا تھا۔ وہ پڑھنے سے دیکھنے کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔

لیکن دیکھنا کافی نہیں تھا۔ اسے تعمیر کرنا تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

سنتھیسس لیب — جہاں نینو مواد جنم لیتے تھے — اس کا دوسرا گھر تھا۔ یہاں کیمیائی بخارات جمع کے چیمبر تھے — بھٹی نما آلات جو کاربن والی گیسوں کو انتہائی بلند درجہ حرارت پر (CVD) کرنے توڑ کر نانوٹیوب اگاتے تھے۔ اس نے سیکھا کہ درجہ حرارت میں ایک ڈگری کی تبدیلی یا گیس کے بہاؤ میں معمولی سی کمی پوری ساخت کو بے کار کر سکتی ہے۔ اس نے سیکھا کہ کامیابی اور ناکامی کے درمیان فرق اکثر ایک ایسی غلطی ہوتی ہے جسے تم پہچانتے ہی نہیں — جب تک کہ تم نے وہی غلطی سو بار نہ کر لی ہو۔

اس نے سو بار کی۔

نمونے آلودہ ہو گئے۔ ہر ناکامی کے بعد وہ اپنی لیب نوٹ بک اور اعداد و شمار کے پاس لوٹتا درجہ حرارت کے لاگ گیس کے بہاؤ کے گراف اپنی تحریروں کا دوبارہ جائزہ لیتا — اور پھر اگلی صبح نیا تجربہ ترتیب دیتا۔

اینڈرسن نے اسے ایک بار کہا": زیادہ تر لوگ ناکامی کو اپنی ذات پر لیتے ہیں۔ تم اسے محض معلومات کی طرح لیتے ہو۔ یہی فرق ہے۔

آہستہ آہستہ اس کی کامیابی کی شرح بڑھنے لگی۔ اس نے نانوٹیوب کی سطح پر آکسائیڈ کی کوٹنگ کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا — ایک تکنیک جس میں وہ پہلے نانوٹیوب کو پلازما سے چالو کرتا پھر ایک خاص درجہ حرارت پر آکسائیڈ کے محلول میں ڈبوتا اور پھر نائٹروجن ماحول میں خشک کرتا۔ یہ طریقہ اتنا مؤثر تھا کہ لیب کے دوسرے افراد بھی اسے اپنانے لگے۔

لیب کے دیگر افراد کے ساتھ اس کے تعلقات بھی اسی طرح بڑھے جیسے اس کی سمجھ بڑھ رہی تھی — آہستہ ٹھوس حقیقی۔

ماریہ — ایک اطالوی پوسٹ ڈاک — ایٹمی قوت خوردبین چلاتی تھی۔ یہ آلہ ایک تیز سوئی سے نمونے کی سطح کو اس قدر نزاکت سے اسکین کرتا تھا کہ وہ انفرادی ایٹموں کے درمیان کی قوتوں کو

بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے ماریہ سے ایٹمی قوت خوردبین چلانے کے باریک راز سیکھے — کمپن سے بچاؤ کی میز کی اہمیت، سوئی کی پیمائش، اور یہ کہ کب تمہیں اسکین کے پیرامیٹرز بدلنے ہوتے ہیں جب نمونہ غیر متوقع حرکت کرے۔

تھامس — ایک جرمن پی ایچ ڈی طالب علم — رامان طیف بینی کا ماہر تھا۔ یہ وہ تکنیک ہے جس میں لیزر کی روشنی نمونے پر مرکوز کی جاتی ہے اور روشنی کے بکھرنے کے انداز سے مواد کی سالماتی ساخت کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ تھامس نے اسے سکھایا کہ رامان سپیکٹرا میں موجود چوٹیوں کو کیسے پڑھا جاتا ہے — ہر چوٹی ایک خاص کمپن کی نشاندہی کرتی ہے جیسے کاربن کے ایٹموں کا پھیلنا اور سکڑنا یا سطح پر موجود کیمیائی گروہوں کی حرکت۔ اس نے سیکھا کہ ایک معمولی سی چوٹی — جسے نظر انداز کرنا آسان تھا — دراصل اس کے نانوٹیوب پر آکسائیڈ کی کوٹنگ کی موجودگی کی تصدیق کرتی تھی۔

کے ساتھ کام کرتی تھی۔ یہ (cryo-EM) اینجا — جیسا کہ پہلے ذکر ہوا — کرائیو-الیکٹران خوردبین وہ تکنیک ہے جس میں نمونوں کو منجمد کر کے انتہائی کم درجہ حرارت پر دیکھا جاتا ہے تاکہ ان کی اصل ساخت برقرار رہے۔ اس کے ساتھ مل کر اس نے پروٹین کورونا کا مطالعہ کیا — پروٹین کی وہ تہہ جو نینو پارٹیکل کے گرد فوری طور پر بن جاتی ہے جب وہ کسی حیاتیاتی سیال میں داخل ہوتا ہے اور جو اس کے رویے کو یکسر بدل سکتی ہے۔ اس کے کرائیو EM- تجربات نے ثابت کیا کہ اس کا سطحی ترمیم شدہ نانوٹیوب روایتی طریقوں سے کم پروٹین جذب کرتا تھا — جس کا مطلب تھا کہ یہ خون میں زیادہ دیر تک فعال رہ سکتا ہے اور اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے مدافعتی نظام کی پکڑ میں نہیں آئے گا۔

اُن مشترکہ راتوں میں — جب لیب کے دوسرے لوگ جا چکے ہوتے اور کلین روم کی سفید روشنیاں اکیلے آلات کو روشن کر رہی ہوتیں — وہ باتیں کرتے جو صرف سائنسدانوں کی ہوتی ہیں:

یہ ڈیٹا پوائنٹ تمہیں آؤٹ لائر لگتا ہے یا کوئی نیا رجحان؟ "یا "اگر ہم پی ایچ کو 7.2 پر سیٹ کر دیں" تو شاید یہ جمنا کم ہو جائے۔ "اور بعض اوقات خاموشی میں جب وہ سپیکٹرا کا تجزیہ کر رہے امیجز کو بہتر بنا رہے ہوتے تو وہ محض ساتھ ہوتے — دو ذہن جو ایک ہی مسئلے پر AFM ہوتے یا کام کر رہے ہوں الفاظ کے بغیر اس طرح جیسے دو ساز ایک ہی راگ بجا رہے ہوں بغیر شعور کے کہ وہ ایسا کر رہے ہیں۔

یہ لیبارٹری کا ماحول تھا — جہاں فہم کا عمل کبھی اچانک روشنی کی طرح چمکتا ہے اور کبھی اتنا آہستہ گزرتا ہے کہ تمہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ تم بدل چکے ہو۔

یہاں وہ مقام تھا جہاں اس کی تمام پچھلی زندگی — چالیس واٹ کا بلب بڑھئی کی ورکشاپ مرغیوں کے پنجرے حویلی کا مطالعہ — سب ایک نقطے پر اکٹھا ہو گیا تھا۔

بڑھئی نے اسے صبر اور درستگی سکھائی تھی۔

باورچی خانے نے اسے کئی کام ایک ساتھ کرنا اور دباؤ میں رہنا سکھایا تھا۔

قید نے اسے ناکامی کو اپنی پہچان نہ بننے دینا سکھایا تھا۔

اور اب، ان آلات کے سامنے — ایس ای ایم، ٹی ای ایم، اے ایف ایم، رامان، کرائیو-ای ایم — وہ ان تمام مہارتوں کو ایک نئی زبان میں ڈھال رہا تھا۔

اس نے خود سے کہا" :جو میں پہلے سیکھ چکا تھا وہ میرے پاس ہے۔ جو نہیں سیکھا وہ اب "سیکھ رہا ہوں۔

جب اس کا دوسرا مقالہ — تجرباتی تصدیق — لیب میں پہنچا تو ہلچل مچ گئی۔ اس سے پہلے نظریاتی پیش گوئیاں اکثر تجربے میں پوری نہیں اترتی تھیں۔ لیکن اس کے پہلے اصولوں سے ماخوذ سطحی ترمیم نے نہ صرف کام کیا بلکہ موجودہ ٹیکنالوجیز سے تین گنا زیادہ مؤثر جھلی عبور دکھائی۔

"اس کے اعداد و شمار کو دیکھ کر تھامس نے کہا" :یہ کام کرتا ہے۔ واقعی کام کرتا ہے۔
ماریہ نے کہا" :تم نے اسے لیب میں آنے سے پہلے ہی حل کر دیا تھا کاغذ پر۔ لیب صرف ایک رسمی ثبوت تھی۔"

لیکن اللہ وارایو جانتا تھا کہ ایسا نہیں تھا۔ لیب نے اسے غیر متوقع سکھایا تھا — وہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات جو نظریے میں کبھی ظاہر نہیں ہوتیں، جیسے کمرے کی نمی کا اے ایف ایم تصویر پر اثر، یا الیکٹران بیم کے نیچے نانوٹیوب کا بگڑنا، یا کرائیو-ای ایم میں برف کی تہہ کا بہت موٹا ہو جانا۔

نظریہ تمہیں بتاتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔

لیب تمہیں بتاتی ہے کہ کیا ہوتا ہے۔

اور دونوں کے درمیان جو خلا ہے — وہی دریافت کا مقام ہے۔

اس نے اس خلا میں رہنا سیکھ لیا تھا۔

اور شاید پہلی بار وہاں آرام محسوس کیا۔

کرسمس کی صبح تھی، اور کوپن ہیگن کی سڑکیں ایک عجیب سی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھیں — دکانوں پر تالے تھے، اور ہوا میں بندرگاہ کی نمکین خوشبو تھی، جیسے شہر خود سانس روک کر بیٹھا ہو۔

اللہ وارایو نے سوچا تھا کہ وہ آج اپنے اسٹور روم میں اکیلا پڑھے گا، لیکن انجا نے صبح سویرے ہی اسے پیغام بھیج دیا: "آج میرے فلیٹ آؤ — پھر ہم ساتھ چلیں گے۔ ماں سے ملنے، جو شہر سے باہر ایک پرانے قصبے میں رہتی ہے۔"

اللہ وارایو نے اپنی سادہ سی جیکٹ پہنی اور انجا کے فلیٹ کی طرف چل دیا۔

دروازہ کھلا۔ انجا سامنے کھڑی تھی — اور اللہ وارایو کے قدم پھر سے رک گئے۔

وہ اس دن ہلکے کریمی رنگ کا ایک لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھی جس کے نیچے ایک سادہ سیاہ ٹرٹل نیک سویٹر اور جینز تھا۔ اس کے بال کھلے تھے — سنہرے کندھوں سے نیچے اور صبح کی

روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا میک تھا صرف ہونٹوں پر ہلکا رنگ اور آنکھوں پر تھوڑا سا کاجل۔ لیکن اس کے بغیر بھی وہ خوبصورت تھی —ڈنمارک کی ٹھنڈی خوبصورتی جیسے کسی پرانی ڈینش لوک کہانی سے نکلی ہو۔ اس کی نیلی آنکھیں اس دن بھی صاف تھیں — جیسے کوپن ہیگن کی جھیلوں میں جمی ہوئی برف پر پڑتی ہوئی روشنی۔

تم نے آنکھیں بند کر لی ہیں؟ "انجا نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"نہیں — کھلی ہیں۔ بس بولنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔"

"تو خاموش رہو اور اندر آؤ۔"

انجا نے کہا۔ میرے والدین شہر سے باہر رہتے ہیں — وہاں وہ پرانے گھر سے محبت کرتے ہیں۔ میں کبھی کبھار ان سے ملنے جاتی ہوں

تو آج ہم ان سے ملنے جا رہے ہیں؟

ہاں — خاص کر کرسمس پر۔ والد اس بار نہیں آسکتے — وہ ہسپتال میں ہیں۔ لیکن اماں نے کہا ہے کہ تم ضرور آؤ۔ اس نے تمہارے لیے خاص کھانا بنایا ہے۔

وہ دونوں انجا کی چھوٹی نیلی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ شہر سے نکلتے ہی کھلتے میدان شروع ہو گئے برف سے ڈھکی ہوئی زمین دور دراز کے درخت اور اوپر ہلکی بھوری دھند۔ اللہ وارایو نے کھڑکی کھلی رکھی — ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔

یہ علاقہ بہت پرانا ہے "انجا نے بتایا۔ "یہاں کے کچھ گھر چار سو سال پرانے ہیں۔ مچھیرے اور کسان رہتے تھے۔ اب زیادہ تر لوگ ریٹائرڈ ہیں یا شہر جاتے ہیں۔

جیسا کوئی علاقہ۔ گلیاں تنگ (Dragør) گاڑی ایک چھوٹے سے قصبے میں داخل ہوئی —ڈریگور تھیں پکی ہوئی تھیں۔ گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے — اکثر پیلے یا سرخ رنگ کے مگر

اینٹوں کے بجائے لکڑی اور پلاسٹر سے بنے ہوئے۔ چھتیں ٹیڑھی تھیں لیکن خوبصورت —پرانی ڈنمارک کی طرز کی۔ کھڑکیوں پر سفید فریم تھے اور ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا پتھر کا راستہ تھا۔

انجا نے گاڑی ایک کھلی جگہ پر روکی۔ سامنے ایک منزلہ لمبا گھر تھا —دیواریں ہلکے پیلے رنگ کی تھیں چھت پر سرخ مٹی کی کھپریں مونگے کی طرح لگی تھیں۔ دروازہ گہرا سبز رنگ کا تھا جس پر ایک پرانا پیتل کا دستہ تھا۔

یہ ہے میری ماں کا گھر۔ "انجا نے کہا۔"

اللہ وارایو باہر نکلا اور گھر کو دیکھنے لگا۔ کھڑکیوں کے پیچھے سفید پردے تھے اور اندر سے موم بتیوں کی ہلکی سی چمک آرہی تھی۔ ایک چمنی کا منہ چھت سے باہر نکلا ہوا تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"یہ بہت پرانا لگتا ہے— لیکن خوبصورت۔"

یہ پانچ سو سال پرانا نہیں لیکن کم از کم دو سو سال ضرور ہوگا۔ میرے نانا نانی نے اسے خریدا" "تھا۔

انجا نے دروازہ کھٹکھٹایا— اندر سے قدموں کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا۔

ایک خاتون کھڑی تھی —پچاس سے زائد سنہرے بالوں میں کچھ سفید لکیریں چہرے پر جھائیاں اور آنکھیں بالکل انجا جیسی —نیلی مگر گہری جیسے سمندر کی تہہ میں چھپی ہوئی روشنی۔

"انجا کی ماں نے پہلے اللہ وارایو کو دیکھا پھر انجا کو— اور مسکرا دیں۔ "تم وہی ہو— اللہ وارایو؟

جی— میں وہی ہوں۔"

انہوں نے بغیر کسی تکلف کے اسے گلے لگا لیا۔ "انجا نے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ اندر آؤ— یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔

۔گھر کے اندر گرمی تھی ۔۔چمنی میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ دیواروں پر پرانی ڈینش پینٹنگز تھیں کشتیاں سمندر اور سبز کھیت۔ فرش پر بُنے ہوئے قالین تھے اور چھت پر لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر۔ ایک کونے میں ایک پرانی گھڑی کھڑی تھی ۔۔لکڑی کی جس کا پینڈولم آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔

یہاں ہر چیز پرانی ہے "اللہ وارایو نے کہا۔"

پرانی چیزوں کی اپنی روح ہوتی ہے "انجا کی ماں نے جواب دیا۔ "یہ گھر کئی نسلیں دیکھ چکا "ہے۔ تم بیٹھو ۔۔میں کھانا لا رہی ہوں۔

۔انجا نے اللہ وارایو کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے کی طرف لے گئی۔ صوفہ گہرا سرخ رنگ کا تھا مخمل کا مگر پرانا ۔۔اور اس پر سفید فیتے کا ایک کور تھا۔

تمہاری ماں اکیلی رہتی ہیں؟ "اس نے پوچھا۔"

بیشتر وقت ۔۔میرے والد جب گھر آتے ہیں تو ساتھ رہتے ہیں لیکن وہ ہسپتال کے قریب رہتے "ہیں۔۔یہ گھر ان کا سکون ہے۔

کھانے کی میز پر انجا کی ماں نے روایتی ڈنمارکی کرسمس کا کھانا رکھا بھنے ہوئے آلو سرخ گوبھی اور ایک خاص مچھلی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ایک الگ پیالے میں چاول کی کھیر تھی جس میں دارچینی اور بادام تھے اور اس کے اوپر ایک چیری رکھی تھی۔ ۔

"اللہ وارایو نے پہلے نوالے کے بعد کہا" :یہ بہت اچھا ہے ۔۔جیسے اپنی ماں کے ہاتھ کا کھانا ہو۔ انجا کی ماں نے اسے دیکھا ۔۔اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "تمہاری ماں نے تمہیں اچھی طرح پالا ہے ۔۔تم ہر چیز کی قدر کرتے ہو۔

کھانے کے بعد انجا نے اللہ وارایو کو گھر کے پچھلا صحن دکھایا ۔۔ایک چھوٹا سا باغ تھا جہاں برف جمی ہوئی تھی۔ ایک پرانی لکڑی کی بینچ تھی جس پر سفید رنگ چھوٹ گیا تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

میرے والد جب گھر ہوتے ہیں تو وہ یہاں بیٹھ کر ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں" سے آسمان صاف دکھائی دیتا ہے — شہر کی روشنیوں سے دور۔

تمہارے والد اچھے ہوں گے "اللہ وارایو نے کہا۔"

"وہ ہیں — بس بہت مصروف ہیں۔ تم ان سے کبھی مل سکتے ہو — جب وہ گھر آئیں گے۔"

وہ دونوں خاموش ہو کر کھڑے رہے — ٹھنڈی ہوائیں جبکہ باغ کی مٹی برف تلے دب گئی تھی۔

کھانے کے بعد جب وہ تینوں بیٹھک میں چمنی کے پاس بیٹھے تھے اللہ وارایو نے انجا کی ماں کے چہرے پر ایک ہلکی سی تھکن دیکھی — جیسے کسی اندرونی تھکاوٹ کا سایہ ہو۔ اس نے آہستہ سے پوچھا:

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

انجا کی ماں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں جھکا لیں پھر اوپر دیکھا مسکرائی۔ وہ مسکراہٹ وہی تھی جو شاید وہ ہر اس سوال پر کرتی تھیں جس کا جواب دینا وہ نہیں چاہتی تھیں۔

"کچھ نہیں بیٹا — میں ٹھیک ہوں۔ بس سردیوں کی تھکن ہے۔"

انجا نے اپنی ماں کی طرف دیکھا — کچھ کہنا چاہا مگر خاموش رہی۔ بس اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اللہ وارایو نے مزید کوئی سوال نہیں کیا — وہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ باتیں اس وقت نہیں کہی جاتیں جب مہمان ہوں۔

چمنی میں آگ آہستہ آہستہ جل رہی تھی۔ اور کمرہ گرم تھا — الفاظ سے زیادہ۔

جب وہ واپس گاڑی میں بیٹھے تو انجا نے کہا": تم نے میری ماں کو بہت متاثر کیا ہے۔

"میں نے کچھ خاص نہیں کیا۔"

"تم نے وہی کیا جو تم ہمیشہ کرتے ہو — تم نے سنا تم نے دیکھا تم نے قدر کی۔"

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

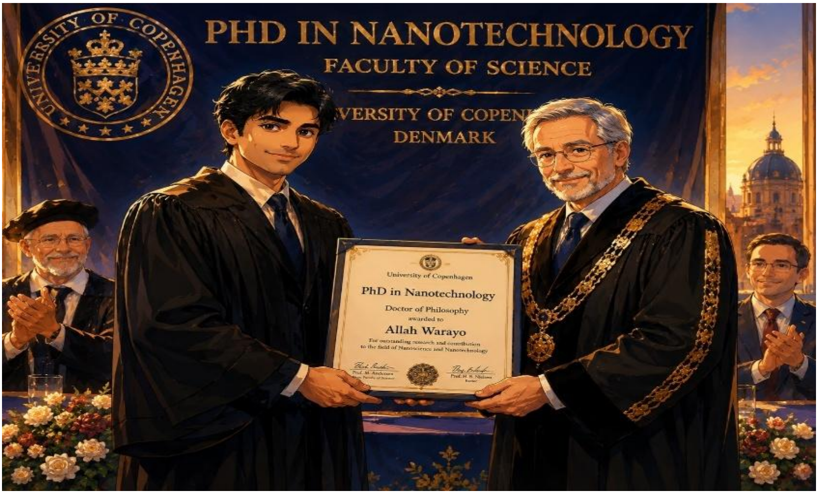
اللہ وارایو نے اس کا ہاتھ تھام لیا — اس بار بغیر کچھ کہے۔ اور گاڑی واپس کوپن ہیگن کی طرف چل پڑی جبکہ باہر برف کے کنارے چمک رہے تھے۔

اس رات اللہ وارایو نے اپنی ڈائری میں لکھا

آج میں نے ایک پرانا گھر دیکھا — جہاں دیواریں باتیں کرتی ہیں اور چمنی کی آگ برسوں کی تنہائی" کو پگھلا دیتی ہے۔ میں نے انجا کو اپنی ماں کے باغ میں کھڑا دیکھا — اس کے سنہرے بال برف میں بکھرے ہوئے اور میں نے سوچا :شاید یہ وہ گھر ہے جہاں میں کبھی نہیں جا سکتا لیکن اس لمحے میں وہاں تھا۔

باب اٹھائیس

سنہری دھاگہ



پی ایچ ڈی کا دفاع کوپن ہیگن میں اس کے چوتھے سال کے اپریل میں ہوا۔

وہ مجموعی طور پر چھ سال سے ڈنمارک میں تھا — ایک سال کا تبادلہ، پھر ایم فل جو آسانی سے پی ایچ ڈی میں تبدیل ہو گیا، جیسا کہ اینڈرسن نے کہا تھا۔ وہ اٹھائیس سال کا تھا۔ وہ فزکس ڈیپارٹمنٹ کے امتحانی کمرے میں کھڑا تھا — جس کی دیواروں پر پینل لگے تھے، اونچی کھڑکیاں تھیں جو کیمپس کو دیکھ رہی تھیں، اس کے پیچھے ایک پروجیکشن اسکرین تھی جس پر اس کے مقالے کا عنوان تھا — اور اس نے پانچ سائنسدانوں کی کمیٹی کے سوالوں کے جواب تین گھنٹے دیے — دو ڈینش، ایک برطانوی، ایک امریکی، ایک سوئس۔

سوال سخت تھے اُسی طرح جیسے سنجیدہ سائنسی سوالات ہوتے ہیں کمزوری ڈھونڈنے کے لیے نہیں بلکہ سمجھ کی حدود کو جانچنے کے لیے وہ مقامات جہاں ماڈل ٹوٹ جاتا ہے وہ مفروضے جو

آزمائے نہیں گئے۔ اس نے سب کے جواب دیے۔ کچھ یقین کے ساتھ —جہاں تجرباتی ثبوت مضبوط تھے۔ کچھ محدود اعتماد کے ساتھ —جہاں ماڈل مضبوط تھا لیکن تجرباتی تصدیق نامکمل تھی۔ کچھ صریح بے یقینی کے ساتھ —جہاں وہ ابھی نہیں جانتا تھا اور اس نے ایسا کہا اور بتایا کہ جاننے کے لیے کیا ضرورت ہوگی۔

کمیٹی نے بائیس منٹ مشاورت کی۔

اسے واپس بلایا گیا اور بتایا گیا: مقالہ امتیاز کے ساتھ پاس کر دیا گیا۔

✦ ✦ ✦

تین ماہ بعد ڈینش انوویشن فاؤنڈیشن کی طرف سے ایک خط آیا: اسے طبیعیات میں شاندار ڈاکٹریٹ تحقیق پر نیلز بوہرینگ سائنٹسٹ پرائز سے نوازا گیا تھا۔ یہ انعام رقم کے ساتھ آیا اور فاؤنڈیشن کے سالانہ سمپوزیم میں پیشکش کی دعوت کے ساتھ آیا اور اس کے ساتھ ایک ایسی چیز آئی جسے شمار کرنا مشکل تھا: ایک شہرت ایک نام جو اب کام کے ایک ایسے مجموعے کے ساتھ منسلک تھا جو سائنسی ریکارڈ کا حصہ بن چکا تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

جشن کا ڈنر بندرگاہ کے قریب ایک ریستوران میں تھا جسے انجا نے چنا اور ریزرو کیا تھا — اسے اس شام تک نہیں بتایا تھا — وہ جشن منانے میں اس سے بہتر تھی کیونکہ وہ ایسے ماحول میں پلی بڑھی تھی جہاں جشن کو ایک فن سمجھا جاتا تھا اور اس پر یقین کیا جاتا تھا اور وہ اس خوبی کو اس فیاضی کے ساتھ اس تک پہنچاتی تھی جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس وافر ہے وہی دوسرے کو چاہیے۔

میز پر تھے: پروفیسر اینڈرسن اور ان کی اہلیہ انجا کی سپروائزر لیب کے دو دیگر ارکان اور خود انجا میز کے اس پار نیلے رنگ کا لباس پہنے جو کھڑکی کے باہر کوپن ہیگن کی خزاں سے میل کھا رہا — تھا اس کی آنکھیں ایسی خوشی سے چمک رہی تھیں جو مکمل طور پر اس کے لیے تھی —نہ کوئی نمائش نہ اس کی اپنی خوشی کا عکس بلکہ اس کے بارے میں ایک مخصوص خوشی اس کے

بارے میں جو ہوا تھا چالیس واٹ کے بلب اور اس میز کے درمیان کے فاصلے کے بارے میں۔

—وہ اسے چالیس واٹ کے بلب والے برسوں میں نہیں جانتی تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا آہستہ آہستہ پانچ سال کی شاموں میں—وہ باتیں جو بتائی جا سکتی تھیں۔ اس نے انہیں احتیاط اور بغیر کسی فیصلے کے ایک ساتھ رکھا تھا—اُس خاص خوبی کے ساتھ جو اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو مشکل معلومات کو اس طرح وصول کرتا ہے کہ اسے اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتا۔ اس نے ایک بار کہا تھا—رات گئے اندھیرے میں لیٹے ہوئے": میں نہیں جانتی تم نے یہ کیسے کیا۔ "اس نے کہا": اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے فزکس نے مدد کی۔ یہ جاننا کہ وہی قوانین :ہر جگہ لاگو ہوتے ہیں—کہ کائنات کو دیواروں سے کوئی سروکار نہیں۔ "وہ خاموش رہی تھی۔ پھر اور جب فزکس کافی نہیں تھی؟ "ایک توقف۔ "میری ماں کا دوپٹہ "اس نے کہا۔ "اور سائرہ" "باجی۔ "ایک اور توقف۔ "اور پھر تم۔

اب تم "اس نے کہا۔"

میز پر اینڈرسن نے گلاس اٹھایا۔ اس نے مختصراً کہا—وہ لمبی تقریروں والا آدمی نہیں تھا "اللہ وارایو کی صحت جو آٹھ سال پہلے میرے دفتر میں سندھی شاعری اور کوانٹم میکانکس پر ایک مقالے کے ساتھ آیا تھا—جو یا تو ذہانت کی علامت تھا یا مکمل الجھاؤ کا—اور جو پہلی صورت نکلا۔ ایک توقف۔ "پاکستان کی فزکس دنیا کی دولت ہے۔

گلاس اٹھا لیے گئے۔

ڈنر کے بعد انجا اس کے ساتھ بندرگاہ کے کنارے چلی—نومبر کی سردی میں ان کی سانس کے بادل دکھائی دے رہے تھے شہر کی روشنیاں سیاہ پانی پر عکاس تھیں۔ اس نے اس کا بازو پکڑ "لیا۔ اس نے کہا": اس فرم نے پھر فون کیا۔ ریسرچ ڈائریکٹر کی پوزیشن۔

"میں جانتا ہوں۔"

"یہ اچھی پوزیشن ہے۔"

"یہ بہترین پوزیشن ہے۔"

اس نے چلنا روک دیا۔ وہ اسے اُس اظہار سے دیکھ رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کچھ کہنے کی تیاری کر رہی تھی اور اب فیصلہ کر رہی تھی کہ کہے یا نہ کہے۔

لیکن؟ "اس نے کہا۔"

اس نے ایک لمحے پانی کو دیکھا۔ "میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں "اس نے کہا۔ "واپس جانے "کے بارے میں۔

ایک خاموشی۔ بندرگاہ کا پانی حرکت کر رہا تھا۔

"واپس "اس نے کہا۔ "پاکستان۔"

"ہاں۔"

اس نے بھی پانی کو دیکھا۔ اس نے ابھی تک کچھ نہیں کہا تھا۔

پکارنے والے سائے

—شاہ عبداللطیف بھٹائی سُر کیداڑو—

کہاں آہے کہاں
پردیسی من میرو
ہک دل نہ ہک دیس
سدا بھٹکو میرو۔
کہاں ہے کہاں ہے
میرا پرایا دل
نہ ایک دل نہ ایک وطن
سدا بھٹکتا رہتا ہے میرا



اینجا نے ایک لمحے تک پانی کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ اس کے بازو پر چھوڑ دیا اور آہستہ سے کہا' بتاؤ۔ مکمل بتاؤ۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ نومبر کی ٹھنڈی ہوا میں ان کی سانس کے بادل مل رہے تھے۔
یہاں میں نے وہ سب کچھ پایا جو میں چاہتا تھا 'اس نے کہا۔ 'تعلیم تحقیق ایک ایسی لیب' جس کا میں نے کبھی خواب نہیں دیکھا تھا اور تم۔'وہ رکا۔ 'لیکن ہر رات جب میں لیب سے گھر آتا ہوں تو ایک تصویر میرے سامنے آتی ہے۔ وہ بچے جو ابھی بھی اُن اسکولوں میں بیٹھے ہیں جہاں کوئی استاد نہیں وہ بچے جو ابھی بھی چالیس واٹ کے بلب کے نیچے پڑھتے ہیں— اگر پڑھتے ہیں۔ میں وہاں تعلیم کے نظام کو جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ایک ننانوے فیصد بچے کبھی وہ موقع نہیں پائیں گے جو مجھے ملا۔

تم سب کو نہیں بچا سکتے 'اینجا نے نرمی سے کہا۔'

نہیں۔ لیکن میں کچھ کر سکتا ہوں۔ ایک یونیورسٹی میں پڑھا سکتا ہوں۔ ایک تحقیقی مرکز قائم کر' سکتا ہوں۔ وہاں کے طلبہ کو وہی مواقع دے سکتا ہوں جو مجھے اینڈرسن نے دیے۔

تم اینڈرسن بننا چاہتے ہو؟'

میں وہ بننا چاہتا ہوں جو مجھے چاہیے تھا جب میں دس سال کا تھا۔'

اینجا خاموش رہی۔ پھر بولی': تم جانتے ہو میں نے اپنی زندگی میں کبھی پاکستان کا سفر نہیں کیا۔

میں جانتا ہوں۔'

تمہارے پاس میرے لیے کوئی منصوبہ ہے؟'

اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ سوال تھا جو وہ پوچھ رہی تھی— اور وہ سوال بھی جو وہ نہیں پوچھ رہی تھی۔

میں تمہیں کبھی مجبور نہیں کروں گا،" اس نے کہا۔ "لیکن اگر تم آنا چاہو— اگر تم میرے ساتھ " وہاں اپنی تحقیق جاری رکھنا چاہو— تو میں ایک ایسی لیب بناؤں گا جہاں تمہارے کرائیو-ای ایم

کے خواب حقیقت بن سکیں۔ اور اگر نہیں آنا چاہو تو میں یہاں اور وہاں کے درمیان اڑان بھروں گا۔ میں نے آٹھ سال قید میں گزارے ہیں۔ فاصلے مجھے ڈراتے نہیں'

اینجا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ 'تم نے سوچا ہے۔ بہت سوچا ہے۔ چھ سال سے۔'

اور تمہیں اس کے بارے میں مجھ سے بات کرنے میں چھ سال لگے؟'

وہ تھوڑا مسکرایا۔ 'میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔

تم مجھے نہیں کھو سکتے' اس نے کہا۔ 'میں وہ نہیں ہوں جو چلی جائے۔ تم نے مجھے اپنی زندگی کے بدترین تجربے بتائے اور میں نے سنا۔ میں نے انہیں اپنے اوپر نہیں لیا لیکن میں نے سنا۔ تم نے مجھے اپنا سب سے گہرا خوف دکھایا — کہ تم کبھی واپس جا کر اپنی ماں کی قبر پر مٹی کے گھوڑے کو دوبارہ نہیں دیکھ پاؤ گے — اور میں نے سنا۔ اب تم مجھے بتا رہے ہو کہ تم واپس جانا چاہتے ہو؟ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔

اس نے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی — سردی کی وجہ سے نہیں۔

تم یقین کرتی ہو؟'

میں نے تم پر اس وقت یقین کیا جب تم نے مجھے بتایا کہ تم نے اپنی ماں کی لوری اپنی بہن سے' دوبارہ لکھوائی۔ اس دن میں جان گئی کہ تم وہ ہو جس کے ساتھ میں رہنا چاہتی ہوں۔

وہ خاموش کھڑے رہے۔ بندرگاہ کا پانی ان کے گرد چمک رہا تھا۔

'چلو گھر چلتے ہیں' اینجا نے کہا۔ 'کل تم اینڈرسن سے بات کرو گے۔ وہ تمہیں سمجھے گا۔'

✦ ✦ ✦

اگلی صبح وہ اینڈرسن کے دفتر میں بیٹھا تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

پروفیسر نے سنہری دھوپ میں اپنی چائے کا کپ تھام رکھا تھا۔ اللہ وارایو نے اسے سب کچھ بتا دیا—واپسی کا ارادہ پاکستان میں ایک تحقیقی مرکز قائم کرنے کا خیال وہاں کے طلبہ کو موقع دینے کی خواہش۔

اینڈرسن نے چائے کی چسکی لی۔ پھر بولا': تم جانتے ہو میں نے تمہیں پہلی بار اس وقت سنجیدگی سے لیا جب تم نے شاہ لطیف اور کوانٹم الجھاؤ کے بارے میں بات کی۔ اس دن میں نے سوچا: یہ آدمی یا تو پاگل ہے یا اس کے پاس وہ چیز ہے جو بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی ہے—وہ چیز جو مختلف چیزوں کو جوڑ کر دیکھ سکے۔

'میں نے وہی کیا جو آپ نے مجھے سکھایا 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'مسلسل سوال کرنا۔'

'اور اب تم سوال کر رہے ہو کہ تمہیں کہاں ہونا چاہیے؟'

'میں سوال کر رہا ہوں کہ میرے علم کا سب سے بڑا استعمال کہاں ہوگا۔'

اینڈرسن نے اپنا کپ رکھ دیا۔ 'میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے ذہین طلبہ دیکھے ہیں لیکن تم میں ایک اور چیز ہے—تم نے جو کچھ سیکھا وہ تمہارے لیے نظریہ نہیں حقیقت ہے۔ تم نے فزکس کو اپنی جلد میں محسوس کیا ہے۔ وہ طلبہ جو صرف کتابوں سے سیکھتے ہیں وہ کبھی اتنی گہرائی تک نہیں پہنچتے۔ تم پہنچ چکے ہو۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اسے آگے بڑھاؤ۔'

'آپ مجھے معاون خط دیں گے؟'

'میں تمہیں سو خط دوں گا۔ لیکن ایک شرط پر۔'

'کون سی؟'

کہ تم وہاں ایک ایسا مرکز بناؤ گے جہاں میرے دوسرے طلبہ بھی جا سکیں۔ کوپن ہیگن اور'
جامشورو کے درمیان تبادلہ۔ تم پل بنو گے اللہ وارایو۔ پہلے تم نے اپنے اندر کے قفس کو توڑا۔
'اب تم قوموں کے درمیان پل بنا سکتے ہو۔

'اس نے سر ہلایا۔ 'میں بناؤں گا۔

✦ ✦ ✦

اس رات اس نے سائرہ باجی کو فون کیا۔

وہ اب حیدرآباد میں ریٹائر ہو چکی تھیں — لیکن جب اس کا نمبر اس کی اسکرین پر چمکا تو اس نے پہلی گھنٹی پر اٹھایا جیسے وہ انتظار کر رہی ہو۔

'اللہ وارایو 'اس نے کہا۔ 'تم نے اپنی پی ایچ ڈی کر لی۔'

'آپ کو کیسے پتا؟'

'میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم ہمیشہ کامیاب ہوتے ہو۔'

'میں واپس آ رہا ہوں سائرہ باجی۔ پاکستان۔'

'ایک لمبی خاموشی۔ پھر اس کی آواز ذرا سی بھری ہوئی' : کیا تم واقعی؟

'جی۔ میں جامشورو میں پڑھانا چاہتا ہوں۔ ایک نینوٹیکنالوجی لیب قائم کرنا چاہتا ہوں۔'

'وہاں پہلے سے کچھ نہیں ہے 'اس نے کہا۔ 'تمہیں سب کچھ خود بنانا ہوگا۔'

'میں جانتا ہوں۔'

—یہ تمہارے لیے آسان نہیں ہوگا۔یہاں کے نظام بیوروکریسی فنڈز کی کمی'

سائرہ باجی 'اس نے کہا۔ 'میں نے ایک ایسے کمرے میں فزکس سیکھی جہاں چالیس واٹ کا'
'بلب تھا اور دیوار پر آٹھ سال کے نشان تھے۔مجھے نظام سے ڈر نہیں لگتا۔

وہ ہنس پڑی۔ وہ ہنسی تھی جو رونے کے قریب تھی۔ 'تم وہی ہو اللہ وارایو۔ وہی بچہ جو
'دروازے سے سن کر حروف تہجی سیکھ گیا تھا۔

'اور آپ وہی ہیں سائرہ باجی۔ جس نے اس بچے کو پہلی درسی کتاب دی۔'

'تم نے اسے خود پڑھا تھا۔'

'آپ نے اسے میرے سامنے رکھا تھا۔'

'ایک اور خاموشی۔ پھر اس نے کہا' : تمہیں کب آنا ہے؟

تین مہینوں میں۔ میں پہلے اپنی اینجا سے شادی کروں گا۔ وہ میرے ساتھ آ رہی ہے۔

سائرہ باجی نے ایک عجیب سی آواز نکالی — جیسے سانس رک گئی ہو۔ پھر بولی' : تم نے کسی اچھی لڑکی کو ڈھونڈ لیا؟

اس نے مجھے ڈھونڈا 'اس نے کہا۔ 'وہ طبیعیات دان ہے۔'

خدا کا شکر ہے 'سائرہ باجی نے کہا۔ 'اب میں سکون سے مر سکتی ہوں۔

'آپ نہیں مریں گی 'اس نے کہا۔ 'آپ میری پہلی شاگرد کی شادی دیکھیں گی۔'

وہ پھر ہنس پڑی۔ اس بار خالص ہنسی تھی۔

✦ ✦ ✦

فون رکھنے کے بعد وہ بالکونی میں کھڑا ہوا — جہاں کوپن ہیگن کی رات کی ہوا اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔

اینجا اندر سے آئی اور اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

سب ٹھیک ہے؟ 'اس نے پوچھا۔'

جی ہاں۔ 'اس نے اس کی طرف دیکھا۔ 'تمہیں پتا ہے جب میں چھوٹا تھا میں نے سوچا تھا کہ' خوشی کا مطلب ہے اُس جگہ سے نکل جانا جہاں میں تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ خوشی کا مطلب ہے یہاں آنا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ خوشی کا مطلب ہے — لوٹنا۔ کسی ایسی جگہ لوٹنا جہاں تمہارا ہونا فرق پیدا کرے۔

اینجا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ 'پھر چلو۔ تمہاری جگہ وہی ہے۔

اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا تہہ شدہ کپڑا نکالا — اپنی ماں کا دوپٹہ جو اب صرف ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں رہ گیا تھا رنگ تقریباً اُڑ چکے تھے۔ اس نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا۔

یہ وہی دوپٹہ ہے جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا؟'

ہاں۔ اب اس کی خوشبو میری اپنی ہے۔ ماں کی خوشبو بہت پہلے جا چکی۔ لیکن یہ کپڑا اب بھی' وہی ہے۔

تم اسے کیا کرو گے؟'

اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ واپس۔ اور اسے اپنی نئی لیب میں رکھوں گا۔ تاکہ میں کبھی نہ بھولوں' کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔

اینجا نے اس کا ہاتھ دبایا۔ 'تم نہیں بھولو گے۔ میں تمہیں یاد دلاتی رہوں گی۔

اس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ خاموش کھڑے رہے — دو لوگ جو دو مختلف دنیاؤں سے آئے تھے ایک ہی سمت میں دیکھ رہے تھے۔

کوپن ہیگن کی رات ان کے گرد ٹھہری ہوئی تھی — اور کہیں بہت دور سندھ کے میدان میں وہ پہلا نیم کا درخت اپنی شاخیں پھیلائے ہوئے تھا اُس شخص کے آنے کا انتظار کر رہا تھا جو کبھی اس کی پھولوں والی شاخ توڑ کر لے گیا تھا اور اب واپس لا رہا تھا — اپنے ساتھ — ایک پوری کائنات۔

چوتھا حصہ

واپسی مٹی میں

دریا سمندر سے نہیں مانگتا راہ،
وہ لوٹتا ہے کہ سمندر ہے آگاہ،
وہ اُسی کا ہے جو سمندر بنا،
ہر اٹھنے والا گھر لوٹے گا—
یہی ہے فطرت کی روا۔

باب تیس

عہد کا ٹوٹنا

وہ محبت جو حقیقی تھی جو درست تھی اور جو اب ختم ہو رہی ہے کیونکہ اس میں شامل لوگ مختلف سمتوں میں جا رہے ہیں — وہ کوئی ڈرامائی واقعہ نہیں ہوتی۔ اس میں دغا یا ناکامی کا ڈھانچہ نہیں ہوتا۔ یہ موسم کے ختم ہونے کی طرح ہے — ایک ایسی حالت جو موجود تھی اور اب گزر رہی ہے اس کا گزرنا اتنا ہی فطری ہے جتنا اس کا آنا اور اس کے بعد کی دنیا کسی طرح خالی بھی ہوتی ہے اور صاف بھی۔

ان کے پاس ایک اور مہینہ تھا۔

— انہوں نے اسے اُس طرح استعمال کیا جس طرح لوگ جانتے ہیں کہ کوئی چیز ختم ہو رہی ہے معمول سے زیادہ موجود معمول سے زیادہ محتاط۔ وہ زیادہ اکثر اکٹھے کھانا پکاتے۔ وہ کوپن ہیگن کی اپنی پسندیدہ جگہوں پر گئے — بندرگاہ نباتاتی باغ ناربرو کی وہ چھوٹی کتابوں کی دکان جہاں اس نے اسے تین سال پہلے ایک سردی کی دوپہر میں پہلی بار بوسہ دیا تھا الماریوں کے درمیان کھڑے ہو کر۔ انہوں نے اس بارے میں بات نہیں کی جو آنے والا تھا کیونکہ وہ پہلے ہی بات کر چکے تھے اور دوبارہ بات کرنا پہلی بار سے کم سچا ہوتا۔

اس نے ایک بار کہا — اپنے آخری ہفتے میں': کیا تم مجھے خط لکھو گے؟

'ہاں۔'

'کیا مجھے سکول کے بارے میں بتاؤ گے؟ جب وہ بن جائے؟'

'ہاں۔ میں تمہیں تصویر بھیجوں گا۔'

اور اگر —'وہ رکی۔'

'اگر کیا؟'

اگر کسی طرح ممکن ہو جائے۔ کسی بھی وجہ سے۔ اگر حالات بدل جائیں'

'میں لکھوں گا 'اس نے کہا۔ 'میں وعدہ کرتا ہوں۔'

اس نے سرہلایا۔ اس نے یہ نہیں کہا :اور کیا تم واپس آؤ گے؟ اس میں وہ سمجھداری تھی کہ اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ مانگے جو کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔

آخری دن اس نے اسے سامان باندھنے میں مدد کی۔ اس کی کتابیں۔ لکڑی کا ڈبہ—وہی اصلی ڈبہ جس کے اندر سائرہ باجی کے خط تھے اور اس کی ماں کی لوری اس کی اپنی تحریر میں اُس دوپہر کی جو اس نے سُغری کے کمرے میں گزاری تھی اور اس کے چھپے ہوئے تین مقالے۔ اس کے کپڑے۔ وہ تکنیکی قلم۔

اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا جب انہوں نے الوداع کہا۔

'اس نے کہا' :تم سب سے غیر معمولی شخص ہو جسے میں نے کبھی جانا ہے۔

'اس نے کہا' :یہ اس لیے ہے کہ تم سب سے زیادہ فیاض شخص ہو جسے میں نے کبھی جانا ہے۔

اس نے اسے ایک بار بوسہ دیا۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔

وہ اپنے تھیلے اور اپنے ڈبے اور اپنی ہر چیز کے ساتھ ہوائی اڈے سے گزرا—اور دروازے پر وہ رکا اور ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا—اُس شخص کی عادت جو ہمیشہ ختم ہونے والی چیزوں کی طرف دیکھنے کے لیے مڑتا ہے—اور روانگی ہال اجنبیوں سے بھرا ہوا تھا جو اپنی اپنی زندگیوں کی طرف جا رہے تھے—اور وہ وہاں نہیں تھی جو درست تھا کیونکہ وہ پہلے ہی وہ سب کہہ چکے تھے جسے کہنا تھا اور اس کا تسلسل اس کی طرف جانا تھا۔

وہ آگے مڑا۔ وہ جہاز پر سوار ہو گیا۔

✦ ✦ ✦

جہاز کے اندر—ایک آخری خیال

وہ کھڑکی کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جہاز نے ٹیکسی لینا شروع کر دی۔ اس نے اپنی جیب سے اپنی ماں کے دوپٹے کا وہ چھوٹا ٹکڑا نکالا — جو اب بمشکل ایک چھوٹے رومال کے برابر رہ گیا تھا۔ اس نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا۔

اس نے سوچا: میں نے اپنی زندگی میں تین بار کسی سے جدا ہونا سیکھا۔ پہلی بار جب وہ مجھے پولیس کی گاڑی میں لے گئے — میں سُغری کو چھوڑ کر گیا تھا۔ دوسری بار جب میں نے اس ادارے کا دروازہ عبور کیا —میں نے ان تمام لڑکوں کو چھوڑا جنہیں میں پڑھا رہا تھا۔ تیسری بار آج ہے۔

میں انجا کو چھوڑ رہا ہوں۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن ہر بار اس نے سوچا میں نے کچھ نہیں چھوڑا۔ میں اپنے ساتھ لے گیا۔ سُغری کا چہرہ بخشال کا سکون انجا کی محبت —یہ سب میرے اندر ہے۔ جس طرح ایٹم میں خالی جگہ ہوتی ہے لیکن وہاں توانائی بھی ہوتی ہے — اسی طرح میں بھی۔

جہاز ہوا میں اُٹھا۔ کوپن ہیگن اس کے نیچے چھوٹا ہوتا گیا — جھیلیں پل بندرگاہ وہ سب کچھ جو پانچ سالوں میں اس کا گھر رہا تھا۔

اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ ایک آنسو اس کے رخسار پر بہہ گیا — اس نے اسے نہیں پونچھا۔ اسے بہنے دیا۔

میں واپس آؤں گا 'اس نے بہت آہستہ کہا — اپنے آپ سے یا اس شہر سے یا ہوا سے۔ 'شاید' واپس نہ آسکوں لیکن تم میرے اندر رہو گے۔ جیسے میری ماں رہتی ہے۔ جیسے سائرہ باجی رہتی ہیں'۔

وہ خاموش ہو گیا۔

جہاز جنوب کی طرف مڑ گیا — پاکستان کی طرف۔

✦ ✦ ✦

وہ لوگ جنہوں نے اسے راستے میں یاد کیا — ایک مختصر سا سلسلہ

پروفیسر اینڈرسن اپنے دفتر میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے اللہ وارایو کا آخری ای میل تھا۔ اس نے اسے دوبارہ پڑھا۔

اس نے سوچا' :میں نے اپنی زندگی میں بہت سے ذہین طلبہ پڑھائے۔ لیکن اس ایک نے مجھے سکھایا کہ سائنس محض مساواتوں کا نام نہیں —یہ اُن لوگوں کی کہانی ہے جو ان مساواتوں کو اپنی جلد میں محسوس کرتے ہیں۔

اس نے اپنی کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر اس نے اپنے معاون کو فون کیا' :کل سے میں ایک نیا پروگرام شروع کر رہا ہوں۔ پاکستان کے ساتھ تعلیمی تبادلہ۔ مجھے اس کے لیے ایک منصوبہ چاہیے۔

بخشال — جو اب لاہور میں ایک چھوٹی سی الیکٹرانکس کی دکان چلاتا تھا — نے اپنی بیوی سے کہا وہ لڑکا جس نے مجھے قید میں پڑھنا سکھایا تھا — وہ واپس آ رہا ہے۔ میں نے سنا ہے۔ وہ سکول بنا' رہا ہے۔

اس کی بیوی نے کہا' :تم اسے ڈھونڈو گے؟

بخشال نے کہا' :میں نے اسے آٹھ سال نہیں دیکھا۔ لیکن میں اس کا قرض نہیں بھولا۔ جب وہ آئے گا میں اس سے ملنے جاؤں گا۔ چاہے مجھے سینکڑوں کلومیٹر جانا پڑے۔

سائرہ باجی نے اپنی چھڑی تھامی — حیدرآباد کے اپنے چھوٹے سے کمرے میں — اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اس نے سوچا' :وہ آ رہا ہے۔ میرا بیٹا۔ وہ بچہ جسے میں نے ایک پھٹی ہوئی کتاب دی تھی — اب وہ واپس آ رہا ہے تاکہ دوسروں کو کتابیں دے سکے۔ خدا کا نام لے کر آیا ہے۔

اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی — اُس طرح جیسے اس کی ماں نے اسے سکھایا تھا بہت پہلے۔

سُغری اپنی سلائی مشین پر بیٹھی تھی۔ اس نے سلائی روک دی۔ اس نے اپنے بھائی کی آخری تصویر دیکھی — جو اس نے اسے بھیجی تھی ڈنمارک سے ایک لیب میں کھڑے ہوئے سفید کوٹ میں اس کے چہرے پر وہی پرانی توجہ۔

وہ مسکرائی۔ پھر وہ رو پڑی — لیکن خوشی کے آنسو تھے۔ 'آجا بھائی 'اس نے کہا۔ تیرا گھر ہے۔ تیری ماں کی قریب ہے۔ میں نے تیرے لیے اماں کی دال بنانا سیکھ لیا ہے۔

باب اکتیس

ڈاکٹر اللہ وارایو واپس لوٹتا ہے



کراچی ہوا سے پاکستان کی سب سے بڑی چیز ہے جو تم دیکھ سکتے ہو ایک افقی شہر ہر سمت اپنی حدود کی طرف پھیلا ہوا شہر اور غیر شہر کے درمیان کوئی صاف حد نہیں بلکہ ایک بتدریج پتلا پن گلیوں اور عمارتوں کی کثافت اور رات کو ان کی روشنی ساحلی میدان کے اندھیرے میں دھندلاتی ہوئی۔ وہ یہاں ایک بار پہلے اترا تھا — جاتے ہوئے۔ اب اتر رہا تھا — واپس آتے ہوئے۔ اس کے نیچے شہر ایک مختلف کیفیت رکھتا تھا: مانوس اور اجنبی اس کا اور اس کا نہیں جس طرح ہر وہ چیز جس کے قریب تم بڑے ہوئے ہو جب تم بہت دور جانے کے بعد واپس آتے ہو تو ہوتی ہے۔

اس نے کراچی میں دو دن گزارے — یونیورسٹی کے ایک رابطے کے ساتھ جس کے فلیٹ میں جگہ تھی —

اس کا پہلا پڑاؤ حیدرآباد میں تھا — سُغری کے پاس۔

وہ اب پچاس سال کی تھی —یا قریب تھی۔ اس کے کنپٹیوں پر بال سفید ہو گئے تھے بالکل ان کی ماں کی طرح — سفیدی جلدی آنا عمر کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسا مادہ جو خاندان اپنی جینیات میں رکھتا تھا — ایک قسم کی چاندی جو ان کی عورتیں اُسی وقار کے ساتھ پہنتی تھیں جس کے ساتھ ان کی ماں اپنا دھندلا اجرک پہنتی تھی۔ اس نے اسے اپنے دروازے پر گلے لگایا اور ایک لمحے بغیر بولے اسے تھامے رہی۔

ڈاکٹر صاحب 'اس نے کہا جب اسے چھوڑا۔'

مجھے ایسا مت بلاؤ۔'

ڈاکٹر اللہ وارایو۔ مائی اللہ رکھی کا بیٹا۔ 'اس نے اس طرح کہا جس طرح تم کوئی ایسی چیز کہتے ہو' جس کی تم مشق کر رہے ہو۔ 'میں سننا چاہتی ہوں کہ یہ کیسا لگتا ہے۔

اس نے اسے کہنے دیا۔ یہ درست اور عجیب دونوں لگا — جس طرح تمام سچی چیزیں لگتی ہیں جب تم انہیں پہلی بار کہتے ہو۔

وہ حیدرآباد سے شمال کی طرف اپنے بچپن کے ضلع کی طرف چلا۔

پھر بس پکڑی شمال کی طرف دریائی شاہراہ سے اور پھر اندرون ملک زیریں سندھ کے چپٹے بھورے منظرنامے میں — جیسے جیسے تم شمال جاتے ہو زمین مزید چپٹی ہوتی جاتی ہے — دریائے سندھ کہیں دائیں طرف اس کی موجودگی اس کے کناروں کی پودوں میں آبپاشی والے کھیتوں کی سیاہ لکیریں جو عمومی خشکی کو کاٹتی ہیں۔ اس نے چھ گھنٹے بس کی کھڑکی سے باہر دیکھا — اور اسے محسوس کیا — اس منظرنامے کی خاص ساخت — اس میں واپس آرہی تھی اس طرح جیسے برسوں دور رہنے کے بعد کوئی خوشبو واپس آتی ہے — کسی بیرونی چیز کا مشاہدہ نہیں بلکہ کسی ایسی چیز کی پہچان جو ہمیشہ سے جزوی طور پر اندرونی تھی۔

✦ ✦ ✦

سڑک اس سے بہتر تھی جتنی اسے یاد تھی — اس کے حصوں کو اُن برسوں میں دوبارہ پختہ کیا گیا تھا جب وہ گیا تھا — اور پھر اس سے بدتر ایک بار جب تم مرکزی شاہراہ چھوڑ دیتے ہو تو دیہی سندھی سڑکوں کی اس خاص بُری حالت میں لوٹ آتے ہو جو ہمیشہ مرمت ہوتی ہیں اور ہمیشہ بگڑتی رہتی ہیں مرمت ہمیشہ بگاڑ سے کم ہوتی ہے۔ منظرنامہ اس کے پاس واپس آیا: چپٹے کھیت نہروں کے کنارے درختوں کی دور قطاریں کبھی کبھار گاؤں اپنے مینار اور مٹی کی اینٹوں کے جھرمٹ اور پانی کی ٹینکی کے ساتھ۔

وہ اُس قصبے سے گزرا جسے اس نے آخری بار دس سال کی عمر میں دیکھا تھا — ایک پولیس گاڑی میں اس کی طرف لے جاتے ہوئے۔ وہ اب اس سے گزرا — کرائے کی موٹر بائیک پر — اس نے جامشورو میں چلانا سیکھا تھا — اور اس نے اس کے مطابق اور اس کے فاصلے کو محسوس کیا جس طرح وہی گلیاں بیس سال پرانی تھیں اور وہ بیس سال پرانا تھا جس طرح اپنی بنیادوں پر کچھ نہیں بدلا تھا اور کچھ بھی یکساں نہیں تھا۔

حویلی سڑک سے دکھائی دے رہی تھی — اس کی اونچی دیواریں اور ٹوٹے شیشوں کی چوٹی — اب بھی موجود تھی اب بھی روشنی پکڑ رہی تھی۔ حکمران جماعت کے جھنڈے — اب مختلف جماعت تھی لیکن وہی قسم — دروازے سے لہرا رہے تھے۔ اس نے موٹر بائیک سڑک کے کنارے روکی اور ایک لمحے اسے دیکھتا رہا۔

وہ اندر نہیں گیا۔ ابھی نہیں۔

وہ پہلے گاؤں میں سُغری کے رابطے کے پاس گیا — ایک عورت جسے نانی کہتے تھے جو ان کی ماں کو جانتی تھی اور جس کے گھر میں ایک کمرہ دستیاب تھا — اور جس نے اسے اُس اظہار سے دیکھا جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو کسی ایسے چہرے کو پہچان رہا ہو جسے وہ بچپن میں جانتا تھا — ایک ایسے جسم پر جسے وہ نہ جانتی۔ اس نے کہا' : نوکرانی کا بیٹا۔ 'یہ بے رحمی سے نہیں تھا۔ یہ محض

وہی تھا جو وہ تھا اور جو وہ ہمیشہ سے تھا اور جسے اس نے بڑھا کر کچھ ایسا بنا دیا تھا جو اس حملے میں موجود نہیں تھا۔

'نوکرانی کا بیٹا 'اس نے کہا۔ 'ہاں۔'

✦ ✦ ✦

مہران خان نے اسے اس کی آمد کے تین دن بعد ملاقات دی۔

یہ ایک بیچوان کے ذریعے طے ہوا – گاؤں میں ایک دکان دار جو دونوں خاندانوں کو جانتا تھا جس نے حویلی میں پیغام بھیجا جو ایک وقت لے کر واپس آیا: شام کے چار بجے رسمی بیٹھک میں۔

مہران اب تیس سال کا تھا۔ اس میں لندن تھا – تعلیم انداز ایک خاص چکناہٹ جو حاصل کی گئی تھی اور اس پر اچھے کوٹ کی طرح بیٹھی تھی – اور اس کے نیچے حویلی تھی جو حاصل نہیں کی گئی تھی بلکہ اندرونی تھی۔ وہ اپنے والد کی طرح نہیں تھا: وڈیرہ مہراب خان دو سال پہلے دل کے دورے سے مر چکے تھے اور مہران کو اسٹیٹ اور سیاسی نیٹ ورک اور زرعی زمین اور قرض وراثت میں ملا تھا – سب کچھ – اور وہ اسے ایک ایسی خوبی کے ساتھ سنبھال رہا تھا جو اس کے والد میں کبھی نہیں تھی: بے یقینی۔

جب اللہ وارایو اندر آیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

– انہوں نے ایک دوسرے کو حویلی کے رسمی بیٹھک کمرے میں دیکھا جس میں وہ دونوں بچے تھے وہ کمرہ جس کی دیواروں پر پورٹریٹ لٹکے تھے – وہ کمرہ جہاں وڈیرہ وفود کا استقبال کرتا تھا – وہ کمرہ جو ان کے درمیان ہر چیز کا تعمیری اظہار تھا۔

میں نے سنا تم واپس آ گئے ہو 'مہران نے کہا۔ اس کی آواز محتاط تھی۔'

میں ایک سکول بنانے واپس آیا ہوں 'اللہ وارایو نے کہا۔ اس نے سیدھے کہا – بغیر کسی' تعارف کے – جیسا اس کا طریقہ تھا۔ 'نوکروں کی بستی کے قریب زمین پر۔ دیوار کے باہر وہ زمین کا ٹکڑا جہاں نیم کے درخت کا سایہ صبح میں پڑتا ہے۔ میرے پاس انعام کی رقم اور اپنی بچتوں

سے فنڈنگ ہے۔ میں ترقیاتی تنظیموں سے اضافی گرانٹس کے لیے درخواست دے رہا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم اس منصوبے پر اعتراض کرو گے؟

ایک توقف۔ مہران کا چہرہ کئی اظہاروں سے گزرا — اس کے جبڑے میں کچھ سخت ہوا اس کی آنکھوں میں کچھ نرم۔

'سکول حویلی کی زمین پر نہیں ہے 'اس نے احتیاط سے کہا۔ 'دیوار کے باہر کی زمین مشترکہ ہے۔'

میں جانتا ہوں۔ میں نے زمین کے ریکارڈ چیک کیے تھے۔ لیکن تمہارے خاندان نے ہمیشہ اسے' 'اسٹیٹ کی توسیع کی طرح برتا ہے۔

میرے خاندان —'وہ رکا۔ 'میں اعتراض نہیں کروں گا 'اس نے کہا۔ 'میں چاہتا ہوں کہ تم جانو' وہ پھر رکا۔ لندن والے انداز اور محتاط آواز کے نیچے وہ کسی ایسی چیز سے جوجھ رہا تھا جس '— سے وہ بہت دیر سے جوجھ رہا تھا۔ 'میں چاہتا ہوں کہ تم جانو کہ میں نے اس بارے میں سوچا ہے 'جو ہوا۔ انہوں نے کیا کیا۔ تمہارے ساتھ کیا کیا۔ میں نے کیا نہیں کیا۔

اللہ وارایو نے کچھ نہیں کہا۔

'میں دس سال کا تھا 'مہران نے کہا۔ 'یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ نہیں ہے۔'

تم دس سال کے تھے 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'یہ حقیقت ہے۔ باقی تمہارے اور اس کے درمیان' 'ہے جو تم اب کرتے ہو۔

مہران نے اسے دیکھا۔ پھر اس نے کہا': میں سکول کے لیے تعاون کروں گا۔ جو بھی رقم تم جتنا نہیں جٹا سکتے میں پورا کروں گا۔ 'اس نے جلدی کہا گویا اسے کہنے کی ضرورت تھی اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ سوچے۔ 'اس لیے نہیں کہ یہ — کسی قرض کو چکانے کے لیے نہیں۔ کوئی — یہ نہیں چکا سکتا —

'میں جانتا ہوں 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'تعاون قبول ہے۔'

ان کے درمیان وہ خاموشی تھی جو بیس سال کی تھی — اور وہ سب کچھ جو ان میں تھا اور ان کے درمیان تھا اور ان کے پیچھے تھا۔ یہ حل نہیں ہوئی۔ یہ کبھی پوری طرح حل نہیں ہوگی۔ لیکن اسے تسلیم کر لیا گیا تھا — اور یہی دستیاب تھا۔

انہوں نے حویلی کے رسمی بیٹھک کمرے میں اکٹھے چائے پی — اب دو مرد اُس جگہ میں جہاں وہ بچے تھے — اور کھڑکی کے باہر نیم کے درخت کا سایہ صحن میں اُسی صبح کی جیومیٹری میں گر رہا تھا جو ہمیشہ سے تھی۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب بتیس

اینٹیں اور خواب



اسکول کی تعمیر فروری میں شروع ہوئی۔

اس نے قصبے سے ایک ٹھیکیدار بھرتی کیا تھا — ایک قابلِ اعتماد آدمی نانی کے داماد کا جاننے والا جس نے مناسب قیمت لگائی اور جب پتہ چلا کہ کلائنٹ ایک بیرون ملک سے واپس آیا ہوا تعلیمی ماہر ہے تو اس نے قیمت نہیں بڑھائی کیونکہ اللہ وارایو کو قیمت بڑھانے کے خطرے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا اور وہ گفت و شنید میں پہلے سے تین مقابلتی قیمتوں کے ساتھ آیا تھا۔

معاہدہ واضح تھا۔ تفصیلات واضح تھیں۔ زمین روشن راہ این جی او کے نام پر رجسٹر کر دی گئی تھی جس کا انتظام سائرہ باجی نے حیدرآباد سے کیا تھا — ایک ایسا لین دین جو دیہی سندھ میں زمینی رجسٹریشن کے معیارات کے مطابق قابلِ ذکر حد تک ہموار تھا — جو سائرہ باجی کے طویل تجربے یا ان کے روابط کا نتیجہ تھا شاید دونوں کا۔

سائرہ باجی سنگ بنیاد کی تقریب کے لیے آئی تھیں۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

وہ اب تریسٹھ سال کی تھیں۔ وہ فعال این جی او کام سے مکمل طور پر ریٹائر ہو چکی تھیں اور حیدرآباد میں اپنی بیٹی کے خاندان کے ساتھ رہتی تھیں اور صرف خاص مواقع پر آتی تھیں جو اہم ہوتے اور یہ موقع اہم تھا۔ وہ حویلی کی مغربی دیوار کے باہر زمین کے اس ٹکڑے کی سرخ مٹی پر کھڑی تھیں — اپنے گہرے شلوار قمیض میں اپنے پڑھنے کا چشمہ زنجیر پر لٹکائے — اور عمارت کی کھونٹیوں سے نشان زدہ بنیاد کو دیکھتی رہیں — اور ایک لمحے کچھ نہ بولیں۔

پھر انہوں نے کہا': تمہاری ماں نے یہاں جھاڑو دی تھی۔

میں جانتا ہوں 'اس نے کہا۔'

اچھا ہے 'انہوں نے کہا۔ اور اس کے بارے میں بس اتنا ہی کہا۔'

✦ ✦ ✦

عمارت کو چار مہینے لگے۔ کنکریٹ بلاک کی تعمیر ایک منزلہ — چار کلاس روم ایک لائبریری کا کمرہ اساتذہ کے لیے ایک چھوٹا کمرہ ایک مناسب بیت الخلا اور صاف پانی کے لیے ایک بور ویل۔ اس نے خود تعمیر کی نگرانی کی — حد سے زیادہ مداخلت نہیں کی لیکن موجود رہا ہر مرحلے پر کام کی جانچ کرتا رہا — بڑھئی کی عادت جوڑوں کو جانچنے کی اور طبیعیات دان کی عادت ڈھانچوں کو پرکھنے کی۔

جیسے جیسے تعمیر آگے بڑھی اس نے کھلی فضا میں پڑھانا شروع کر دیا — املی کے درخت کے سائے میں — وہ املی کا درخت جو اس زمین کے مشرقی کنارے پر اگ آیا تھا خود سے بیج سے اگا پرانا اس کی چھال نیم کے درخت کی طرح بھوری اور جھریوں والی اس کی پھلیاں ہری جھنڈوں میں لٹک رہی تھیں۔

بچے آنے لگے۔ پہلے تین یا چار — متجسس والدین کے بھیجے ہوئے یا اپنی مرضی سے آئے۔ پھر مزید جیسے گاؤں میں مفت چیزوں کی خبر پھیلتی ہے: جلدی اور شک کی ایک خاص کیفیت کے ساتھ جو اس وقت کم ہو جاتی ہے جب چیز واقعی مفت ثابت ہو جائے۔ تیسرے ہفتے تک املی

کے درخت کے سائے میں بارہ بچے بیٹھتے تھے — چھ سے چودہ سال کی عمر تک — اور وہ انہیں وہی پڑھا رہا تھا جو وہ ہمیشہ پڑھاتا تھا: پہلے حروف تہجی پھر الفاظ پھر اعداد پھر — جب وہ تیار ہو گئے جو اس کی توقع سے پہلے آگیا — فزکس کے پہلے تصورات۔

اس نے فزکس اُسی طرح پڑھائی جس طرح اس نے خود سیکھی تھی: اسے اُس دنیا کے بارے میں بنا کر جسے وہ دیکھ سکتے تھے۔

اس نے ایک گیند اپنے سر کے اوپر اٹھائی اسے گرایا اور پوچھا: 'یہ کیسے جانتی ہے کہ کس طرف گرنا ہے؟' یہ وہ نیوٹنی سوال تھا — کشش ثقل کا سوال — اور یہ ایک حقیقی سوال بھی تھا — کوئی واضح وجہ نہیں کہ چیزیں اوپر کی بجائے نیچے کیوں گریں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر بار مستقل طور پر بغیر کسی استثنا کے نیچے گرتی ہیں — یہ ایک ایسی چیز تھی جسے جانچنا چاہیے نہ کہ بغیر سوال کے قبول کر لینا۔ اس نے انہیں دکھایا کہ گیند کو گرنے میں جو وقت لگتا ہے — ایک سیکنڈ کا ایک حصہ — اسے ناپا جا سکتا ہے اور اس پیمائش سے صرف ریاضی کے ذریعے تم کشش ثقل کی سرعت کا حساب لگا سکتے ہو۔ اس نے انہیں وہ ریاضی دکھائی۔ اس نے انہیں دکھایا کہ جو عدد انہیں ملا وہ نصابی کتاب کے عدد سے میل کھاتا تھا — جو زمین پر ہر جگہ ایک ہی عدد ہے۔

اس نے ان کے چہرے دیکھے جب یہ موافقت ظاہر ہوئی۔

وہ چنگاری۔ وہی چنگاری جو اس نے بیرک تین میں سات سالہ بچے کے چہرے پر دیکھی تھی جب اس نے دھول میں اپنا نام پڑھا۔ وہ لمحہ جب تجریدی حقیقی ہو جاتا ہے اور خود اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں ڈھونڈتا ہے جو ساختی نکلی۔

وہ شام کے وقت اس احساس کے ساتھ بیٹھتا — پورے دن کی تدریس کے بعد شام کا احساس جو تھکاوٹ کی ایک خاص قسم تھی — نتیجہ خیز اور مطمئن کرنے والی۔ وہ نانی کے گھر میں اپنے کمرے کے باہر بیٹھتا اور نکلتے ستاروں کو دیکھتا — سندھ کا میدان اب بھی تھا یہاں شہر کی

روشنیوں سے دور ایک ایسی جگہ جہاں ستارے مکمل طور پر نظر آتے تھے — صاف راتوں پر آکاش گنگا روشنی کے ایک حقیقی دریا کے طور پر موجود تھی — اور اس نے اس فاصلے کو محسوس کیا جو ادارے کے بینچ اور اس خاص لمحے کے درمیان تھا۔

پنجرے میں چالیس واٹ سے یہاں تک۔

سکول کی سفید دیواریں اٹھ رہی تھیں۔ چھت کے شہتیر لگ چکے تھے۔ اس کی ماں کا دوپٹہ اس کے کمرے کے اندر لکڑی کے ڈبے میں تہہ کیا ہوا تھا۔

✦ ✦ ✦

انسپکٹر گل حسن — اب ریٹائرڈ — لاڑکانہ میں اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔

اسے پچھتر سال کی عمر ہو چکی تھی۔ اس کی بینائی کمزور ہو گئی تھی اور وہ اپنی بیٹھک میں بیٹھ کر ریڈیو سنا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے داماد نے اخبار میں ایک خبر پڑھ کر سنائی" :سندھ کا بیٹا ڈاکٹر اللہ وارایو جس نے ڈنمارک میں نینوٹیکنالوجی میں پی ایچ ڈی کی واپس آیا اور اپنے آبائی گاؤں میں ایک جدید سکول قائم کر رہا ہے۔

گل حسن نے اپنی چائے کا کپ رکھ دیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا' :اللہ وارایو ...وہ بچہ جسے میں نے خود تھانے میں لایا تھا؟

اس کے داماد نے کہا' :جی وہی۔ نو سال کی عمر میں قتل کے جھوٹے الزام میں پھنسایا گیا تھا۔

گل حسن نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے سوچا — اس نے اس لڑکے کو ہتھکڑیاں پہنائی تھیں۔ اس نے اسے عدالت میں پیش کیا تھا۔ اس نے اسے جیل بھیجا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ الزام جھوٹا تھا۔ ہر کوئی جانتا تھا۔ لیکن اس نے اپنا کام کیا تھا — وہی جو اس سے کہا گیا تھا۔

اس نے آہستہ سے کہا' :وہ لڑکا جو میرے سامنے کھڑا ہوا تھا اور اس نے پوچھا تھا کہ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ "— اس کی آنکھوں میں ڈر نہیں تھا۔ صرف سوال تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ 'تھانے میں بتا دیا جائے گا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

وہ خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا' :وہ آج ڈاکٹر ہے۔ اور میں آج ایک بوڑھا آدمی ہوں جس نے اپنی زندگی میں بہت سے گناہ کیے۔ لیکن شاید — شاید اس کی کامیابی میں میرے ہاتھوں کا بھی کوئی 'حصہ ہے۔ میں نے اسے جیل بھیجا تھا۔ اور جیل نے اسے سکھایا۔

'اس کا داماد حیران ہوا' :آپ کو فخر ہے؟

گل حسن نے کہا' :میں اس پر فخر نہیں کر سکتا — میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا۔ لیکن میں اس بات پر حیران ہوں کہ وہ کیا بن گیا۔ یہ سندھ کی مٹی کا کمال ہے۔

اس نے کہا کہ وہ کبھی سکول دیکھنے جائے گا — اگر اس کی صحت نے ساتھ دیا۔

✦ ✦ ✦

سپرنٹنڈنٹ رحمٰن — وہی جو بھوک ہڑتال کے وقت سپرنٹنڈنٹ تھا — اب اپنے گاؤں میں ریٹائرمنٹ گزار رہا تھا۔

وہ سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی تھی۔ لیکن جب اس نے اپنے بیٹے سے سنا کہ وہ بچہ جسے اس نے کبھی "مسئلہ کن "کہا تھا — وہی جس نے بھوک ہڑتال کی تھی — اب بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنسدان ہے اور اپنے آبائی گاؤں میں سکول بنا رہا ہے تو وہ خاموش ہو گیا۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا' :میں نے اس کے ساتھ بہت سختی کی۔ میں نے اس کے چراغ کے اوقات ختم کیے تھے۔ اس نے بھوک ہڑتال کی تھی۔ میں نے اسے دھمکیاں دی تھیں۔

اس کے بیٹے نے کہا' :لیکن وہ آپ سے بڑا بن گیا ہے ابا۔

رحمٰن نے کہا' :وہ مجھ سے بڑا نہیں — وہ اپنے آپ سے بڑا بن گیا ہے۔ میں نے اسے توڑنے کی کوشش کی۔ وہ ٹوٹا نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو بنایا۔ یہی اصل کامیابی ہے۔

اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا' :اس سکول کے لیے کچھ فنڈ بھیج دو۔ میرے ریٹائرمنٹ فنڈ سے۔ اور میرا نام مت بتانا۔ میں یہ قرض چکا رہا ہوں۔

✦ ✦ ✦

۔حسن علی کھوسو۔۔ایم این اے)سابق (۔۔اپنی جاگیر پر بیٹھے تھے۔ وہ اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس کے بیٹے جلال نے سیاست سنبھال لی تھی۔

اس نے جلال سے کہا' :وہ لڑکا۔۔اللہ وارایو۔۔جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا کہ اس نے سکول بنا لیا ہے؟

جلال نے کہا' :ہاں ابا۔ ہماری سرحد کے قریب۔

کھوسو نے لمبی سانس لی۔ 'اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنانے میں میرے ہاتھ تھے۔ میں نے جرگہ میں فیصلہ دیا تھا۔یہ میرے ضمیر کا بوجھ ہے۔

جلال نے کہا' :لیکن اس وقت یہی کرنا تھا ابا۔

کھوسو نے غصے سے کہا' :کروانا کچھ اور ہوتا ہے صحیح کروانا کچھ اور۔ ہم نے غلط کیا۔ 'وہ خاموش ہوا۔ پھر بولا' :وہ بچہ جسے ہم نے قید کیا آج وہ ڈنمارک سے واپس آیا ہے اور ہماری سرزمین پر سائنس پڑھا رہا ہے۔یہ ہماری شکست ہے۔۔اور ہماری فتح بھی۔ شکست اس لیے کہ ہم اسے نہ روک سکے۔ فتح اس لیے کہ ہمارے علاقے کا ایک بچہ دنیا میں نام روشن کر رہا ہے۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا' :اس سے مل کر آؤ۔ میری طرف سے سلام کہنا۔ اور کہنا کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔۔حالانکہ شاید اسے میری معافی کی ضرورت نہیں مجھے اس کی معافی چاہیے۔

جلال نے کہا' :ابا آپ خود کیوں نہیں جاتے؟

بوڑھے کھوسو نے کہا' :میرے گھٹنے نہیں چلتے۔ اور میرا منہ بھی نہیں چلتا۔ مگر تم جاؤ۔ اور اس سے کہنا کہ بوڑھا کھوسو اس پر فخر کرتا ہے۔ہاں۔۔ فخر۔ چاہے وہ ہمارا خاندانی دشمن ہو لیکن وہ سندھ کا بیٹا ہے۔

✦ ✦ ✦

وڈیرہ مہراب خان — مرحوم — کی روح کہیں تو ہوگی۔

لیکن اس کی قبر پر ایک دن اس کا بیٹا مہران آیا اور کھڑا ہو کر بولا

ابا تم نے اسے قید کروایا تھا۔ تم نے اسے یتیم بنا دیا تھا۔ تم نے اس کی زندگی برباد کرنے کی' کوشش کی تھی۔ لیکن وہ آج واپس آیا ہے — اور وہ تمہاری حویلی کے سائے میں سکول بنا رہا ہے۔ میں نے اس سے بات کی ہے۔ اس نے مجھے معاف نہیں کیا — لیکن اس نے مجھے ایک موقع دیا ہے۔ میں تمہارے نام سے شرمندہ ہوں — لیکن میں اس کے نام پر فخر کرتا ہوں۔

مہران نے اپنے والد کی قبر پر ہاتھ رکھا۔ پھر وہ واپس حویلی کی طرف چل دیا — جہاں اسے نئے سرے سے اپنی زندگی بنانی تھی۔

✦ ✦ ✦

اُس رات اللہ وارایو نے نانی کے گھر کی چھت پر لیٹ کر ستاروں کو دیکھا۔

اس نے سوچا: وہ سب جو کبھی میرے خلاف تھے — وہ آج فخر محسوس کر رہے ہیں۔ شاید وہ اپنی غلطیوں کو تسلیم نہ کر سکیں۔ لیکن وہ دیکھ رہے ہیں کہ میں نے وہ کیا جسے وہ ناممکن سمجھتے تھے۔

اس نے اپنی ماں کے دوپٹے کا وہ چھوٹا ٹکڑا اپنے سینے سے لگایا۔

ماں 'اس نے آہستہ کہا۔ تیرا بیٹا وہاں سکول بنا رہا ہے جہاں تو جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اب وہ' لوگ جو کبھی ہمیں نیچا دکھاتے تھے — وہ میرے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ میں نے تیرا نام روشن کیا ہے۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے — لیکن وہ مسکرا رہا تھا۔

باب تینتیس

آخری غروب



عمارت اکتوبر کے آخری جمعہ کو مکمل ہوئی۔

ٹھیکیدار نے اسے صبح نو بجے فون کیا :آخری کام ہو چکا تھا الیکٹریشن نے وائرنگ جوڑ دی تھی بورویل کا پانی صاف بہہ رہا تھا۔ وہ اپنی موٹر بائیک پر زمین کے اس ٹکڑے تک گیا اور سکول کے سامنے کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

یہ ایک سادہ عمارت تھی۔ ایک منزلہ چار کلاس روم کھڑکیوں سے دکھائی دے رہے تھے جو اس —نے بڑی رکھنے کی ہدایت دی تھی — اسے اپنی زندگی میں چھوٹی اونچی کھڑکیاں کافی مل چکی تھیں ان کے لکڑی کے فریم سبز رنگ کیے گئے تھے۔ دیواریں سفید تھیں ابھی ابھی تیار ہوئی تھیں —اکتوبر کی صبح کی روشنی میں ان کی سفیدی تقریباً چمکدار تھی۔ دروازے کے اوپر اس نے خود :اپنے ہاتھوں سے —سندھی رسم الخط میں لکھا تھا جو اس نے اسی ضلع میں بچپن میں سیکھا تھا

علم جو چراغ

علم کا چراغ

اس نے یہ جملہ شاہ لطیف کے رسالے کی ایک سطر سے لیا تھا — جسے وہ کوپن ہیگن سے ایک معیاری ایڈیشن میں لایا تھا — ایک معیاری سندھی ایڈیشن سخت جلد والا مکمل نظمیں — اور جسے وہ واپسی کے بعد سے ہر رات پڑھ رہا تھا — نظمیں اب مختلف انداز میں آرہی تھیں اُس جگہ پڑھی جا رہی تھیں جہاں وہ تخلیق ہوئی تھیں اُس مٹی میں جس نے انہیں جنم دیا تھا۔

اس نے مرکزی دروازہ کھولا اور اندر گیا۔

کلاس روم خالی تھے ان کی دیواریں سفید ان کے فرش صاف سیمنٹ کے — بچوں اور میزوں اور مقصد کے خاص بسیرے کا انتظار کر رہے تھے۔ لائبریری کے کمرے میں کتابوں کے پہلے ڈبے رکھے تھے — چالیس درسی کتابیں جو اس نے منگوائی تھیں پچھلے ہفتے حیدرآباد سے ایک وین میں آئی تھیں: سائنس ریاضی سندھی ادب تاریخ انگریزی۔ لائبریری کے کمرے کی کھڑکی کی جگہ پر اس نے اپنا لکڑی کا ڈبہ رکھا — اور اس کے پاس ایک چھوٹے سے فریم میں جو سُغری نے بنایا تھا ان کی ماں کی ایک تصویر — جو مہران نے حویلی کے اسٹور روم سے ڈھونڈی تھی — اور اپنی دوسری ملاقات میں اسے دیتے ہوئے یہ نہیں بتا سکا تھا کہ یہ کیسے رکھی گئی تھی یا کیوں صرف یہ کہ یہ اس کی تھی۔

تصویر سیاہ و سفید تھی کسی گھریلو موقع پر لی گئی تھی — شاید کسی شادی میں — اور اس میں تقریباً پینتیس سال کی ایک عورت تھی ایک نقش دار دوپٹے میں کیمرے کی طرف نہیں بلکہ اس کے بائیں طرف کچھ دیکھ رہی تھی — مکمل توجہ کے اظہار کے ساتھ کسی ایسی چیز کو دیکھنے والے کا اظہار جو اہم تھا۔ اس کے ہاتھ — فریم کے کنارے پر دکھائی دے رہے تھے — وہی ہاتھ تھے: وہ قابلِ تعریف ہاتھ — کھردرے اور خوبصورت۔

وہ لائبریری کے کمرے میں کچھ دیر تصویر کے ساتھ کھڑا رہا۔

✦ ✦ ✦

اس دوپہر سکول نے اپنی پہلی باضابطہ نشست منعقد کی۔

کوئی تقریب نہیں — اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ وہ تقریب نہیں چاہتا نہ ربن کاٹنا نہ سیاستدانوں کی تقریریں جو ان مواقع کا معیاری فارمیٹ تھیں۔ بس ایک اجتماع: گاؤں کے خاندان جو اپنے بچوں کو کھلی فضا کی کلاسوں میں بھیج رہے تھے ٹھیکیدار اور اس کی ٹیم سائرہ باجی کی مقامی نمائندہ — ایک نوجوان عورت جس کا نام فریدہ تھا جو سکول کی پہلی منتظم ہوگی — اور خود بچے۔

اکتیس بچے۔ پانچ سے پندرہ سال کی عمر تک۔ وہ چاروں کلاس روم میں نئی لکڑی کی بینچوں پر بیٹھے تھے — اس نے خود ان میں سے چار بنائے تھے — بڑھئی کی ورکشاپ کی روح میں — انہیں ریت سے ہموار کرتے ہوئے — اور وہ سب سے بڑے کلاس روم کے سامنے کھڑا ہوا اور انہیں دیکھا۔

اس نے کہا' : یہ تمہارا سکول ہے۔ میرا نہیں۔ میں نے اسے بنایا کیونکہ مجھے ایک بار ایک کی ضرورت تھی اور میرے پاس نہیں تھا۔ تمہارے پاس اب ایک ہے۔ اسے مکمل طور پر استعمال کرو۔

اس نے انہیں نظامِ شمسی دکھایا — ایک جسمانی نمونہ جو اس نے خود مڑے ہوئے تار اور مٹی کی گولیوں سے بنایا تھا کلاس روم کی چھت سے لٹکا ہوا۔ اس نے اسے گھمایا۔ سیارے اپنے بیضوی مداروں میں گھومے۔ مرکز میں سورج بہت چھوٹا — سب سے بڑے سیارے کا مدار چوڑا اور آہستہ۔

پہلی قطار میں ایک لڑکی — سات سال کی اپنی بڑی بہن کا دوپٹہ بطور دوپٹا باندھے ہوئے جو اس پر بہت بڑا تھا — نے نمونے کو اوپر دیکھا اور کہا' : ہم کون سے ہیں؟

اس نے مرکز سے تیسری گولی کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے اسے بہت دیر تک دیکھا۔ پھر اس نے کہا' : ہم چھوٹے لگتے ہیں۔

ہم چھوٹے ہیں 'اس نے کہا۔ 'لیکن جو کچھ بھی کائنات کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے وہ' سب یہاں سے دریافت ہوا۔ اس چھوٹے سے۔

اس نے اس پر غور کیا۔ پھر اس نے سرہلایا — اس سرہلانے کا مطلب تھا: موصول۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ یہ اس کا اپنا سرہلانا تھا۔

✦ ✦ ✦

ایک اور بچہ — ایک لڑکا دس سال کا — جس کا نام علی تھا آخری قطار میں بیٹھا بہت خاموش۔ کلاس ختم ہونے کے بعد جب دوسرے بچے کھیلنے کے لیے باہر نکل گئے وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

اللہ وارایو نے اسے دیکھا۔

تم نہیں جا رہے؟'

لڑکے نے سرہلایا — نہیں۔ 'سر 'اس نے کہا 'میرے والد کہتے ہیں کہ میں کبھی کچھ نہیں بنوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے لوگ صرف کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ سکول جانا فضول ہے۔

اللہ وارایو اس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ والی بینچ پر بیٹھ گیا۔

میرے والد بھی نہیں چاہتے تھے کہ میں پڑھوں 'اس نے کہا۔ 'میرے والد نہیں — میرے' والد نہیں تھے۔ میرے پاس والد نہیں تھے۔ میری ماں تھی اور وہ چاہتی تھی۔ لیکن وہ بھی نہیں رہی۔ اس کے بعد کوئی نہیں چاہتا تھا۔ صرف ایک استاد تھا۔ اور ایک کتاب۔ اور ایک چراغ۔

لڑکے نے بڑی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ 'آپ نے کیسے کیا؟

میں نے پڑھا۔ میں نے پڑھنا جاری رکھا۔ جب مجھے مارا گیا میں نے پڑھا۔ جب مجھے قید کیا گیا' میں نے پڑھا۔ جب میرے پاس کھانا نہیں تھا میں نے پڑھا۔ علم وہ چیز ہے جو کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ تمہارے والد تمہارے کپڑے چھین سکتے ہیں تمہارا کھانا چھین سکتے ہیں تمہاری

آزادی بھی چھین سکتے ہیں — لیکن جو کچھ تم نے سیکھ لیا وہ تمہارے اندر ہے۔ اور وہ کبھی نہیں جاتا۔

علی نے اپنا بیگ پکڑ لیا۔ 'میں کل آؤں گا سر۔

میں انتظار کروں گا 'اللہ وارایو نے کہا۔'

وہ لڑکا بھاگتا ہوا باہر نکلا — اور اس کے چہرے پر وہ چنگاری تھی۔

✦ ✦ ✦

اُس شام وہ موٹر بائیک پر بیس فٹ والی سڑک پر چلا۔

اس نے منصوبہ نہیں بنایا تھا۔ وہ شام کے شروع میں قصبے سے کچھ سامان لینے گیا تھا اور واپسی پر اس نے اس سڑک کا رخ کر لیا کیونکہ یہ زیادہ سیدھا راستہ تھا اور اس لیے بھی — اس نے خود کو تسلیم کیا — کیونکہ وہ واپسی کے بعد سے اس پر نہیں گیا تھا اور اس کے اندر کچھ تھا جسے جانے کی ضرورت تھی۔

نیم کا درخت شاندار تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ہوگا — بیس سال کی نشوونما ایک درخت جو پہلے ہی قدیم تھا جب اس نے آخری بار دیکھا تھا اب زیادہ قدیم اس کا تنے موٹا اس کا سائبان وسیع تر اس کی جڑیں یقیناً پہلے سے زیادہ گہری دونوں طرف۔ یہ اکتوبر کی شام کی روشنی میں اُس خاص اختیار کے ساتھ کھڑا تھا جو اُن چیزوں کو حاصل ہوتا ہے جنہوں نے اُن دلائل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہو جو ان کے سائے میں کیے گئے تھے۔

اس نے اپنی موٹر بائیک اس کے سائبان کے نیچے روکی اور انجن بند کر دیا۔

سڑک دونوں سمتوں میں سنسان تھی۔ دونوں طرف کے کھیت کٹ چکے تھے — کپاس آ چکی تھی گندم ابھی آنا تھی۔ میدان کے اوپر آسمان سندھی اکتوبر کی شام کا خاص گہرا نیلا تھا — مشرق کی

طرف گہرا ہوتا جا رہا تھا جہاں سورج ڈھل چکا تھا — پھر بھی مغربی افق کے اوپر نارنجی رنگ کی ایک لکیر موجود تھی۔ ستارے نمودار ہو رہے تھے۔

وہ اپنی موٹر بائیک پر نیم کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور آسمان کو دیکھا۔

اس نے اپنی ماں کے بارے میں سوچا — جو اُس دیوار کے بالکل پار حویلی میں صبح سے پہلے صحن جھاڑو دیتی تھی۔ اس نے سائرہ باجی کے بارے میں سوچا — اور ان کے کپڑے کے تھیلے اور ان کے قلم کے بارے میں۔ اس نے بخشال کے بارے میں سوچا — جو دروازے سے گزر کر گیا تھا۔ اس نے انجا کے بارے میں سوچا — جھیل کے کنارے چپکے سے رو رہی تھی کسی ایسی چیز کے بارے میں جسے وہ جانتی تھی کہ آنے والا ہے۔ اس نے اس سات سالہ لڑکی کے بارے میں سوچا جس نے آج دوپہر پوچھا تھا: ہم کون سے ہیں؟

اس نے اپنا فون نکالا۔ اس نے ایک گانا چلایا — وہ ریکارڈنگ جو اس نے برسوں رکھی ہوئی تھی مائی بھاگھی کا گانا سندھ کی عظیم لوک گلوکارہ — دریائے سندھ کے بہاؤ کے بارے میں — ایک — گانا جو اس کی ماں جانتی تھی اور جو اسے ایک ریکارڈنگ پر ملا تھا اور اس نے محفوظ کر لیا تھا:

سنڌو دريا سھڻو دريا
تو وڌو تو ونجي
ڪناري ڪناري تيري ياد
دل ۾ نالو تيرو۔

سندھو دریا خوبصورت دریا
تو بڑھتا ہے تو بہتا ہے
ہر کنارے تیری یاد
دل میں تیرا نام۔

گانا شام کی ہوا میں بج رہا تھا — فون کا چھوٹا اسپیکر اسے سڑک اور کھیتوں اور نیم کے درخت کے سائبان میں لے جا رہا تھا۔

— اس نے محسوس کیا — یہاں اس درخت کے نیچے بیٹھے گانا بج رہا تھا ستارے نکل رہے تھے کچھ ایسا جس کا اس کے پاس کوئی نام نہیں تھا لیکن جو تمام نام رکھی چیزوں کا مجموعہ تھا: غم اور اطمینان آرزو اور پہنچنا وہ فاصلہ جو اس بچے کے درمیان تھا جو وہ تھا اور اس آدمی کے درمیان جو وہ تھا — ان کے درمیان تسلسل۔ وہ یہاں تھا۔ وہ واپس آیا تھا۔ اس نے وہ چیز بنا لی تھی۔ اس نے ایک خوابناک سکون محسوس کیا۔ خوابناک اس لیے کہ اس معیار اور مکملیت کا سکون اس کے تجربے نے اسے مکمل طور پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں کیا تھا — اس میں ہمیشہ — ایک عارضی پن کا کنارہ ہوتا تھا مشروطیت کا اس امکان کے خلاف تھامے رکھنے کا کہ کہیں یہ چھین نہ لیا جائے۔ لیکن اس شام — بیس فٹ والی سڑک پر نیم کے درخت کے نیچے — اپنے اوپر سندھی آسمان کو لامحدود رکھتے ہوئے — سکون مکمل تھا۔

✦ ✦ ✦

اچانک اس نے دیکھا کہ سڑک پر ایک اور روشنی آ رہی ہے — ایک موٹر سائیکل کی ہیڈلائٹ۔ وہ چھوٹی موٹر سائیکل اس کے قریب آ کر رکی۔ سوار نے ہیلمٹ اتارا۔ یہ مہران تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے — بیس سال بعد اسی سڑک پر اس بار بغیر پولیس کے بغیر جھگڑے کے بغیر کسی گولی کے۔

مہران نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی اور اس کے پاس آیا۔ وہ نیم کے درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

میں نے سکول دیکھا 'مہران نے کہا۔ 'آج شام میں گیا تھا۔ تم نہیں تھے لیکن فریدہ نے مجھے' اندر جانے دیا۔ میں نے تمہاری ماں کی تصویر دیکھی۔

اللہ وارایو نے کچھ نہیں کہا۔

تم نے اسے وہاں رکھا۔ لائبریری میں۔ جہاں بچے آئیں گے۔'

'ہاں۔'

مہران نے اوپر درخت کو دیکھا۔ 'یہ وہی درخت ہے۔ وہی شاخ جو میں نے توڑی تھی — وہاں سے — دیکھو وہاں سے نئی شاخ اگ آئی ہے۔

اس نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں بیس سال پہلے اس نے پھولوں والی شاخ توڑی تھی۔ اب وہاں ایک نئی شاخ تھی — پتلی مگر مضبوط اس پر سفید پھولوں کی کلیاں۔

'درخت ٹوٹنے سے نہیں مرتا 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'وہ ٹوٹی ہوئی جگہ سے نیا پنکھ نکالتا ہے۔'

مہران نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکالا — ایک چھوٹا سا لفافہ۔

یہ لے لو — تمہارے سکول کے لیے۔ میرے والد کے نام سے — میں نے اسے ان کی قبر سے " پہلے لیا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ یہ کچھ نہیں بدل سکتا۔ لیکن "شاید — شاید یہ کسی کام آئے۔

اللہ وارایو نے لفافہ لے لیا۔ اس نے اسے کھولا۔ اس میں ایک چیک تھا — ایک بڑی رقم۔

یہ ان کا نہیں،" مہران نے جلدی کہا۔ "یہ میرا ہے۔ میں نے اپنی جائیداد کا ایک حصہ بیچا۔ میں " "چاہتا ہوں کہ یہ اس بچے کے لیے استعمال ہو جو تم تھے — جو ہم سب نے نظر انداز کیا۔

اللہ وارایو نے چیک کو دیکھا۔ پھر اسے واپس لفافے میں ڈال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

:مہران نے ایک لمحہ توقف کیا — پھر اس کی آواز نرم ہوئی

اللہ وارایو — تم میرے دوست نہیں ہو۔ تم کبھی میرے دوست نہیں تھے۔ تم میرے بھائی " "ہو — ہمیشہ سے تھے۔

:اللہ وارایو نے لفافہ لیا، مگر اس کی آنکھیں مہران پر جمی رہیں

مہران — 'بھائی' کہہ دینے سے بھائی نہیں بن جاتے۔

عمل سے ثابت کرنا پڑتا ہے — کہ تم ہابیل ہو، قابیل نہیں۔

مہران کی آنکھیں نم تھیں — مگر وہ کچھ نہیں بولا۔

:اللہ وارایو نے آگے کہا

"تم یہاں کیوں آئے، مہران؟"

:مہران نے ایک گہری سانس لی

کیونکہ میں نے اپنے والد کی قبر پر اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا — کہ میں اُن غلطیوں کو دہراؤں گا " نہیں جو انہوں نے کیں۔ اور شاید — شاید تم سے مل کر یہ کہنا کہ میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ "نہیں جانتا کہ تم معاف کرو گے یا نہیں — لیکن میں نے کہہ دیا۔

ایک لمبی خاموشی۔

:پھر اللہ وارایو نے کہا

میں تمہیں معاف کرتا ہوں، مہران۔ اس لیے نہیں کہ تم نے کوئی ایسی چیز کی جسے معاف کیا جا سکے — بلکہ اس لیے کہ معاف کرنے سے میرا دل ہلکا ہوتا ہے۔ تم اپنا بوجھ خود اٹھاؤ۔ میں اپنا بوجھ خود اٹھاؤں گا۔

مہران کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اللہ وارایو نے اسے تھام لیا۔

وہ دونوں نیم کے درخت کے نیچے کچھ دیر خاموش کھڑے رہے — ستارے ان کے اوپر چمک رہے تھے۔

پھر مہران نے کہا' :چلو — میں سکول دیکھنا چاہتا ہوں۔ رات کے وقت۔

اللہ وارایو مسکرایا۔ 'چلو۔

وہ دونوں اپنی موٹر بائیکوں پر سوار ہوئے اور سکول کی طرف چل دیے — ان کی ہیڈلائٹیں تاریک سڑک پر دو روشنیوں کی طرح تھیں۔

✦ ✦ ✦

سکول کے دروازے پر انہوں نے دیکھا کہ کوئی اور پہلے سے موجود تھا۔

ایک بوڑھی عورت — چھڑی تھامے — سفید دوپٹے میں — سائرہ باجی۔

— اللہ وارایو دوڑ کر ان کے پاس گیا۔ 'آپ !آپ کیسے؟ آپ نے کہا تھا کہ آپ نہیں آسکتیں

سائرہ باجی نے اسے دیکھا — ان کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو کلاس روم میں ہوا کرتی تھی۔

میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ رہی — تو چھڑی لے کر چل کر آؤں گی۔ دیکھ لو — میں آئی ہوں۔'

وہ رونے لگا۔ اس نے انہیں گلے لگا لیا۔

اچھا کیا تم نے بیٹا 'سائرہ باجی نے کہا۔ 'تم نے وہ کیا جو میں نہ کر سکی۔ تم نے ایک پوری نسل' کو روشنی دی۔

اس نے اپنی جیب سے وہ قلم نکالا — جو انہوں نے اسے گریجویشن پر دیا تھا۔ 'یہ آپ کا قلم ہے میں نے اسے محفوظ رکھا۔ اب یہ اس سکول میں رہے گا۔ ہر بچے کے لیے۔ —

سائرہ باجی نے قلم لیا — اسے دیکھا — پھر واپس کیا۔ 'نہیں۔ یہ تمہارا ہے۔ تم اس سے وہ مساوات لکھو گے جو تم لکھنا چاہتے ہو۔ اور تمہارے بچے بھی لکھیں گے۔

مہران جو دور کھڑا تھا نے آہستہ سے کہا': کیا میں اندر آسکتا ہوں؟

سائرہ باجی نے اسے دیکھا — ایک لمحے کے لیے — پھر بولی': آؤ بیٹا۔ یہ سکول سب کے لیے ہے۔

وہ تینوں اندر گئے۔

اللہ وارایو نے کلاس روم کی لائٹ آن کی۔ سفید دیواریں روشنی سے جگمگا اٹھیں — بینچیں قطاروں میں — سامنے وائٹ بورڈ جس پر اس نے پہلے ہی لکھ رکھا تھا:

پہلا سبق: تم کچھ بھی بن سکتے ہو۔

سائرہ باجی نے بورڈ کو پڑھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

تم نے یہ لکھا؟'

جی۔'

یہی وہ سبق ہے جو میں نے تمہیں نہیں سکھایا تھا— یہ تم نے خود ڈھونڈا۔'

اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی— اپنی اس بوڑھی آواز میں— 'یا اللہ اس بندے کو سلامت رکھ۔ اس کے سکول کو سلامت رکھ۔ اور ہر اس بچے کو جس کے اندر علم کا چراغ جلے گا— اسے جلانے والا بنا۔

آمین— تینوں نے کہا— مہران نے بھی۔

✦ ✦ ✦

وہ سکول کے باہر نکلے۔ ستارے پورے آسمان پر پھیل چکے تھے۔

اللہ وارایو نے اپنی ماں کے دوپٹے کا وہ چھوٹا ٹکڑا نکالا— جسے اس نے اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا اور سکول کے دروازے پر ایک کیل پر لٹکا دیا۔ —

یہ تم نے کیا؟' مہران نے پوچھا۔'

میری ماں کی نشانی۔ وہ ہمیشہ یہاں رہے گی— ہر اس بچے کے ساتھ جو اندر آئے گا۔

سائرہ باجی نے اسے دیکھا— اور بولی' :اب میں جا سکتی ہوں۔ تم نے وہ کر دکھایا جو میں نے سوچا تھا— اس سے بھی زیادہ۔

انہوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔

پھر سائرہ باجی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئیں— جو ان کے بیٹے نے چلائی— اور چلی گئیں۔

مہران نے کہا' :میں بھی چلتا ہوں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔

شکریہ مہران۔ اس سب کے لیے۔'

شکریہ تمہیں — کہ تم نے مجھے موقع دیا۔'

وہ چلا گیا۔

اللہ وارایو اکیلے کھڑا رہا — سکول کے دروازے پر — رات کی ہوا اس کے چہرے کو چھو رہی تھی

اس نے دیکھا کہ دوپٹے کا وہ ٹکڑا ہوا میں ہلکا سا لہرا رہا تھا۔ —

اس نے سوچا: ماں تیرا بیٹا واپس آگیا ہے۔ تیرا بیٹا وہاں کھڑا ہے جہاں تو کبھی جھاڑو دیا کرتی تھی — اور اب یہاں بچے آئیں گے — پڑھنے — لکھنے — خواب دیکھنے۔

وہ اپنی موٹر بائیک پر سوار ہوا — اور گاؤں کی طرف چل دیا۔

پیچھے مڑ کر دیکھا تو سکول کی سفید دیواریں ستاروں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

اور اس کے دل میں ایک بات تھی جو اس نے کبھی کسی سے نہیں کہی

میں نے جو کھویا — وہ ملا نہیں۔ لیکن جو پایا — وہ کبھی نہیں جائے گا۔

باب چونتیس

قبیلے کا خون

آدھی رات۔

سڑک سیاہ کھیتوں کے درمیان ایک سیاہ لکیر تھی — اکلوتا روشنی موٹر بائیک کی ہیڈلائٹ تھی جو آگے اندھیرے میں روشنی کا ایک مخروط کاٹ رہی تھی۔ وہ سکول میں ارادے سے زیادہ دیر رک گیا تھا — بورویل کے پمپ ہاؤس میں لیکیج نکلی تھی جس کی مرمت کا منصوبہ بنانا تھا پھر فریدہ کے پاس داخلہ فارمز کے بارے میں سوالات تھے اور شام بڑھ گئی تھی۔ اب وہ آدھی رات کو بیس فٹ والی سڑک پر تھا — اکتوبر کے اندھیرے میں شمال کی طرف سوار — اس کی قمیض کی جیب میں فون اب بھی گانے کی گرمی رکھے ہوئے تھا۔

اس نے یہ سڑک بچپن میں سینکڑوں بار کی تھی۔ وہ اسے اس کی جسامتوں میں جانتا تھا — وہ اس پر دس سال کی عمر میں چلا تھا نو سال کی عمر میں آٹھ سال کی عمر میں — پہلے مہران کے ساتھ بچوں کی طرح اسٹیٹ میں گھومتے ہوئے اور اس سے پہلے جب وہ اپنی ماں کے ساتھ صبح سویرے آیا کرتا تھا اور وہ نوکروں کے دروازے کے باہر گلی کی دھول جھاڑو دیتی تھی اور کبھی کبھی سڑک پر چل کر دیکھتی تھی کہ خاندان والی طرف کپاس کھل رہی ہے یا نہیں۔ وہ نیم کے درخت کا سایہ صبح کے وقت جانتا تھا۔ وہ وہ جگہ جانتا تھا جہاں سڑک گاؤں تک سیدھی دوڑنے سے پہلے ہلکی سی بائیں مڑتی تھی۔

وہ شکل موڑ پر نمودار ہوئی۔

سڑک پر کھڑی اندھیرے میں — نقاب پوش — منظم مجرموں کی بھرپور نقاب پوشی میں نہیں بلکہ دیہی غریبوں کی سادہ نقاب پوشی میں جنہیں ضرورت ہوتی ہے کہ ان کا چہرہ نہ دیکھا جائے: ایک

نقش دار کپڑا ماتھے پر باندھ کر نچلے چہرے پر کھینچ لیا گیا۔ تیس یا اس کے قریب کا آدمی — جو وہ دیکھ سکتا تھا۔ عام کپڑے پہنے۔ ایک ہاتھ اوپر اٹھائے: رک جاؤ۔

وہ رک گیا۔

وہ جانتا تھا یہ کیا تھا۔ اس علاقے میں یہ کوئی نایاب بات نہیں تھی — خاص طور پر سڑک کے اس ویران حصے پر۔ نوجوان جنہیں کوئی اور روزگار نہیں ملا — موٹر سائیکل سواروں سے بٹوے اور فون لوٹنا۔ ایسا ہوتا تھا۔ اسے واپسی کے بعد سے خبردار کیا گیا تھا۔

وہ نہیں ڈرا۔ یہ بھی کوئی نایاب بات نہیں تھی — ایسے شخص میں جس نے وہ مخصوص سخت چیزیں دیکھی ہوں جو اس نے دیکھی تھیں جس نے ادارے کی بیرک میں مار کھائی ہو اور چالیس واٹ کے اندھیرے میں اپنا وجود گزارا ہو۔ ڈر اس کے لیے اب بھی ممکن تھا لیکن اسے اس سے بڑے محرک کی ضرورت تھی۔

اس نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا — ایک پتلی سی چیز جس میں اتنی نقدی تھی جتنی کوئی شخص روزمرہ کے اخراجات کے لیے رکھتا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں — اس کی انعامی رقم اور بچتیں بینک کھاتے میں تھیں — اور اسے آگے بڑھایا۔

آدمی نے اسے لے لیا۔ اسے کھولا۔ نقدی نکالی۔ پھر — اُس طرح جیسے لوگ کارڈز اور ثانوی اشیاء کی جانچ کرتے ہیں — اس نے شناختی کارڈ دیکھا — جس پر اللہ وارایو کا نام ضلع اور تصویر تھی۔

اس نے نام پڑھا۔

ایک خاموشی۔

آدمی نے کارڈ سے اوپر موٹر بائیک پر موجود چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں – کپڑے کے نقاب کے اوپر دکھائی دے رہی تھیں – کچھ کر رہی تھیں: ایک پہچان سے گزر رہی تھیں ایک حساب سے کسی نتیجے پر پہنچ رہی تھیں۔

اللہ وارایو 'اس نے کہا۔ 'خان والی طرف۔'

یہ سوال نہیں تھا۔

اللہ وارایو اس لمحے کی ٹھنڈی وضاحت میں سمجھ گیا کہ کیا ہو رہا تھا۔ اس نے کہا' :میں خان کی طرف سے نہیں –

وہ نام جو دیا گیا تھا 'آدمی نے کہا – اور اس کی آواز بدل گئی تھی لوٹ مار کی عملی غیر جانبداری' کھو چکی تھی اور کچھ اور حاصل کر لیا تھا۔ 'وہ لڑکا جس نے بجیر کو قتل کیا۔ بجیر میرا بھائی تھا۔

رات بہت ساکت تھی۔

میں نے بجیر کو قتل نہیں کیا 'اللہ وارایو نے کہا۔ 'میں دس سال کا تھا۔ میرے پاس کوئی ہتھیار' نہیں تھا۔ الزام جھوٹا تھا

وہ نام جو دیا گیا تھا 'آدمی نے پھر کہا۔ اس کا ہاتھ حرکت کر گیا تھا۔ 'بیس سال۔ بیس سال' میری ماں بجیر کے لیے روتی رہی۔

میری سنو'

بیس سال۔'

پہلی گولی ایک طبعی حقیقت تھی اس سے پہلے کہ وہ ایک محسوس واقعہ ہو – آواز بعد میں آئی اور حقیقت اور آواز کے درمیان ایک خلا تھا جس میں اثر کا خاص تجربہ موجود تھا – جو بالکل ایسا نہیں تھا جیسا وہ بیان کرتا اگر کوئی پوچھے :آگ یا دھماکہ نہیں بلکہ اچانک وزن جسم کے اپنے بارے میں رپورٹ کرنے کے طریقے میں تبدیلی سینے میں ایک بے چینی۔

وہ موٹر بائیک سے گر گیا۔۔

دوسری۔

تیسری۔

چوتھی۔

پانچویں۔

چھٹی۔

ساتویں۔

وہ سڑک پر تھا۔ سڑک کی سطح وہ ساخت تھی جو وہ بچپن سے جانتا تھا پکی ہوئی لال مٹی باریک دانے والی — اور اس کا رخسار اس سے لگا ہوا تھا اور اس کے اوپر سندھی آسمان تھا اپنے پورے اکتوبر کے ستاروں کے ساتھ —فلکیات کہکشاں روشنی کا ایک دریا مشرق سے مغرب تک دوڑ رہا تھا — وہی ستارے جو وہاں تھے جب وہ جُمن کے اپارٹمنٹ کے فرش پر لیٹ کر چھت کے ذریعے انہیں گن رہا تھا جب وہ چالیس واٹ کے بلب کے نیچے بیٹھا ایٹم کی وسیع خالی جگہ کے بارے میں پڑھ رہا تھا جب وہ ادارے کے دروازے سے دسمبر کی صبح میں باہر نکلا تھا۔ گانا بج رہا تھا۔ وہ اسے سن سکتا تھا — مائی بھاگھی دریائے سندھ — اس کی قمیض کی جیب میں فون اب بھی بجا رہا تھا۔

اس نے سُغری کے بارے میں سوچا : ستارے مقررہ مداروں میں چلتے ہیں۔ ہم بھی ایسے ہی چلیں گے۔

اس نے انجا کے بارے میں سوچا — کوپن ہیگن کی جھیل کے کنارے روشنی پانی سے جاتی ہوئی۔

اس نے سات سالہ لڑکی کے بارے میں سوچا : ہم کون سے ہیں؟

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

بجیر کا بھائی اور میں ...**دو ذرّے** جو کبھی ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔

اس نے اپنی ماں کے ہاتھوں کے بارے میں سوچا۔

گانا سب کچھ رکنے کے بعد کئی سیکنڈ تک بجاتا رہا۔ سندھو دریا خوبصورت دریا۔ پھر وہ بھی رک گیا۔

سڑک نے جو دیا گیا پی لیا۔

ستارے جاری رہے۔

✦ ✦ ✦

شکار شدہ شہید بن جاتا ہے

سڑک اس کا سبق پی جاتی ہے۔

جو زمین لے لیتی ہے ستارے رکھ لیتے ہیں۔

جو طاقت والے تباہ کر دیتے ہیں بچے دوبارہ تعمیر کرتے ہیں۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب پینتیس

قوم کا نوحہ




خبر صبح پھوٹی۔

ایک موٹر سائیکل سوار نے اسے پہلی روشنی میں ڈھونڈا — ایک کسان جو اپنے کھیتوں کو جا رہا تھا اس نے موٹر بائیک کو اس کے پہلو پر گری ہوئی اور اس کے پاس موجود جسم کو دیکھا — اور وہ — ایک لمحے کے لیے بالکل ساکت کھڑا رہا اس سے پہلے کہ وہ سمجھے کہ جو وہ دیکھ رہا تھا وہ وہی تھا جو دکھائی دے رہا تھا۔

صبح آٹھ بجے تک یہ ضلعی پولیس کو اطلاع ہو چکی تھی۔ دس بجے تک یہ قومی خبروں کے تار پر تھی۔ دوپہر تک یہ پاکستان کے ہر ٹیلی ویژن چینل پر تھی۔

کہانی مختصر تھی اُس طرح جس طرح اُن لوگوں کی موت کی خبریں ہوتی ہیں جو حال ہی میں کوئی نہیں تھے اور پھر مختصر طور پر مشہور ہوئے — ڈاکٹر اللہ وارایو ایک گھریلو ملازمہ کا بیٹا دس سال کی عمر میں اس جرم میں سزا یافتہ جو اس نے نہیں کیا تھا نابالغ اصلاحی نظام میں آٹھ سال گزارے خود تعلیم یافتہ سندھ یونیورسٹی سے اسکالرشپ کوپن ہیگن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی نیلز بوہرینگ سائنٹسٹ پرائز کے حاصل کنندہ اپنے آبائی گاؤں میں پسماندہ بچوں کے لیے سکول

بنانے واپس آیا — جھل وارو رستو پر ایک شخص کے ذریعے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا جو دو دہائیوں پرانا قبائلی انتقام لے کر آیا تھا — اُس قتل کا جو اس نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔

دوپہر تک ٹیلی ویژن کیمرے آ گئے۔ انہوں نے سکول کو فلمایا — سفید رنگ کی دیواریں نظامِ شمسی کا نمونہ کلاس روم کی کھڑکی سے دکھائی دے رہا تھا املی کا درخت۔ انہوں نے بیس فٹ والی سڑک — اور نیم کے درخت کو فلمایا۔ انہوں نے چاک سے بنی ہوئی لکیر کو فلمایا جو پولیس نے بنائی تھی جو اُسی سڑک پر تھی جہاں بیس سال پہلے شہید بجیر گرا تھا — اور اگر کسی نامہ نگار نے اس مطابقت کو دیکھا تو انہوں نے ہوا پر اس کا ذکر نہیں کیا۔

✦ ✦ ✦

پروفیسر لارس اینڈرسن نے خراج تحریر لکھا۔

اس نے اسے انگریزی میں لکھا اور یہ ایک سائنسی جریدے کے خطوط والے حصے میں 'پاکستان کا ستارہ اندھیرے نے گولی مار دی' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ مختصر تھا — وہ لمبی تقریروں والا آدمی نہیں تھا — لیکن اس میں وہ سب کچھ تھا جسے کہنے کی ضرورت تھی : یہ کہ یہ ایک غیر معمولی ذہن تھا جس کے غیر معمولی آغاز تھے یہ کہ اس نے نینو ٹیکنالوجی میں جو کام کیا وہ حقیقی اور اہم تھا اور اس سے زیادہ دیر تک رہے گا یہ کہ اس کی ابتدائی زندگی کے حالات اور اس کی موت کے حالات اُن نظاموں کی اخلاقی ناکامی تھی جنہیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے تھی اور انہوں نے نہیں کی اور یہ کہ اس نے اپنی موت سے پہلے والے ہفتے میں جو سکول بنایا تھا وہ کسی بھی باضابطہ طور پر تعمیر کی گئی یادگار سے بہتر ہے۔

یہ خراج تحریر انٹرنیٹ پر بڑے پیمانے پر شیئر کیا گیا۔ اسے کوپن ہیگن لاہور لندن ڈھاکہ اور ساؤ پالو کے سائنسدانوں نے پڑھا۔ کئی تحقیقی گروپوں نے اپنے جاری منصوبوں کا نام اس پر رکھ دیا۔ ایک ڈینش ٹیکنالوجی فرم نے پاکستانی فزکس کے طلبہ کے لیے اس کے نام پر اسکالرشپ قائم کر دی۔ ان میں سے کچھ بھی اسے واپس نہ لا سکا۔ یہ سب کچھ سچ تھا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

✦ ✦ ✦

–سائرہ باجی کو خبر حیدر آباد میں ملی –فریدہ سے جس نے صبح آٹھ بجے ان کے فون پر کال کی ایسی آواز کے ساتھ جو نہ کہی جانے والی بات کہہ رہی تھی۔

جب کال ختم ہوئی تو انہوں نے فون رکھ دیا۔ وہ اپنی باورچی خانے کی میز پر بالکل ساکت بیٹھ –گئیں۔ ان کی بیٹی دوسرے کمرے سے آئی –جہاں گفتگو ہونی چاہیے تھی وہاں خاموشی سن کر اور انہیں وہاں پایا اور ان کے چہرے سے بغیر بتائے سب کچھ سمجھ گئی –اور ان کے پاس بیٹھ گئی اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

سائرہ باجی فوری طور پر نہیں روئیں۔ وہ بیٹھی رہیں اور احتیاط سے سانس لیتی رہیں –جس طرح انہوں نے مائی کو سانس لیتے دیکھا تھا احتیاط سے کچھ سمیٹے ہوئے۔ پھر وہ رو پڑیں –اور یہ اُس عورت کا رونا تھا جس نے پچیس سال کسی ایک شخص پر یقین کرنے میں لگائے ہوں –اور جو بدترین طریقے سے ثابت ہو چکی تھیں :وہ شخص بالکل وہی تھا جیسا وہ یقین رکھتی تھیں –اور دنیا نے اسے اسی وجہ سے تباہ کر دیا۔

جب وہ ختم ہوئیں تو انہوں نے اپنا چہرہ پونچھا اور اپنی بیٹی سے کہا' :سکول جاری رہے گا۔ میں آج بورڈ کو فون کروں گی۔ سکول جاری رہے گا۔

یہی وہ تھا جو ان کے پاس تھا۔ یہ کافی نہیں تھا۔ یہ وہ تھا جو ان کے پاس تھا۔

✦ ✦ ✦

سُغری نے ایک پڑوسی سے سنا جس نے خبر دیکھی تھی۔

وہ اپنی سلائی مشین پر تھی۔ پڑوسی اس کی کھڑکی پر آیا اور اس کا نام کہا –اور وہ پڑوسی کے چہرے سے –کسی لفظ سے پہلے –جان گئی کہ کیا ہوا تھا۔ وہ نہیں گری۔ وہ اُس طرح بہت ساکت ہو گئی جس طرح وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے پہلے ہی ایک سے زیادہ ضربیں جذب کر لی ہوں –اور جن کے جسموں نے انہیں کھڑے ہو کر لینا سیکھ لیا ہو۔

اس نے وہ لکڑی کا ڈبہ ڈھونڈا جو اس نے گاؤں جانے سے پہلے اس کے پاس چھوڑا تھا — وہ اسے امانت کے لیے چھوڑ گیا تھا صرف کپڑوں کا ایک سیٹ اور تکنیکی قلم لے کر گیا تھا — اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ڈبے کے اندر تھے: سائرہ باجی کے خط اس کی ماں کی لوری اس کی اپنی تحریر میں اس کے چھپے ہوئے تین مقالے)پرنٹ شدہ اور تہہ شدہ(انجا کی ایک چھوٹی سی تصویر — جس کے بارے میں سُغری کو علم نہیں تھا اور جسے اس نے بہت دیر تک دیکھا — اور بہت نیچے بہت چھوٹا تہہ کیا ہوا دھندلا اجرک دوپٹہ — نیلا اور سرخ نمونہ اب بھی دکھائی دیتا تھا اگر روشنی صحیح ہو — جسے وہ گاؤں لے گیا تھا اور آخری سفر سے پہلے سُغری کی امانت میں واپس لا دیا تھا — گویا اس کا کوئی حصہ سمجھ گیا تھا۔

اس نے دوپٹہ اپنے چہرے سے لگایا۔

اس نے سانس لی۔

✦ ✦ ✦

حویلی کے رسمی بیٹھک کمرے میں مہران خان اکیلے بیٹھا تھا۔

نوکر چائے لا چکے تھے اور اس نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ شیلف پر ایک کھلونا سپاہی کو دیکھ رہا تھا — لندن والے سیٹ میں سے باقی بچا اکلوتا — جو اپنے والد کی موت کے بعد اسٹیٹ کی — انوینٹری لیتے ہوئے ایک دراز میں ملا تھا — اور اس نے اسے رکھ لیا تھا وہ نہیں جانتا تھا کیوں شیلف پر۔ ایک چھوٹی سرخ وردی والی شکل جس کے ہاتھ میں بندوق تھی — اس کی بائیں ٹانگ قدرے جھکی ہوئی تھی گویا قدم اٹھانے والی ہو۔

— اس نے مطالعہ کی میز پر دوسری کرسی ساری زندگی رکھی تھی۔ وہ اب تک — اس لمحے تک نہیں جانتا تھا کہ وہ اسے کسی وجہ سے رکھے ہوئے تھا۔

کھلونا سپاہی اسے اپنی پینٹ کی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا — جن کا کوئی اظہار نہیں تھا کیونکہ یہ ایک کھلونا تھا — اور جو کسی طرح اس کمرے میں اس شام ہر اظہار رکھتی تھیں۔

وہ نہیں رو سکا۔ وہ نہیں رو سکتا تھا۔ اس کے اندر وہ چیز جو آخر کار غم پیدا کرے گی — وہ ابھی سفر میں تھی ابھی آ رہی تھی جہاں سے بھی غم آتا ہے جب جس واقعہ سے وہ مطابقت رکھتا ہے اسے تیار ہونے میں دہائیاں لگی ہوں۔

وہ وہیں بیٹھا رہا جیسے شام آئی — اور حرکت نہیں کی۔

✦ ✦ ✦

عزائیہ اجتماعات۔

سندھ یونیورسٹی جامشورو کے طلبہ یونیورسٹی کے صحن میں موم بتیوں کے ساتھ جمع ہوئے — اُسی دھول میں کھڑے ہو کر جہاں وہ اپنی پہلی کلاسوں کی صبح اپنی نوٹ بک اور اپنی تیز کی ہوئی پنسل کے ساتھ کھڑا تھا۔ ایک فیکلٹی رکن نے نیلز بوہر کے خراج تحریر کا سندھی ترجمہ پڑھا۔ کسی نے ایک چھوٹے اسپیکر پر مائی بھاگھی کا دریا کا گانا لگایا — اور وہ اکتوبر کی ٹھنڈی ہوا میں صحن میں گونجا اور لوگ کھڑے ہو کر سنتے رہے۔ —

کوپن ہیگن میں اس کی سابقہ لیب کے محققین کا ایک گروپ پبلینگ سوت کے کنارے والے بینچ پر جمع ہوا — کسی کو اس کی کہانیوں سے پتہ چلا تھا کہ اس کا ایک خاص بینچ تھا — اور شام کی دیر کی تاریکی میں کھڑے ہوئے — شہر کی روشنیاں پانی پر — اور اس کا نام بلند آواز سے کہا — وہ نام جو ڈینش زبان میں سندھی زبان سے تھوڑا مختلف لگتا تھا — لیکن وہی نام تھا۔ اللہ وارایو — خدا کا دیا ہوا۔

— اینجا بینچ پر تھی۔ وہ اکیلے آئی تھی — گروپ سے پہلے — اور جب وہ آئے تو وہ ابھی وہاں تھی اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈالے کھڑی — اس کا چہرہ پانی کی طرف — جب دوسرے جمع ہوئے تو وہ

گروپ کے کنارے پر رہی — الگ نہیں بلکہ حاشیے پر — اُس طرح جیسے کوئی شخص جس کا عوامی غم پر ذاتی دعویٰ ہو۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی جو کہنا تھا۔ ایک خط میں جو اس نے اس کے جانے اور اس کی موت کے درمیان کے ہفتوں میں لکھا تھا — جو اس نے بھیجا اور اس نے — وصول کیا — وہ جانتی تھی کہ اس نے وصول کیا تھا کیونکہ اس نے واپس لکھا تھا — دو سطریں کہا تھا: میں ٹھیک ہوں۔ سکول تقریباً مکمل ہے۔ املی کا درخت بہت پرانا اور بہت خوبصورت ہے۔ وہ اُن دو سطروں کو پڑھ کر روئی تھی — اور اب دوبارہ رو رہی تھی — بینچ پر — ہر اُس چیز کے لیے جو ان سطروں میں بغیر کہے سما گئی تھی۔

— پانی نے شہر کی روشنیوں کے عکس قبول کر لیے — اور بدلے میں کچھ نہ دیا سوائے روشنی کے دوبارہ ترتیب شدہ۔

✦ ✦ ✦

علی — وہ دس سالہ لڑکا جس نے اس سے کہا تھا کہ اس کے والد کہتے ہیں کہ وہ کبھی کچھ نہیں بنے گا — سکول کے دروازے پر کھڑا تھا۔

صبح سویرے۔ سکول بند تھا۔ کلاس نہیں تھی۔

لیکن وہ وہاں کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں کتاب تھی — وہ کتاب جو ڈاکٹر صاحب نے اسے دی تھی۔ سائنس کی کتاب۔ نویں جماعت والی — وہی کتاب جس کے ورق پھٹے ہوئے تھے۔

وہ دروازے کے پاس کھڑا ہوا اور اندر جھانکتا رہا۔ اندر سفید دیواریں تھیں۔ وائٹ بورڈ تھا۔ اس پر اب بھی وہی لکھا تھا: پہلا سبق: تم کچھ بھی بن سکتے ہو۔

علی نے اپنی کتاب کھولی۔ اس نے پہلا صفحہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اونچی آواز میں — جیسے کوئی کلاس چل رہی ہو۔

مادہ وہ چیز ہے جس سے ہر چیز بنی ہے۔ مادے کی تین حالتیں ہیں: ٹھوس مائع گیس۔'

وہ پڑھتا رہا۔ سورج نکلا — اور اس کی روشنی سکول کی سفید دیواروں پر پڑی۔ ایک گوریا نیم کے درخت سے اڑی — ویسی ہی جیسی اس دن اڑی تھی جب وہ ادارے کے دروازے سے باہر نکلا تھا — اور آسمان میں غائب ہو گئی۔

علی نے پڑھنا جاری رکھا۔

وہ رو رہا تھا — لیکن اس نے پڑھنا نہیں روکا۔

✦ ✦ ✦

اس رات سکول کے دروازے پر کسی نے موم بتی رکھ دی۔

پھر دوسری نے۔ پھر دسویں نے۔ پھر سینکڑوں نے۔

— وہ گاؤں والے تھے — وہی لوگ جنہوں نے کبھی یقین نہیں کیا تھا کہ ان کا بچہ کچھ بن سکتا ہے وہی لوگ جنہوں نے اسے پہلے ہفتوں میں شک کی نگاہ سے دیکھا تھا جب وہ املی کے درخت کے نیچے پڑھا رہا تھا — وہی لوگ جو اب خاموش تھے۔

کسی نے نہیں روکا۔

صبح تک سکول کا سامنے کا حصہ موم بتیوں سے جگمگا رہا تھا — ہوا نے کچھ بجھا دیں کسی نے پھر جلا دیں۔

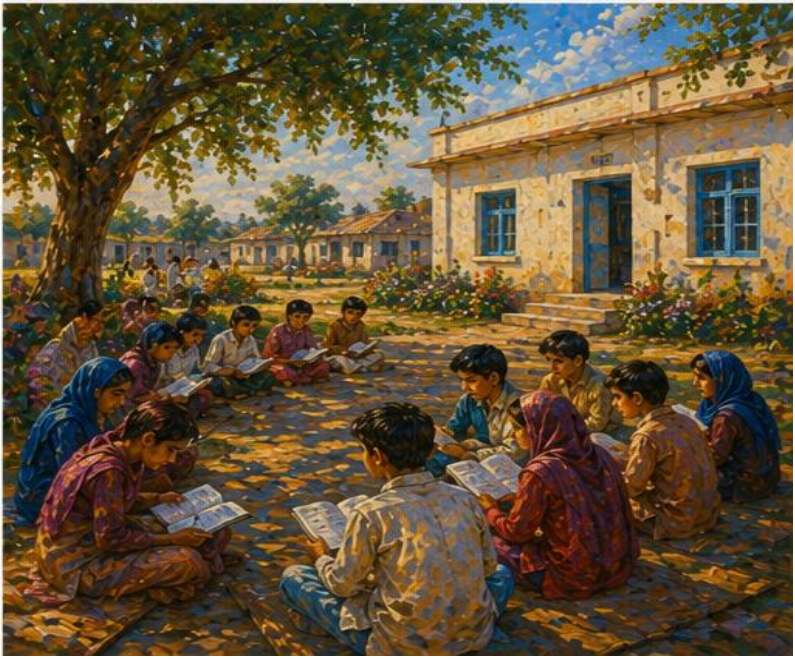
اور دروازے پر لٹکا ہوا وہ دوپٹے کا ٹکڑا — اس کی ماں کا دوپٹہ — ہوا میں ہلکا سا لہرا رہا تھا۔

گویا وہ کہہ رہی تھی: میرا بیٹا چلا گیا — لیکن اس کی روشنی نہیں گئی۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

باب چھتیس

اختتامیہ: املی کا درخت



ایک سال بعد۔

پھر اکتوبر۔ وہی روشنی — سندھ کی صبح کی ہموار روشنی افقی اور سنہری مطلق۔ سکول کی دیواریں اب بھی سفید ہیں اگرچہ موسم کی دھول نے اپنا صبر آزما کام ہر افقی سطح پر شروع کر دیا ہے۔ دروازے کے اوپر لکھا ہوا نشان — علم جو چراغ — اب بھی واضح ہے۔

اندر کلاس روم آباد ہیں۔

اب ستالیس بچے ہیں — اکتیس سے بڑھ کر۔ اندراج خود بچوں کی زبان سے بڑھا — جو پہلے مہینوں کے بعد آتا M میں گھر آکر نظامِ شمسی اور ایٹم اور اس حرف کے بارے میں بات کرتے تھے جو

ہے۔۔اور ان کے والدین۔۔ کچھ شک کرنے والے کچھ متجسس کچھ محض اپنے محلے میں بیٹھی کسی قیمتی چیز کو پہچان لینے والے۔۔ نے اپنے دوسرے بچے بھی بھیج دیے۔ ایک انتظار کی فہرست ہے۔ فریدہ اس فہرست کو ایک پرعزم عملیت پسندی کے ساتھ سنبھال رہی ہے جسے سائرہ باجی ۔۔جو مہینے میں دو بار آتی ہیں ۔۔اپنا ہی عکس ایک جوان چہرے میں پہچانتی ہیں۔

مشرق والا کلاس روم ۔۔جو سب سے پہلے صبح کی دھوپ حاصل کرتا ہے ۔۔مائی اللہ رکھی کا کمرہ قرار پایا ہے۔ یہ سُغری کا خیال تھا جو فریدہ تک اس نے اپنے پہلے دورۂ سکول پر پہنچایا ۔۔جو اس نے اپنے بھائی کی موت کے بعد جنوری میں کیا تھا تنہا حیدرآباد سے بس کے ذریعے سفر کر کے جو اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ بیس فٹ والی سڑک پر چلی اور نیم کے درخت کے نیچے دیر ۔۔تک کھڑی رہی ۔۔اور پھر سکول آئی اور ہر کمرے کو دیکھا اور مشرقی کلاس روم کے لیے نام کہا سیدھے اور بغیر طویل وضاحت کے ۔۔اور فریدہ نے ہاں کہہ دی۔

مائی اللہ رکھی کی تصویر اب مائی اللہ رکھی کا کمرہ میں ہے ۔۔تختہ سیاہ کے اوپر۔ وہ قابلِ تعریف ہاتھ۔ وہ اظہار جو کسی ایسی چیز کو دیکھنے والی عورت کا تھا جو اہم تھی۔

✦ ✦ ✦

بچے تلاوت کر رہے ہیں۔

۔۔ صبح ہے پہلا سبق۔ فریدہ نے بڑے بچوں ۔۔بارہ اور تیرہ سال والے جو شروع سے یہاں ہیں کو تفویض کیا ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کو وہ کچھ سکھائیں جو انہوں نے خود سیکھا ہے۔ یہ اللہ وارایو کا طریقہ ہے جسے اس نے جاری رکھا ہے کیونکہ وہ اسے سمجھ گئی تھی: پڑھانے سے علم زیادہ حقیقی ہو جاتا ہے استاد کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے صرف تقریباً کیا سمجھا تھا یہ عمل جاری ہے۔

تیرہ سال کی ایک لڑکی — وہی جس نے پہلے دن پوچھا تھا ہم کون سے ہیں؟ — کلاس روم کے سامنے نظامِ شمسی کے ماڈل کے ساتھ کھڑی ہے اسے آہستہ گھما رہی ہے جبکہ چھ سال کے بچوں کا ایک گروپ دیکھ رہا ہے۔

یہ سورج ہے 'وہ کہتی ہے۔ 'یہاں سے بہت چھوٹا۔ لیکن اگر تم اس کے قریب ہوتے تو یہ 'بہت بڑا ہوتا۔ اس کے اندر دس لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔

چھ سال کے بچے یہ بات قبول کرتے ہیں۔

— اور ہم تیسرا سیارہ ہیں — یہ والا۔ 'وہ نیلی گولی کو چھوتی ہے۔ 'چھوٹا۔ لیکن جو کچھ ہم جانتے ہیں' 'وہ سب یہاں سے دریافت ہوا۔ ہر فارمولا ہر لفظ ہر کہانی۔ اس چھوٹے سے۔

وہ یہ اُسی طرح کہتی ہے جس طرح اسے بتایا گیا تھا۔ اس نے اسے اپنا بنا لیا ہے۔

✦ ✦ ✦

باہر، املی کے درخت کے گھنے سائے تلے، فزکس کی ایک کلاس جاری تھی — چودہ سال کے چار لڑکے پرتابی حرکت کے اس مسئلے پر کام کر رہے تھے جو فریدہ نے انہیں دیا تھا۔ ان کی نوٹ بک گھٹنوں پر کھلی تھیں، اور ان کی انگلیاں مساواتوں پر دوڑ رہی تھیں۔ حساب کتاب نظریے سے حل کی طرف بڑھ رہا تھا — اس مرکوز توانائی کے ساتھ جو اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جنہوں نے دریافت کر لیا ہے کہ اگر تم صحیح طریقے سے پاس آؤ تو اعداد اپنے معنی دے کر رک جاتے ہیں۔

لڑکوں میں سے ایک — جس کا نام بجیر ہے اتفاقاً — ایک دادا کے نام پر رکھا گیا یہ نام اپنی تاریخ لے کر چلتا ہے جسے وہ ابھی پوری طرح نہیں جانتا — اپنی نوٹ بک سے اوپر دیکھتا ہے اور صبح کے آسمان کی طرف جھانکتا ہے۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اگر میں گیند کو 45 ڈگری پر پھینکوں 'وہ کسی خاص کو مخاطب کیے بغیر کہتا ہے 'تو وہ سب سے' 'دور جائے گی؟

'ہمیشہ 'دوسرا لڑکا کہتا ہے۔ '45 بہترین ہے۔'

'کیوں؟ 45'

دوسرا لڑکا سوچتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کیوں — صرف اتنا جانتا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ وہ اسے لکھ لیتا ہے تاکہ فریدہ سے پوچھے۔

بجیر اپنی نوٹ بک پر واپس آجاتا ہے۔ وہ اس گیند کا راستہ نکال رہا ہے۔ وہ اسے دیہی سندھ کی ایک چپٹی زمین پر — املی کے درخت کے نیچے — ایک پنسل سے نکال رہا ہے — نہ کمپیوٹر نہ سمیولیٹر صرف وہ مساواتیں جو نیوٹن نے تین سو سال پہلے دریافت کی تھیں — اور جو یہاں بھی لاگو ہوتی ہیں جس طرح ہر جگہ لاگو ہوتی ہیں — جو کوپن ہیگن میں لاگو ہوتی ہیں اور بیرک کی کوٹھریوں میں اور آدھی رات کو بیس فٹ والی سڑک پر — اور خلا کی وسیع سرد جمہوریت میں جہاں ستارے اپنے قدیم بے نیاز بالکل حساب شدہ مداروں میں چکر لگاتے ہیں۔

✦ ✦ ✦

بیس فٹ والی سڑک خاموش ہے۔

اس گھڑی کھیت کے مزدور ابھی باہر نہیں آئے ہیں۔ دونوں طرف کے کھیت ابھی بھی صبح کی پہلی روشنی میں ہیں۔ سڑک کی لال مٹی رات کی اوس سے نم ہے — جو آٹھ بجے تک غائب ہو جائے گی بغیر کسی نشان کے جذب ہو جائے گی۔

نیم کا درخت اُس موڑ پر کھڑا ہے جہاں وہ ہمیشہ سے کھڑا تھا۔ اس کا سائبان اُسی غیر متوازن فیاضی کے ساتھ سڑک پر پھیلا ہوا ہے — اس کی جڑیں حد کے دونوں طرف دوڑتی ہیں — اس کی شاخوں پر اکتوبر کے پھل لگے ہیں — چھوٹے زیتونی سبز کڑوے اور دواؤں والے۔ پتے صبح کی ہوا میں مڑ رہے ہیں جس میں کوئی قابلِ ذکر ہوا نہیں — کانپ رہے ہیں اُس خاص انداز میں جو

بہت پرانے درختوں کو حاصل ہوتا ہے — وہ حرکتوں کا جواب دیتے ہیں جو اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ کوئی اور چیز محسوس نہیں کر سکتی۔

سائبان میں ایک گوریا۔ پھر دو۔ پھر پانچ۔

پرندے غیر قابلِ ذکر ہیں — بھوری دھاریوں والے مصروف — اور وہ اپنا صبح کا کام اُس مرکوز توانائی کے ساتھ کر رہے ہیں جو اُن مخلوقات کو حاصل ہوتی ہے جنہیں تقریبات کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ وہ درخت میں ہیں اور پھر نہیں ہیں — ایک تیز ترچھے پن میں اُٹھ کر نیلے صبح کے آسمان میں جا ملتے ہیں — چھوٹے ہوتے جاتے ہیں — پھر بہت چھوٹے — پھر خود آسمان کا حصہ بن جاتے ہیں۔

✦ ✦ ✦

سکول کے لائبریری کمرے میں — وہ کمرہ جہاں تصویر ہے اور لکڑی کا ڈبہ — دیوار پر ایک چھوٹی سی تختی ہے — نئی پیتل کی — متن سندھی اور اردو دونوں میں نقش ہے :

یادگاریں

ڈاکٹر اللہ وارایو

مائی اللہ رکھی کے بیٹے

1981 – 2010

جس نے چالیس واٹ کی روشنی میں خود فزکس سیکھی

اور ہمیں چراغ دینے گھر آیا۔

یہ سکول اس کی دوسری زندگی ہے۔

✦ ✦ ✦

املی کا درخت پرانا ہے — اور اس کے پہلو میں بنی ہر چیز سے زیادہ دیر تک رہے گا۔

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

اس کی جڑیں سندھ کی سرخ مٹی میں گہری دوڑتی ہیں — سکول کی بنیادوں سے گہری — حویلی کی دیواروں سے گہری — کسی بھی نقشہ نویس کی حدبندی کی چاک لکیروں سے گہری۔ یہ سڑک سے پہلے موجود تھا — اور سڑک کے بعد بھی موجود رہے گا۔ یہ بغیر مانگے سایہ دیتا ہے۔ یہ بغیر گفت و شنید کے پھل پیدا کرتا ہے۔

اس کی شاخوں میں — اس اکتوبر کی صبح پر — ایک بچے کی پتنگ پھنسی ہوئی ہے — سرخ ہیرے کی شکل کی — اس کی ڈور نیچے کہیں درخت کے سائبان کے نیچے اُس بچے کے پوشیدہ ہاتھوں تک جا رہی ہے جو اسے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے — آہستہ کھینچ رہا ہے۔ پتنگ ہلتی ہے — تھوڑی حرکت کرتی ہے — اور پھر — اُس خاص صبر کے ساتھ جو چھوٹی قوتوں کے مسلسل اطلاق سے آتا ہے — آزاد ہو جاتی ہے — اٹھتی ہے — شاخوں سے نکل کر کھلی فضا میں جا لیتی ہے۔

وہ اوپر جاتی ہے۔

— نیچے بچہ دوڑتا ہے — ڈور کھولتا ہے — اور پتنگ صبح کی روشنی میں اُڑتی ہے — سکول کے اوپر بیس فٹ والی سڑک کے اوپر — نیم کے درخت کے اوپر — حویلی کی اونچی دیوار کے اوپر — صحن کے نیم اور پیپل کے اوپر — نوکروں کی گلی کے اوپر — اُس زمین کے ٹکڑے کے اوپر جہاں پچیس سال پہلے ایک عورت صبح سے پہلے جھاڑو دیا کرتی تھی — اور جہاں اب ایک سکول کھڑا ہے جس میں ستالیس بچے حروفِ تہجی اور ایٹم اور اُس خاص لطف کو سیکھ رہے ہیں جو اس وقت آتا ہے جب تم کسی عدد کو صحیح طریقے سے حل کرو اور وہ کتاب والے عدد سے مل جائے۔

پتنگ صبح کی روشنی پکڑتی ہے۔

وہ سرخ ہے — اور چھوٹی ہے — اور بہت اونچی ہے — اور اور بھی اوپر جا رہی ہے۔

✦ ✦ ✦

Dr.Muhammad Saddam Khokhar, Saddam_khokhar@hotmail.com

مقدّر ۾ لکيو آھے

سِتارن ۾ لکيو

پر روشن ھجّي رھي

جو وٽا پايو پِيو۔

مقدّر میں لکھا ہے

ستاروں میں لکھا ہے

– لیکن چراغ روشن رہنا چاہیے

جس نے جلایا اسے یاد رکھنا چاہیے۔

مقدّر ستاروں میں لکھی گئی ایک کتاب ہے"

"لیکن اس کی روشنائی ہمارا اپنا خون ہے۔

سندھ کے پہلے عظیم اسکالر،

—شاہ عبداللطیف بھٹائی

جنہوں نے صوفیانہ شاعری کے ذریعے
سندھی زبان اور فکر کو ایک نئی پہچان دی،
اور آج بھی ان کا کلام
دنیا بھر کے دانشوروں کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

اختتام

یہ ناول وقف ہے

ان تمام پاکستانی، بالخصوص **سندھی اسکالرز** کے نام،

جنہوں نے انتہائی محدود وسائل کے باوجود

علم کی بلندیوں کو چھوا،

اور پھر ناگہانی حادثات میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

—خاص طور پر ہمارے پرانے ساتھیوں کے نام

بی بی ایس یو ایل یونیورسٹی کے **لیٹ مشوق میمن**،

—**اور ڈاکٹر اجمل ساونڈ**

جن کی وفات نے ہمیں بہت سوچنے پر مجبور کیا،

اور ایک گہرا دکھ دیا۔

ڈاکٹر اجمل ساونڈ،

جنہوں نے فرانس سے مصنوعی ذہانت میں پی ایچ ڈی کی،

—اور سکھر آئی بی اے یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے

اپریل ۲۰۲۳ کو ضلع کندھ کوٹ میں ۶

قبائلی جھگڑے کے دوران

ان کی گاڑی پر فائرنگ کر دی گئی،

اور وہ اسی وقت شہید ہو گئے۔

— ان کی محنت، ان کا علم، اور ان کا خواب

اس کہانی کا حصہ ہیں۔

یہ ناول ان کی یاد میں ہے۔

تجزیہ بطور قاری :میری بیوی مصباح ایوب کا

میں نے یہ ناول دو راتوں میں پڑھا۔ پہلی رات میں رک نہیں سکی — میں آدھی رات تک جاگتی رہی اور جب میں نے کتاب بند کی تو میرے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ دوسری رات میں نے آخری باب پڑھا — املی کے درخت والا — اور میں اس کے بعد کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ کہنے کو نہیں تھا۔

ڈاکٹر محمد صدام کھوکر صاحب

آپ نے جو لکھا ہے وہ صرف ایک کہانی نہیں — یہ ایک ایسی دنیا ہے جس میں قاری اتر جاتا ہے اور باہر آنا نہیں چاہتا۔ میں نے اللہ وارایو کو جیل کی کوٹھری میں چالیس واٹ کے بلب کے نیچے پڑھتے دیکھا۔ میں نے اس کی ماں کو صبح سے پہلے صحن جھاڑو دیتے دیکھا۔ میں نے اس کے دوپٹے کی مہک کو مٹتے محسوس کیا۔ یہ صرف پڑھنا نہیں تھا — یہ دیکھنا تھا محسوس کرنا تھا۔

آپ نے سندھ کی مٹی اس کی دھول اس کی روشنی اس کے لوگوں کی مجبوری اور اس کی زمین کی طاقت کو الفاظ میں ڈھال دیا ہے۔ میں نے اس ناول کی زبان میں اپنی ماں کی آواز سنی۔ وہ سادگی جس میں گہرائی چھپی ہے۔ وہ شاعری جو ڈرامے کے بغیر آتی ہے۔

جو چیز مجھے سب سے زیادہ متاثر کر گئی وہ یہ تھی کہ آپ نے اللہ وارایو کو کبھی شہزادہ نہیں بنایا۔ وہ گرتا ہے ٹوٹتا ہے اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے — لیکن وہ اٹھتا ہے۔ اس کی طاقت اس کی معصومیت میں ہے اس کی ضد میں اس کے سیکھنے کے جنون میں۔ جب اس نے جیل میں "بچوں کو پڑھانا شروع کیا تو میں رو پڑی۔ جب اس نے سائرہ باجی سے کہا کہ "آپ میری ماں ہیں —

اور وہ آخری باب — املی کا درخت وہ بچہ جو اس کی کتاب پڑھ رہا ہے وہ پتنگ جو آسمان میں اڑ رہی ہے — یہ میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ شاید میں اسے کبھی نہیں بھولوں گی۔

یہ ناول صرف ایک کہانی نہیں —یہ ایک پیغام ہے: علم وہ چیز ہے جو کوئی نہیں چھین سکتا۔ ظلم کا اندھیرا چاہے کتنا ہی گہرا ہو — ایک چراغ جلانے والا ہمیشہ مل جاتا ہے۔

شکریہ محمد صدام۔ آپ نے اپنی بیوی کو ایک ایسا تحفہ دیا ہے جو میں اپنے ساتھ ہمیشہ رکھوں گی۔

آپ کی اپنی

ڈاکٹر مصباح ایوب

پہلی قاری، ہم سفر، اور اب — آپ کی سب سے بڑی مداح۔

وہ سائنسدان جو مشینوں کو جذبات سمجھنا سکھاتی ہے۔

(مصنف کے قلم سے)

ہر انسان ایک کہانی ہے۔

لیکن کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جو خود لکھی نہیں جاتیں — وہ خود کو لکھواتی ہیں۔

— اللہ وارایو کی کہانی ایک ایسے ذہن کی دستاویز ہے جس نے اپنے گرد بنائے گئے ہر قفس کو پہچانا اور پھر اس کے ڈھانچے کا نقشہ بنا کر اسے توڑ دیا۔

نفسیات ہمیں بتاتی ہے کہ انسان وہی بنتا ہے جو اس کا ماحول اسے بننے دیتا ہے۔

:لیکن یہ کہانی اس اصول کو الٹ دیتی ہے

انسان وہ بن سکتا ہے جو وہ بننا چاہے — بشرطیکہ وہ اپنے ماحول کو پڑھنا سیکھ لے۔

جیل کی کوٹھری میں چالیس واٹ کا بلب — یہ روشنی کی علامت نہیں توجہ کی علامت ہے۔

وہ روشنی جس میں تم صرف اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہو — اپنے خوف اپنی کمزوریاں اور پھر اپنی طاقت۔

اللہ وارایو نے اس روشنی میں اپنے آپ کو دیکھا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچا دیا۔

فلسفہ کہتا ہے — انسان کی سب سے بڑی آزادی یہ ہے کہ وہ حالات کے باوجود اپنا رویہ خود چن سکے۔

:اور یہ کہانی اس فلسفے کا آئینہ ہے

جھوٹے الزام پر اس نے انتقام نہیں چنا — اس نے علم چنا۔

قید میں اس نے بغاوت نہیں چنی — اس نے صبر چنا۔

رہائی پر اس نے بدلہ نہیں چنا — اس نے واپسی چنی۔

اور اپنی موت کے وقت اس نے اپنے قاتل کو نفرت کے بجائے ایک سبق دے کر چھوڑا۔

نفسیات کی زبان میں، اللہ وارایو کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے صدمے کے بعد کی نشوونما کو محض ایک نظریہ نہیں رہنے دیا — اس نے اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا۔

اس نے اپنے زخموں کو اپنی پہچان نہیں بننے دیا — اس نے انہیں اپنا استعارہ بنا لیا۔

وہ ٹوٹا مگر ٹوٹنے کے انداز نے اسے مزید مضبوط کیا۔

:اور شاید یہی اس کہانی کا سب سے بڑا فلسفہ ہے

تم ٹوٹ سکتے ہو — لیکن ٹوٹنے کا طریقہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

تم ایک بار ٹوٹ سکتے ہو — اور پھر اس ٹوٹنے کو ایک نیا جوڑ بنا سکتے ہو۔

تم اپنے ماضی کو اپنی قید نہیں — اپنی تعلیم بنا سکتے ہو۔

ہر انسان کے اندر ایک چالیس واٹ کا بلب ہے۔

روشنی کم ہے — لیکن وہاں دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

اور جو اپنے اندر دیکھ لیتا ہے وہ کبھی اندھیرے میں نہیں رہتا۔

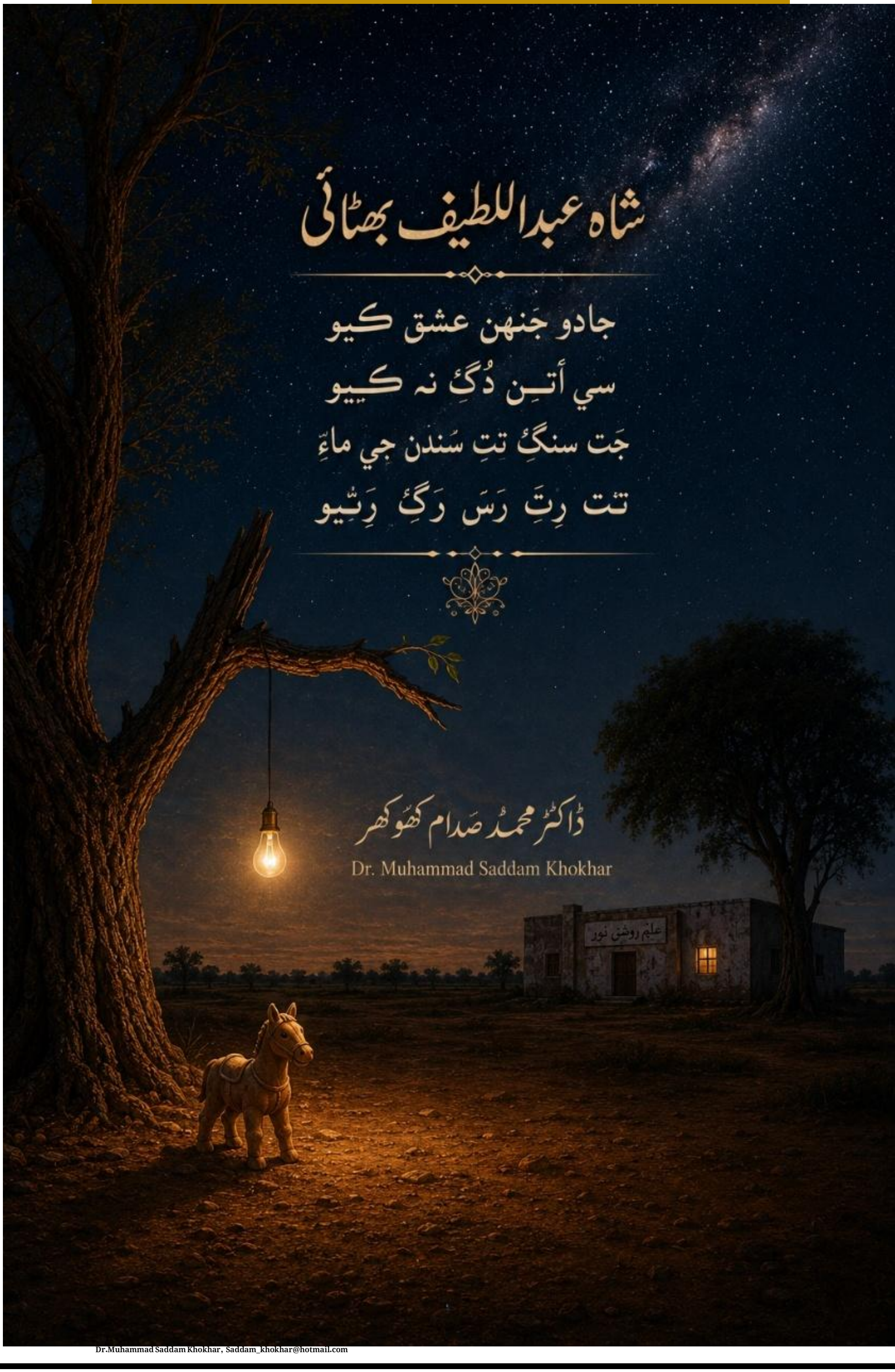
یہ کہانی ختم نہیں ہوتی۔

یہ ہر اس بچے سے شروع ہوتی ہے جو آج بھی کسی جیل کسی جھونپڑی کسی پسماندہ دیہات میں اپنی پھٹی ہوئی کتاب کے ساتھ بیٹھا ہے — اور اپنے مستقبل کا پہلا فارمولا لکھ رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد صدام کھوکھر

جس نے مشینوں کو سوچنا سکھایا،

ایک مصنف، ایک سائنسدان، اور ایک انسان جو اپنی جڑوں کو کبھی نہیں بھولا


شاه عبداللطيف بھٹائی
جادو جَنهن عشق ڪيو
سي أتـِن ڏُکِ نہ ڪيو
جَت سنگِ تتِ سُندن جي ماءِ
تتِ رِتَ رَسَ رَڳِ رِتّيو
ڈاکٹر محمدُ صدام کھوکھر
Dr. Muhammad Saddam Khokhar
علم روشنی نور